مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

سِیْرَۃُ الاَنْبِیَاءِ

عَلَیْهِمُ السَّلَام

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت طیبہ پر معرکۃ الآراء تالیف

مقدمہ

مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

(ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

ادارہ افادات حضرت گنگوہی رح

ناشران

انڈین کونسل آف فتوی اینڈ ریسرچ ٹرسٹ بنگلور
جامعہ فاطمہ للبنات مظفرپور، بہار (الہند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرۃ الانبیاء

علیہم السلام

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت طیبہ پر [illegible] تالیف

ادره فیضان حضرت گنگوہی رح

تالیف

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

چیرمین

انڈین کونسل آف فتویٰ اینڈ ریسرچ ٹرسٹ بنگلور

بانی و صدر

جامعہ فاطمہ للبنات مظفرپور، بہار (الھند)

Mobile: 9342558322 / 8792250535
E-mail : mbnadvi@gmail.co
www.badiuzzamanadwiqasmi.com
www.jamiafatimalilbanat.org

۲۹ر انبیاء کرام
علیہم السلام
ایک نظر میں

- حضرت آدم علیہ السلام
- حضرت ادریس علیہ السلام
- حضرت نوح علیہ السلام
- حضرت ہود علیہ السلام
- حضرت صالح علیہ السلام
- حضرت ابراہیم علیہ السلام
- حضرت اسماعیل علیہ السلام
- حضرت اسحاق علیہ السلام
- حضرت لوط علیہ السلام
- حضرت یعقوب علیہ السلام
- حضرت یوسف علیہ السلام
- حضرت شعیب علیہ السلام
- حضرت موسیٰ علیہ السلام
- حضرت ہارون علیہ السلام
- حضرت یوشع علیہ السلام
- حضرت حزقیل علیہ السلام
- حضرت الیاس علیہ السلام
- حضرت الیسع علیہ السلام
- حضرت شموئیل علیہ السلام
- حضرت داؤد علیہ السلام
- حضرت سلیمان علیہ السلام
- حضرت ایوب علیہ السلام
- حضرت یونس علیہ السلام
- حضرت ذوالکفل علیہ السلام
- حضرت عزیر علیہ السلام
- حضرت زکریا علیہ السلام
- حضرت یحییٰ علیہ السلام
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تصریحات

اشاعت کے جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

بار اوّل: ۱۴۲۷- 2006 ● **باردوم:** ۱۴۳۳- 2012
نام کتاب : **سیرۃ الانبیاء** علیہم السلام
تالیف : مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی
تعداد صفحات : ۴۲۴- 424
سائز : 23+36/16
تعداد اشاعت : 1000
کمپوزنگ : مولانا محمد نور العین ندوی ۔ بنگلور
باہتمام : وحید الزماں، مسیح الزماں، فرید الزماں، بنگلور

● کتاب ملنے کے پتے ●

● انڈین کونسل آف فتوئی اینڈ ریسرچ ٹرسٹ، اولڈ پنشن محلہ، میسور روڈ، بنگلور- 18
حافظ قاری محمد شمشیر عالم جامعی ۔ موبائل: 9886985536
● جامعہ فاطمہ للبنات، قصر حلیم، پکی سرائے، چندوارہ، مظفر پور
فون: 0621-2281375 موبائل: 7488241510
جناب شوکت معین عرف ارمان ۔ موبائل: 9708827310
● ملت بکڈپو، نمبر 28 شومیشورانگر مین روڈ، نزد مسجد عتیق ٹینک گارڈن بنگلور-11
حافظ محمد ناظم ۔ موبائل: 9343713173

1 فہرست 3
2 شرف انتساب 8
3 پیش لفظ طبع ثانی: از مؤلف 9
4 تقریظ: حضرت مولانا محمد نعمت اللہ ادریس ندوی حفظہ اللہ 12
5 پیش لفظ : مؤلف 15
6 مقدمہ: حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم 20
7 تقریظ : حضرت مولانا مختار احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم 24
8 اہم تاریخی معلومات 27
9 شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت 33
10 سلسلہ نسب 34
11 رضاعت 35
12 عقیقہ وختنہ 36
13 مہر نبوت 37
14 شق صدر 37
15 والدین کی وفات 38
16 عبدالمطلب اور ابوطالب کی کفالت 39
17 شام کا پہلا سفر 39
18 فجار کی لڑائی 40
19 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے کس نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے؟ 40

20	تزویج خدیجہؓ	40
21	تعمیر کعبہ	41
22	اسلام کی تبلیغ کا آغاز	41
23	دار ارقم	42
24	اسلام کے خلاف سازشیں	42
25	شق قمر کا معجزہ	43
26	ردِ شمس کا معجزہ	44
27	غم کا سال	44
28	معراج کا واقعہ	45
29	مدینہ منورہ میں اسلام کا آغاز	46
30	غار سے روانگی	49
31	قباء میں تشریف آوری	50
32	قباء سے روانگی اور نماز جمعہ	52
33	مدینہ منورہ	52
34	رشتۂ مواخات	55
35	مسجد نبوی کی تعمیر	55
36	صفۂ نبوی کا قیام	58
37	غزوات و سرایا	58

38 ۲ر ہجری کے اہم واقعات 61
39 ۳ر ہجری کے اہم واقعات 62
40 ۵ر ہجری کے اہم واقعات 62
41 ۷ر ہجری کے اہم واقعات 62
42 ۸ر ہجری کے اہم واقعات 63
43 ۹ر ہجری کے اہم واقعات 63
44 ۱۰ر ہجری کے اہم واقعات 64
45 مرض وفات 64
46 وفات کا روح فرسا واقعہ 65
47 تجہیز 66
48 ازواج مطہراتؓ 68
49 صاحبزادے اور صاحبزادیاں 70
50 نواسے و نواسیاں 71
51 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا نکاح 71
52 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عبرانی نام 71
53 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود پڑھنا ضروری ہے 72
54 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا منکر 72
55 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل میں کس نام سے یاد کیا گیا ہے؟ 73

56 رحمۃ اللعالمین صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے 73
57 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اور آخری بیوی 73
58 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ شادیوں کا مقصد 73
59 قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف 74
60 اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسی بیوی کی تصویر بھیجی تھی؟ 74
61 جملہ ازواج مطہراتؓ کے نام کیا ہیں؟ 75
62 متفرقات 76
63 سب سے پہلے نبی کون تھے؟ 89
64 حضرت آدم علیہ السلام 93
65 حضرت ادریس علیہ السلام 107
66 حضرت نوح علیہ السلام 115
67 حضرت ہود علیہ السلام 125
68 حضرت صالح علیہ السلام 133
69 حضرت ابراہیم علیہ السلام 139
70 حضرت اسمٰعیل علیہ السلام 149
71 حضرت اسحاق علیہ السلام 155
72 حضرت لوط علیہ السلام 159
73 حضرت یعقوب علیہ السلام 167
74 حضرت یوسف علیہ السلام 173

75 حضرت شعیب علیہ السلام 199

76 حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام 209

77 حضرت یوشع بن نون علیہ السلام 241

78 حضرت حزقیل علیہ السلام 247

79 حضرت الیاس علیہ السلام 251

80 حضرت الیسع علیہ السلام 255

81 حضرت شمویل علیہ السلام 259

82 حضرت داؤد علیہ السلام 263

83 حضرت سلیمان علیہ السلام 271

84 حضرت ایوب علیہ السلام 287

85 حضرت یونس علیہ السلام 343

86 حضرت ذوالکفل علیہ السلام 351

87 حضرت عزیر علیہ السلام 359

88 حضرت زکریا علیہ السلام 367

89 حضرت یحییٰ علیہ السلام 373

90 حضرت عیسیٰ علیہ السلام 381

91 مآخذ و مراجع 418

92 انڈین کونسل آف فتویٰ اینڈ ریسرچ ٹرسٹ بنگلور 421

93 تعارف جامعہ فاطمہ للبنات مظفرپور 422

94 مختصر تعارف مؤلف کتاب 423

شرفِ انتساب

میں اپنی اس تالیف
کو
اپنے مُربّی و مُزکّی، مُفکر مِلّت
حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی
دامت برکاتہم
﴿ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ﴾
و
﴿صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ﴾
اور
اپنے مُحسن و مُشفق، خادم القرآن
حضرت مولانا حافظ قاری مختار احمد صاحب قاسمی
رحمۃ اللہ علیہ
﴿بانی مدرسہ عربیہ سراج العلوم، میسور روڈ، بنگلور سٹی﴾
کے
نام منسوب کرتا ہوں
اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے (آمین)

بدیع الزماں ندوی قاسمی

پیش لفظ طبع ثانی

از: مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا بِالْكِتَابِ الْمُبِیْنِ وَقَصَّ فِیْهِ اَحْسَنَ الْقَصَصِ مَوْعِظَةً وَّ ذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی كُلِّ مَنِ اتَّبَعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

ﮯ تقریبا ۵؍سال پہلے ”سیرۃ الانبیاء علیہم السلام“ اشاعت پزیر ہوئی جو الحمدللہ پسند کی گئی اور کم ہی مدت میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا، اور اب دوسرا ایڈیشن عمدہ طباعت اور دیدہ زیب سرورق سے آراستہ وپیراستہ ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس میں صاحب کتاب کی خوبی نہیں ہے، دراصل اس میں اصحاب سیرت کی شان عظمت اور اثر انگیزی ہے جو کسی کی طرف سے پیش ہوا اثر انداز ہوتی ہے، میرے لئے خوشی اور خوش بختی کا ذریعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت کو سامنے لانے کی توفیق عطا فرمائی۔

ﮯ احقر نے ”سیرۃ الانبیاء علیہم السلام“ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جامع تصویریں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس کتاب میں معاندین ومخالفین کے ذہن کو سامنے رکھا گیا ہے، اور مجادلانہ اسلوب کے بجائے حکیمانہ اور نفسیاتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اس سے امید ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں جو غلط تصورات ذہنوں میں ہیں، وہ دور ہوں گے۔

ﮯ اس کتاب میں اگر کوئی بات ہمیں اپنی سمجھ کے خلاف یا اس سے بالاتر محسوس ہو تو اس کے بارے میں بے یقین ہونے کے بجائے اپنی عقل وسمجھ کے محدود ہونے کا اعتراف ہی ہمارے لئے نجات کا باعث اور ہمارے ایمان ویقین کی سلامتی کا بہترین راستہ ہے۔

- زیر نظر کتاب کے ۳۳ تا ۸٦ صفحات جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر مشتمل ہیں، در حقیقت سرور کائنات، آقائے نامدار اور محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ناچیز عاصی کا ہدیہ عقیدت و عجز و نیاز ہے۔

- اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بہت پہلے منظر عام پر آجانا چاہئے تھا لیکن اپنی ذمہ داریوں اور مالی وسائل کی قلت کی وجہ سے تاخیر در تاخیر ہوتی چلی گئی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی توفیق اور بعض مخلص کرم فرماؤں کی توجہ سے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

- اس دوسرے ایڈیشن میں چند اہم معلومات کا اضافہ کیا گیا ہے اور کمپوزنگ کی غلطیوں کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔

- در حقیقت میرے مخلص دوست مخیّر ملت جناب الحاج چاند پاشاہ صاحب زید اقبالہ (مالک سی، آر، الیکٹریکلس، میسور روڈ، بنگلور) نے اس کتاب کی دوسری اشاعت کی بار بار فرمائش کی اور حوصلہ افزائی فرمائی، انہیں کی خصوصی توجہ سے کتاب کا دوسرا ایڈیشن آپ کی خدمت میں حاضر ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

- احقر دور جدید کے نامور اسلامی اسکالر، مشہور داعی الی اللہ، معروف محقق، برادر مکرم مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا محمد نعمت اللہ ادریس ندوی حفظہ اللہ کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہے، جنہوں نے احقر کی درخواست پر اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنی قیمتی تقریظ سے اس کتاب کو زینت بخشی۔

- احقر مشہور اسلامی اسکالر و صحافی جناب مولانا عبد اللہ سلمان ریاض قاسمی زیدہ مجدہ (مدیر: ماہنامہ پیام انسانیت بنگلور) کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تزئین اور دیدہ زیب سرورق بنانے اور کتاب کو طباعت کے لئے حتمی شکل دینے میں اپنی غیر معمولی محنت، ذاتی

دلچسپی اور فنی مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔

- انڈین کونسل آف فتویٰ اینڈ ریسرچ ٹرسٹ بنگلور کے کمپوزر عزیز گرامی قدر محمد بدر الاسلام عرف محمد شاہد زیدہ مجدہ بنگلور بھی بجاطور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کتاب کے بعض صفحات کی بڑی توجہ، محنت، لگن اور نہایت عرق ریزی کے ساتھ کمپیوٹرائزڈ کتابت کی ہے۔
- ان کے بعد ان تمام دوست واحباب اور قارئین کرام کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جو تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں، جو میری کتابیں بڑے شوق و ذوق سے پڑھتے ہیں، جو میری آنے والی ہر نئی کتاب کا بڑی بے تابی سے انتظار کرتے ہیں اور میرے لئے نیک خواہشات رکھتے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ اس کتاب کو علمۃ المسلمین کے لئے مفید، نافع اور لائق عمل بنائے۔ آمین یارب العلمین!

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے اس کتاب کو صدقہ جاریہ، زاد آخرت اور سرمایہ مغفرت بنائے۔ (آمین)

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ، وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

محتاج دعا

بدیع الزماں ندوی قاسمی

۲۷ / محرم الحرام ۱۴۳۳ھ / مطابق 23 / دسمبر 2011ء بروز جمعہ

◆

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰؐ کے بعد

تقریظ

مشہور اسلامی اسکالر و داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد نعمت اللہ ادریس ندوی دامت برکاتہم
(مرکز دعوت وارشاد، دبئی، متحدہ عرب امارات وسرپرست جامعہ فاطمہ للبنات مظفر پور)

الحمد الله رب العالمين و الصلاة و السلام على أشرف الأنبياء والمرسلين محمد خاتم النبيين و آله وصحبه أجمعين و من تبعهم با حسان الى يوم الدين ...أما بعد

عظیم شخصیات کی سیرتوں پر مشتمل تحریریں یوں بھی آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی ہیں، چہ جائے کہ ان کا تعلق ان نفوس قدسیہ سے ہو جن کو اللہ کے انبیاء ورسل ہونے کا شرف مرتبت حاصل ہے۔ سیرت نگاری کا یہ میدان بہ طور خاص دینی وعلمی خدمت کا روشن ترین باب ہے، کیوں کہ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد ہی اللہ کی وحدانیت کی دعوت، اس کے دین اسلام کی تبلیغ، راہ نجات کی رہنمائی اور دینا وآخرت کی سعادت وکامرانی کا طریقہ کار بتانا ہے، اور بہ حیثیت امت دعوت اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لئے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انبیاء ورسل کی سیرتیں ہمارے سامنے گویا ایک کھلی کتاب کی شکل میں موجود ہوں۔

فاضل مصنف برادر عزیز مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی کا یہ اقدام قابل صد تحسین ہے کہ انہوں نے اپنی تصنیفی کاوشوں کو آگے بڑھاتے ہوئے سیرت انبیاء جیسے اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ایسی کتاب جو ہر مسلمان گھر کی ضرورت ہو، یقیناً ایک بیش بہا تحفہ ہے، اس لئے کہ انبیاء کرام کی سیرتیں اگر حشو وزائد سے خالی ہوں اور مستند روایتوں پر مبنی ہوں تو ہر مسلمان کے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں، خاص طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک جس کے لئے قرآنی تاکید موجود ہے۔

ایک عام مسلمان کے لئے ان کی سیرتوں میں کم سے کم سبق یہ ہے کہ چوں کہ اللہ کے پیغمبروں نے دین توحید کی نشر واشاعت کے لئے بڑی سے بڑی مصیبت جھیل کر یہ دین لوگوں

تک پہنچایا؛ لہٰذا ہمارا فرض یہ بنتا ہے کہ بے کم وکاست اس کو اسی طور پر سینے سے لگایا جائے جس طرح انہوں نے پہنچایا اور قرآن نے ہمیں بتایا اور اسے اختیار کرنے کا حکم دیا، اللہ کا ارشاد ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ '' (الانبیـــاء : ۲۵) (ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو)۔

جہاں تک علماء اور مبلغین کا تعلق ہے تو پیغمبران اسلام کی سیرتوں سے ادنی استفادہ یہ کر سکتے ہیں کہ حالات چاہے جتنے ناسازگار رہوں، کتنی ہی سرکشی، ایذا رسانی، عداوت، بیہودہ گوئی اور افترا پردازی کا سامنا کرنا پڑا ہو، انہوں نے کبھی جدوجہد ترک کی، نہ ناامید ہوئے، بلکہ حکمت ودانائی، حلم وبردباری اور تواضع وخاکساری کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا اور باد مخالف کی تیز وتند ہوا میں حق کی کشتی کھیتے رہے۔

چنانچہ خود قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے حالات بیان کرنے کا مقصد، داعیان حق اور مومنوں کی دل داری، ثابت قدمی کی ترغیب، یاد دہانی اور نصیحت آمیزی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود میں آیت نمبر ۲۵ کی ابتداء سے مختلف نبیوں کے اپنی قوموں کے ساتھ محاذ آرائی کے قصے بیان کرنے کے بعد آیت نمبر ۱۲۰ میں یہ ارشاد فرمایا ہے: ''وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ وَجَآءَکَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ '' (هود: ۱۲۰) (رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے دل کی تسکین کے لئے بیان فرما رہے ہیں، آپ کے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت ووعظ ہے مومنوں کے لئے)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انبیاء کرام کی زندگیوں کے حقیقی پیغام کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور لوگوں تک پہنچانے کی توفیق سے نوازے۔

یہ کتاب انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت کے موضوع پر ایک امتیازی شان کی حامل ہے اور اہل علم واحباب سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے، کتاب کی مقبولیت وافادیت کے پیش نظر اس میں ضروری تصحیح وترمیم کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن ''انڈین کونسل آف فتویٰ اینڈ ریسرچ ٹرسٹ بنگلور) کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔

انڈین کونسل آف فتویٰ اینڈ ریسرچ ٹرسٹ بنگلور کا ایک تصنیفی، تحقیقی، اشاعتی اور تعلیمی ادارہ ہے جس کے قیام اور تاسیس کا مقصد ہی مستند کتابوں کی نشر و اشاعت ہے، انڈین کونسل نے ”سیرۃ الانبیاء علیہم السلام“ کو شائع کر کے اہل علم اور مطالعہ کے شائقین کو قیمتی، مفید اور کار آمد مواد فراہم کیا ہے، اللہ تعالیٰ انڈین کونسل کے کارکنوں کو اس سے بہتر انداز میں کام کرنے کی توفیق و سعادت عطا کرے۔

عالم اسلام کی مشہور علمی و روحانی شخصیت، جانشین مفکر اسلامؒ استاذ گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہ نے ایک خوبصورت ترین مقدمہ لکھ کر عنات فرمایا، جو اس کتاب کی زینت و جمال کا باعث ہے۔

مؤلف کتاب کی پہلی ۵ کتابیں اشاعت پزیر ہو کر عوام الناس اور خود اہل علم حضرات سے داد تحسین وصول کر چکی ہیں، ان سب تالیفات کا مطالعہ یقیناً ایک خوش آئند علمی اضافے کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو امت کے لئے بار آور فرمائے اور ان کے قلم کو میدان صحافت کے لئے قبول فرمائے۔

راقم الحروف اور تمام اہل علم کی طرف سے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے موقع پر مؤلف کتاب برادر عزیز مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی تبریک و تہنیت کے مستحق ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف کے لئے توشہ آخرت بنائے اور نجات کا وسیلہ و ذریعہ قرار دے۔ (آمین)...........وما توفیقی الا باللہ

عفو درگذر کا طالب

(حضرت مولانا) محمد نعمت اللہ ادریس ندوی (دامت برکاتہم)

مصفح، ابوظہبی، متحدہ عرب امارات

۲۷؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ؍مطابق 23؍دسمبر 2011ء بروز جمعہ

پیشِ لفظ

از: مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا بِالْكِتَابِ الْمُبِیْنِ وَقَصَّ فِیْهِ اَحْسَنَ الْقَصَصِ مَوْعِظَةً وَّ ذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی كُلِّ مَنِ اتَّبَعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ اَمَّا بَعْدُ !

تقریباً دس سال پہلے ”سالار ویکلی“ میں ایک مستقل سلسلہ ”مذہبی سوال جواب“ کے عنوان سے شروع کیا گیا، جس میں قارئین کے مذہبی سوال کے جواب دئے جاتے ہیں، الحمدللہ یہ سلسلہ احقر کے سپرد ہے، چونکہ اخبار کی زندگی بہت محدود ہوتی ہے، اور اس کا ریکارڈ رکھنا اور اسے محفوظ کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے، اس لئے قارئین کی طرف سے بہت اصرار تھا کہ اس علمی ذخیرہ کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ مستقبل کی نسلیں اس علمی ذخیرہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ میں نے قارئین کی خواہش کی تکمیل میں ”سالار ویکلی“ کے مذہبی سوال جواب کو کتابی شکل دینے کا ارادہ ایک سال پہلے کیا تھا اور خیال تھا کہ دو چار مہینے میں کتاب چھپ جائے گی، مگر کام شروع کیا تو بعض مقامات پر موضوع کی مناسبت سے کچھ ضروری اور مفید سوال و جواب کا اضافہ اور حوالہ جات کے التزام کی تجویز سامنے آئی، اس لئے بات پھیلتی اور بڑھتی گئی۔ مزید دشواری سراج العلوم کے درس و تدریس کی مصروفیت اور کچھ تحریریں وغیرہ لکھنے کا سلسلہ، اور دیگر ناگزیر مشاغل و اسباب سے بار بار سلسلہ ٹوٹتا اور جڑتا رہا۔

پہلے تو یہی ارادہ تھا کہ تمام سوال و جواب ایک ہی کتاب میں شامل کر لئے جائیں، لیکن جب احقر نے شیخ محترم، مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم کی خدمت عالیہ میں کتاب کا مسودہ پیش کیا تو حضرت نے مسودہ ملاحظہ کر کے فرمایا کہ تمام سوال و

جواب کو ایک ہی کتاب میں شامل کرنے سے کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی اور ضخامت کی وجہ سے اس سے استفادہ مشکل ہو جائے گا، اس لئے ان سوال و جواب کو دو تین حصوں میں شائع کیا جائے حضرت کی تجویز کے بعد ان سوال و جواب کو ایک کتاب میں جمع کرنے کی بجائے ہر موضوع پر الگ الگ کتاب تیار کرنے کا ارادہ ہو گیا۔

چنانچہ آج ہم قارئین کی خواہش کی تکمیل میں مختلف موضوعات کے سوال و جواب میں سے صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت طیبہ کے موضوع پر مشتمل سوال و جواب کا حصہ بنام ''سیرۃ الانبیاء علیہم السلام'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اس کتاب میں زیادہ تر معلومات ''سالار ویکلی'' کے ''مذہبی سوال جواب'' کے تراشے سے لی گئی ہیں، اور بعض جگہ موضوع کی مناسبت سے کچھ ضروری اور مفید سوال و جواب کا اضافہ کیا گیا ہے، اس لئے اس کو ''سالار ویکلی'' میں چھپے ہوئے ''مذہبی سوال جواب'' کا بعینہ نہیں کہا جا سکتا۔

○ اس کتاب میں وہ تمام تاریخی واقعات سپرد قلم ہوئے ہیں، جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت طیبہ اور ان کی رشد و ہدایت کے سلسلہ میں قرآن کریم نے عبرت و بصیرت اور پند و موعظت کے لئے بیان کئے ہیں۔

○ یہ کتاب 29/ مشہور انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت طیبہ، 609/ سوال و جواب، 344/ صفحات اور 133/ اہم ماخذ و مراجع پر مشتمل ہے۔

○ یہ کتاب ہر مزاج و مسلک کے لوگوں کے لئے یکساں طور پر مفید اور دلچسپ ہے، ہر شخص اپنے ظرف و طبیعت کے مطابق عبرت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

○ ہر پیغمبر کے حالات قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں کتنے مقامات پر بیان ہوئے ہیں، اس کتاب میں اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

○ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ ''بصیرتیں اور عبرتیں'' کے عنوان سے سوال و جواب قائم کر کے اصل مقصد اور حقیقی غرض و غایت یعنی عبرت و بصیرت کے پہلو کو خاص طور پر اس کتاب

میں نمایاں کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تالیف خدائے برتر کا وہ فضل و کرم ہے جس کے اظہار شکر کے لئے قلب و زبان دونوں قاصر ہیں۔

الحمد للہ احقر کی یہ تیسری کتاب منظر عام پر آرہی ہے، یہ بات باعث حیرت بھی ہے اور لائق شکر بھی...... حیرت ہے علم و عمل کی نارسائی اور کوتاہی کے باوجود اتنا کام کر لینے پر اور شکر ہے اس رحیم و کریم ذات کا جس نے اپنے ایک عاجز بندے کو چند صفحات سیاہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی، اس کی توفیق و حمایت شامل حال رہی تو دیگر موضوعات پر مشتمل "مذہبی سوال جواب" کے بقیہ حصے بھی آپ کے سامنے آجائیں گے۔

○ اس موقع پر میں سب سے پہلے عالم اسلام کی مشہور و معروف علمی و روحانی شخصیت شیخ محترم، مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور ریاست کرناٹک کے مشہور و معروف عالم دین خادم القرآن حضرت مولانا حافظ قاری الحاج مختار احمد صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے نہ صرف کتاب کی تالیف میں میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی، بلکہ اپنے رشحات قلم سے نواز کر مجھ سے محبت و تعلق کے رشتے پر مہر لگادی۔

اللہ پاک ان دونوں بزرگوں کے سائے کو ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔ آمین

○ گرامی قدر مولانا محمد نور الحسن ندوی زید مجدہ، بنگلور، کمپوزر بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں، جنہوں نے ذاتی دلچسپی سے کمپوزنگ کے کام کو بحسن و خوبی انجام دیا۔

○ گرامی قدر محترم جناب نیر ربانی صاحب زید اقبالہ، بنگلور کا بھی شکر گذار ہوں، جنہوں نے اپنی پروف ریڈنگ اور کتاب کو طباعت کے لئے حتمی شکل دینے میں اپنی بھرپور فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ انشاء اللہ کتاب اغلاط سے پاک ہوگی، ویسے انسانی جد و جہد کو ہر حیثیت سے مکمل کسی وقت بھی نہیں کہا جا سکتا۔

○ عزیز گرامی قدر، حافظ قاری محمد شمشیر عالم جامعی زید مجدہ (مبلغ و محصل مدرسہ

عربیہ سراج العلوم بنگلور) کا شکر گذار ہوں، جن کی ہمدردیاں میرے دوش ناتواں کو بڑی تقویت پہنچاتی ہیں۔

○ عزیز گرامی قدر مولانا شفیق احمد قاسمی میسوری زید مجدہ (مدرس وناظم مطبخ سراج العلوم و خطیب مسجد عائشہ، منگم پالیہ، بنگلور) وعزیزی مولوی حافظ ریاض الحق صدیقی سلمہ ابن جناب مولانا شاکر حسین صاحب قاسمی زید مجدہ، انڈی، بیجاپور کرناٹک اور مولوی حافظ نیاز احمد سلمہ ابن الحاج پی عبدالرحیم صاحب زید اقبالہ نائینڈ ہلی، بنگلور (متعلمان شعبہ عالمیت سراج العلوم) کے لئے دعا گو ہوں جو اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں احقر کے دست راست بنے رہے، اللہ پاک انہیں جزائے خیر دے اور علم وعمل میں ترقیات عطا فرمائے۔ آمین۔

○ میں اس موقع پر تمام ذمہ داران سراج العلوم، معلمین، عملہ اور معاونین سراج العلوم اور ادارہ روزنامہ سالار و سالار ویکلی بنگلور کے تمام ذمہ داروں اور عملہ کا بھی انتہائی شکر گذار ہوں۔

○ بڑی ناقدری ہوگی اگر مسرت کے ان لمحات میں خسر محترم جناب مولانا ماسٹر محمد عبدالمنان صاحبؒ بھتولی، برادر مکرم اسکول انسپکٹر جناب محمد صبغت اللہ صاحب صدیقی مظفر پور، برادر معظم جناب مولانا محمد نعمت اللہ صاحب ادریس ندوی بی یاس، ابوظہبی، یو اے ای، بڑے بھائی محترم جناب ماسٹر محمد سعید الزماں صاحب صدیقی، منجھلے بھائی محترم جناب ماسٹر محمد خلیق الزماں صاحب صدیقی بکھری اور صدیق محترم جناب مولانا محمد احسان اللہ صاحب شمسی زید مجدہم بسول، سیتامڑھی کا ذکر نہ کروں، جن کا میرے ساتھ ہمیشہ شفقت ومحبت اور ہمدردی وخیر خواہی کا معاملہ رہتا ہے۔

حسب ذیل محسنوں کے مخلصانہ تعاون سے اس کتاب کی طباعت میں بڑی مدد ملی ہے اللہ پاک ان سب کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

○ گرامی قدر ہمدرد قوم وملت محترم جناب الحاج سید جلیل صاحب

○ گرامی قدر محترم جناب الحاج چاند پاشا صاحب ○ گرامی قدر محترم جناب سید محمد صاحب ○ گرامی قدر محترم جناب الحاج مجید خان صاحب زید اقبالہم بنگلور ○ گرامی قدر محترم جناب منور شریف صاحب ○ گرامی قدر محترم جناب الحاج سید احمد حسین صاحب مرحوم، ان کے علاوہ احقر ان تمام حضرات کا بھی شکر گذار ہے، جنہوں نے کسی طرح بھی اس کام میں تعاون کیا ہے، خصوصاً مولانا مزمل ندوی صاحب زید مجدہ' (کیرلا) اللہ پاک ان سب کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ یہ کتاب قارئین کے لئے مفید، احقر کے لئے ذخیرہ آخرت اور اس کے والدین مرحومین اور بڑے ماموں محترم جناب الحاج محمد یونس صاحب بن محمد منیر الدین صاحب مرحوم (التوفی: ۳ رصفر المظفر ۱۴۲۷ھ مطابق 4/ مارچ 2006ء بروز شنبہ (سنیچر) بوقت شام 7.35 بجے) اور چھوٹے ماموں محترم جناب محمد صغیر صاحب مرحوم (التوفی: ۵/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ مطابق 6/ جنوری 2006ء بروز جمعہ بوقت رات 8.45 بجے) کے لئے ذریعہ نجات ثابت ہو۔ آمین۔

مؤلف کو اس کتاب کے متعلق کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی ہے، اس کا فیصلہ اصحاب ذوق اور اہل نظر کے ہاتھ میں ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ ،وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْل

محتاج دعا

بدیع الزماں ندوی قاسمی

۸/ رجب المرجب، ۱۴۲۷ھ مطابق 4/ اگست 2006ء جمعہ

◆

مقدمہ

مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم

(ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

و

(سرپرست اعلیٰ جامعہ فاطمہ للبنات مظفرپور)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد، و على آله و صحبه الغرالميامين، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين، و دعا بدعوتهم اجمعين، اما بعد

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، اللہ پاک کی طرف سے مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں ان کی اصلاح اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے احکام الٰہی کے پہنچانے اور راہ ہدایت بتانے کے کام کے لئے منتخب کئے جاتے رہے ہیں، چنانچہ وہ اپنی اپنی قوموں کو مخاطب کرتے اور ان کے سامنے اخلاق اور حسن سیرت کے اعلیٰ معیار کا نمونہ بن کر ان سب کی فلاح و بہبود اور اپنے خالق و مالک کی مخلصانہ بندگی کی طرف توجہ دلاتے رہے، ان کی طویل طویل مدت کی جدوجہد کے نتیجے میں اکثر قوموں کے طبقوں نے ان کی بات نہیں مانی، بلکہ ان کی طرف سے ان کو ایذاء پہنچائی جاتی رہی، اور ان کو بیوقوف قرار دے کر مذاق اڑایا جاتا رہا، بالآخر ایسی قوموں پر اللہ جل شانہ کا عذاب آیا اور ان کو مٹا دیا گیا، لیکن ایسا تب ہی ہوا جب قوم کو صحیح بات ماننے کے لئے خاصہ وقت دیا جا چکا تھا، تاکہ

حجت پوری ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ جلدی فیصلہ کیا گیا، اور جن قوموں نے اپنے نبی کی بات دیر سویر مان لی، ان کو رب العالمین نے عذاب اور سزا سے محفوظ رکھا اور ان پر اپنی نعمتیں جاری رکھیں۔

اس طرح انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ حضور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اسی نشیب و فراز سے اور سزا و جزا سے گزرتا رہا، اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان بنا۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا، اس سلسلہ کے چند تاریخی واقعات جن میں عبرت و نصیحت کے پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے، بیان فرمایا...... اور قرآن مجید سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی آسمانی کتاب تورات اتاری تھی، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو نصیحت اور ان کی رہنمائی کی گئی اور ان سے پہلے کی قوموں اور نبیوں کے واقعات بھی بیان ہوئے، ان دونوں مقدس صحیفوں میں انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے درمیان ہونے والی لائق عبرت باتیں دیکھی اور معلوم کی جا سکتی ہیں۔

البتہ توریت میں آسمانی کتاب اور خدا کا اتارا ہوا صحیفہ ہونے کے باوجود ان کی قوم نے اپنی دنیاوی اغراض کی خاطر ترجمانی اس کی مختلف جگہوں پر مختلف انداز کی کر دی۔ مزید یہ کہ جس زبان میں وہ کتاب نازل ہوئی، اس کی زبان متروک ہو جانے اور گم ہو جانے پر کتاب دوسری زبانوں میں منتقل کی گئی، اور اس کا اصل اور اپنی زبان کا نسخہ باقی نہیں رہا، ترجمے والے نسخوں ہی سے اس کی باتیں معلوم کی جاتی ہیں، جن میں جگہ جگہ فرق کیا گیا ہے۔

بہر حال احتیاط سے اس کی معلومات لی جا سکتی ہیں، بشرطیکہ قرآن مجید سے ٹکراؤ نہ ہو، اس طرح اس کو بھی معلومات کا مفید ذریعہ بنایا جا سکتا ہے، جو مسلمانوں کے لئے بھی

◆ ◆ ◆

افادیت رکھتا ہے، اس لئے قرآن مجید کے مفسرین نے قرآن مجید میں بیان کئے ہوئے زمانۂ ماضی کے واقعات کے جو پہلو نہیں بیان کئے گئے ہیں، ان کو حسب ضرورت پیش نظر رکھا تاکہ تفصیلی باتیں معلوم ہوں۔

قرآن مجید چونکہ نصیحت اور ہدایت کے لئے اتارا گیا ہے، اس لئے اس میں واقعات کے ان پہلوؤں کو نہیں بیان کیا گیا جن کا تعلق ہدایت اور نصیحت سے نہیں ہے، اور جو صرف قصے کہانی اور تاریخی افادیت رکھتے ہیں، ان پہلوؤں کو مفسرین نے محض معلومات بڑھانے کے لئے اپنے حسب مطلب تورات وغیرہ سے لیا ہے، جس کی علمی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بشرطیکہ اس میں احتیاط رکھی گئی ہو، اور قرآن مجید اور حدیث شریف میں بتائی ہوئی باتوں سے ان کا ٹکراؤ نہ ہو، اس لئے کہ قرآن وحدیث اپنی صحیح شکل میں باوثوق طریقے سے محفوظ ہیں، ان میں تغیر نہیں ہوا ہے۔

بہر حال علماء نے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پر کتابیں لکھی ہیں اور معلومات قرآن مجید اور حدیث شریف اور سابقہ صحف سماویہ اور سابقہ قوموں کی کتابوں سے بھی لی ہیں، جو علمی افادیت کی حامل ہیں، ان ہی کتابوں میں مولانا بدیع الزماں صاحب ندوی قاسمی (چیرمین انڈین کونسل آف فتویٰ اینڈ ریسرچ ٹرسٹ بنگلور، بانی وصدر جامعہ فاطمۃ للبنات مظفر پور، بہار) کی کتاب ”سیرۃ الانبیاء“ ہے، انہوں نے اس کتاب میں دئے ہوئے واقعات و حالات کو اخذ کرنے اور جمع کرنے میں علمی طریقۂ بحث کے ساتھ تفصیل کا طریقہ اختیار کیا ہے اور بہت معلومات جمع کر دی ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے کے ساتھ ان کے اصحاب کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا بھی ذکر ہے، اس طرح اس میں مفصل دائرے میں بہت سی معلومات آ گئی ہیں، جو الگ الگ کتابوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی نے کتاب میں سوال و جواب کا طریقہ اختیار کیا ہے، جو ذہن نشین کرنے میں خصوصی افادیت رکھتا ہے، ان کی دی ہوئی معلومات میں جو باتیں قدیم صحیفوں سے یا دیگر قوموں کی کتابوں سے لی گئی ہیں، ان کے سلسلہ میں کتاب کے قاری کو یہ خیال رکھنا ہے کہ ان کی صحت پر اتنا اعتماد نہیں کیا جا سکتا جتنا قرآن و حدیث کی دی ہوئی معلومات پر کیا جاتا ہے۔

بہر حال مولانا موصوف نے معلومات کا ایک مفید مجموعہ پیش کر دیا ہے جو علم کے جویا اور معلومات کے طالب کے لئے نہ صرف دلچسپی کا باعث ہے بلکہ افادیت کا حامل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو مفید بنائے اور اس سے صالح سیرت و کردار کے لئے رہنمائی کا فائدہ حاصل ہو۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(حضرت مولانا) محمد رابع حسنی ندوی (دامت برکاتہم)

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)
۲۴/۰۶/۱۴۲۷ھ مطابق 21.07.2006

* * *

تقریظ

خادم القرآن حضرت مولانا مختار احمد صاحب قاسمی نوّر اللہ مرقدہٗ

(بانی مدرسہ عربیہ سراج العلوم، بنگلور سٹی)

نحمده و نصلی رسوله الکریم امابعد:

میں نے زیر نظر کتاب ”سیرۃ الانبیاء علیہم السلام“ کو جستہ جستہ دیکھا، یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع، بہت معلومات افزاء، عجائبات کا انمول خزانہ، معرکۃ الآراء، مفید ترین اور تاریخی دستاویز ہے۔

اس کتاب میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت طیبہ کا ایک ایسا مواد جمع کر دیا گیا ہے، جو سوالاً جواباً ہونے کی وجہ سے آسان فہم اور زود اثر ہے۔

صدیق محترم مولانا بدیع الزماں صاحب ندوی قاسمی عمت فیوضہم (چیرمین انڈین کونسل آف فتویٰ اینڈ ریسرچ ٹرسٹ بنگلور، بانی وصدر جامعہ فاطمہ للبنات مظفر پور، بہار) نے اس کتاب کا کام ماشاء اللہ جس تحقیق، محنت، عرق ریزی اور قابلیت کے ساتھ انجام دیا ہے وہ راقم الحروف کیلئے باعث صد اطمینان و مسرت ہے، اللہ پاک انہیں اس خدمت کا دنیا و آخرت میں بہترین صلہ عطا فرمائے، ان کے علم و عمل میں مزید ترقیات عطا فرمائے اور انہیں مزید علمی و دینی کاموں کی ہمت و استقامت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ کتاب ہر اعتبار سے دلکش و دیدہ زیب اور قابل مطالعہ ہے، جس کا اندازہ حضرات قارئین اس کتاب کا ملاحظہ کرنے کے بعد ہی کر سکتے ہیں۔ مولانا موصوف اہل علم کی طرف سے اس کتاب کی تالیف پر تبریک و تہنیت اور شکر و امتنان کے مستحق ہیں۔ آخر میں بندہ مسکین دعا کرتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کتاب کو خلق اور خالق دونوں کی نگاہ میں مقبول و محبوب بنائے اور مؤلف کے لئے صدقہ جاریہ اور ان کے والدین مرحومین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین)

(حضرت مولانا) مختار احمد القاسمی (رحمۃ اللہ علیہ)

۸/ رجب المرجب، ۱۴۲۷ھ مطابق 4/ اگست 2006ء جمعہ

[illegible]

اہم تاریخی معلومات

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت ہے......

عقل مند آدمی کا کام یہی ہے کہ جو اس کو خطرہ بتایا جائے تو اس سے بچنے کی کوشش کرے۔ اگر اس کو کسی مضرت کی اطلاع دی جائے۔ تو اس مضرت سے بچنے کی کوشش کرے، یہ سمجھداری کی بات ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو سمجھدار لوگ ہیں وہی باتوں کو سمجھتے ہیں اور جو بیوقوف ہیں، اور آنکھ بند کئے ہوئے ہیں، اور بیوقوفی میں جو چاہ رہے ہیں کر رہے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ کیا بھلا ہے کیا برا ہے، تو وہ پریشان ہوں گے، اس لئے بھائیو! آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۲۲ر نومبر ۲۰۰۰ء کو رسول پور آنٹ (اسہی اعظم پور) ضلع ہردوئی کے جلسۂ اصلاح معاشرہ میں کی تھی۔)

اہم تاریخی معلومات

سوال: حضرت آدم علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کتنے سال کا فاصلہ ہے؟

جواب: 5149 سال کا فاصلہ ہے۔ (عالمی تاریخ ص:22)

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کون سے رسول آئے؟

جواب: صحیح اور راجح بات یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تھے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے کتنے سال بعد پیدا ہوئے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے 6155 سال بعد پیدا ہوئے۔

(شرف الکالمہ ص:18)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کتنا وقفہ گزرا؟

جواب: 600 سال کا۔ (سیرت حلبیہ ج:1 ص:22 پر 400 سال کا قول بھی منقول ہے)

سوال: ایک نبی سے دوسرے نبی تک کتنا عرصہ یعنی زمانہ گزرا ہے؟

جواب: تمام کے بارے میں تو معلوم نہیں البتہ چند کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے۔

- حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان 2200 سال کا زمانہ گزرا۔
- حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان 1143 سال کا زمانہ گزرا۔
- حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے درمیان 575 سال کا عرصہ گزرا۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان 579 سال کا فاصلہ رہا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ صرف 179 سال کا فاصلہ رہا۔

- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان 600 سال کا وقفہ ہوا
- دوسری روایت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان حضرت آدم علیہ السلام کے 1200 سال بعد آیا اور ایک قول 1256 کا بھی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کے 1142 سال بعد تشریف لائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام سے وفاتِ ابراہیم علیہ السلام تک 1020 سال کا زمانہ گزرا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے درمیان 565 سال کا عرصہ گزرا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان 569 سال کا زمانہ گزرا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان 600 سال کا زمانہ گزرا۔

(تاریخ طبری ص:634و635)

سوال: مکہ معظمہ کے کتنے نام ہیں؟

جواب: علماء نے مکہ معظمہ کے بہت سے نام لکھے ہیں اور یہ ناموں کی کثرت اور زیادتی اس مقدس شہر کے مکرم و محترم اور معظم ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن کریم میں جو نام آئے ہیں ان میں چار نام مشہور ہیں (1) بکّہ (2) مکہ (3) اُمُّ القریٰ اور (4) بلد امین۔ یہ چاروں نام قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں مختلف مقامات پر آئے ہیں۔ ان چار ناموں کے علاوہ بعض علماء نے سولہ اور بعض نے تیس تک نام لکھے ہیں۔

سوال: مکہ معظمہ کی چند اہم خصوصیات قلم بند کریں؟

جواب: مکہ معظمہ کی جو فضیلت اور خصوصیت ہے وہ دنیا کے کسی شہر کی نہیں اور اس کی بزرگی و عظمت خداداد ہے۔ اور دنیا کے بڑے سے بڑے اور ترقی یافتہ شہر کی اس کے مقابلہ میں کوئی اہمیت و وقعت نہیں (مکہ معظمہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ منورہ کا درجہ ہے ورنہ مکہ معظمہ کی جو خصوصیات ہیں وہ دنیا میں کسی بھی شہر کو حاصل نہیں) مکہ معظمہ کی بہت ساری خصوصیات میں سے چند خصوصیات یہ ہیں۔

- مکہ معظمہ اسلام اور مسلمانوں کا مرکز ہے، جہاں مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی قوم نہیں رہتی۔ اس شہر میں کافر کا نام و نشان نہیں، حتیٰ کہ پورے حجاز میں مساجد کے علاوہ اور کسی قوم کی کوئی عبادت گاہ نہیں۔ اور حدودِ حرم میں کفار کا داخلہ ممنوع ہے۔

- مکہ معظمہ امن کا شہر ہے، حتیٰ کہ قیامت کے قریب جب دجال کا ظہور ہوگا اور ساری دنیا میں فساد پھیلاتا پھرے گا تو اس کے فتنے سے مکہ معظمہ محفوظ رہے گا۔ کیونکہ اس کی حفاظت فرشتے کرتے ہیں اور جب دجال کا ظہور ہوگا تو فرشتے اس کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔
- مکہ معظمہ ایسا مقدس شہر ہے، جس میں صفا و مروہ کی مقدس پہاڑیاں ہیں، جہاں اللہ کی برگزیدہ بندی حضرت ہاجرہؓ دوڑی تھیں، اللہ تعالیٰ کو ان کا دوڑنا ایسا پسند آیا کہ اب حاجیوں کے لئے اور عمرہ کرنے والوں کے لئے سعی کے نام سے اس کو لازم قرار دیا گیا۔
- مکہ معظمہ میں ''جنت المعلیٰ'' نامی قبرستان ہے، جس میں اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت قاسمؓ و طاہر، بے شمار صحابہ کرامؓ، شہداء، اولیاء اللہؒ، صلحاءؒ اور علماءؒ آسودۂ رحمت ہیں اور قیامت کے دن ستر ہزار انسان اس قبرستان سے ایسے اٹھائے جائیں گے جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔
- حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص مکہ معظمہ میں رمضان شریف کے روزے رکھے اور نماز تراویح پڑھے تو دوسری جگہ کے مقابلہ میں اس کو ایک لاکھ رمضان شریف کے روزوں کا ثواب عطاء ہوگا (یعنی ایک روزہ کا ثواب ایک لاکھ روزوں کے برابر عطاء ہوگا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)
- اسی شہر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔
- اسی شہر میں آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔
- اسی شہر میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔
- اسی شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے 53 سال گزارے۔
- اور اسی شہر میں زمزم کا چشمہ جاری ہوا۔ اور علماء اس پر متفق ہیں کہ آبِ زمزم دنیا کے تمام پانیوں سے افضل ہے اور یہ تمام پانیوں کا سردار ہے، سوائے اس پانی کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے بطورِ معجزہ نکلا تھا۔ (جیسے حدیبیہ اور غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوا)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہِ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہِ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہِ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ اٰلِہِ

پہنچے بلندی پر اپنے کمال سے　　کھول دیا اندھیروں کو اپنے جمال سے
اچھی ہیں آپ کی تمام عادتیں　　درود پڑھو آپ پر اور آپ کی اولاد پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاذ کی توجہ پر منحصر ھے طالب علم کی توجہ......

طالب علم کی نفسیات یہ ہوتی ہے، مزاج یہ ہوتا ہے کہ استاد کی توجہ کے لحاظ سے اس کی توجہ ہوتی ہے، دیکھتا یہ ہے کہ استاذ ہمارے بہت توجہ کر رہے ہیں، انہیں فکر ہے کہ ہم کو علم حاصل ہو جائے، اور ہمیں کچھ آ جائے تو پھر متوجہ ہو جاتا ہے، اور وہ دیکھے کہ وقت گزار ریکر رہے ہیں، ٹالنے والا کام کر رہے ہیں، تو اس کا جی نہیں لگتا، وہ بھی ہاں، ہاں کرتا رہتا ہے، اس کے دماغ میں کچھ اترتا ہی نہیں ہے، آپ کی توجہ پر منحصر ہے طالب علم کی توجہ، آپ جتنی فکر کریں گے طالبعلم اسی لحاظ سے متوجہ ہوگا، آپ سے فائدہ اٹھائے گا۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۲۲/ مارچ ۲۰۰۱ء کو مدرسہ
الفلاح اندور کے اساتذہ و کارکنان
کے سامنے کی تھی۔)

◆ ◆ ◆

شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت

سوال: ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عربی انگریزی تاریخ اوردن بتایئے؟

جواب: 20اپریل571ء اورصحیح قول کے مطابق ربیع الاول کی 9 تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی اوردن پیر کا تھا۔

(تاریخِ ولادت میں مؤرخین کے دوسرے اقوال بھی ہیں، علامہ طبری اورابن خلدون نے 12 اورابوالفدا ءنے 10 تاریخ نقل کی ہے۔ مگر تاریخ دُوَلُ الْعَرَبِ وَالْاِسْلَامِ میں محمد طلعت عرب نے 9 تاریخ کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔ رحمۃ للعالمین)

سوال: واقعہ اصحاب فیل کب پیش آیا اور کس طرح؟

جواب: ابرہہ نامی یمن کے گورنر نے دارالسلطنت صنعاء میں ایک کلیسا تعمیر کرایا تھا اس نے یہ سوچ کر کہ اس کلیسا کو کعبۃ اللہ کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا۔ بالآخر ابرہہ 571ء میں 60 ہزار فوج اور 13 ہاتھی یا بعض کے قول کے مطابق 9 ہاتھی لے کر خانۂ کعبہ پر حملہ آور ہوا۔ جب قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کے ذریعہ اس کے سارے لشکر کو ہلاک کر دیا۔ تاریخ میں اس سال کو" عام الفیل" کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ واقعہ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے 50 یوم یا 55 یوم قبل پیش آیا۔ علامہ سہیلی نے پہلا قول اور علامہ دمیاطی نے دوسرا قول اختیار فرمایا ہے۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کیا تھا اور کس نے رکھا؟

جواب: محمد اور احمد آپ کے نام تھے۔ دادا عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد اور والدہ محترمہ نے احمد رکھا۔ (حدیث میں ہے کہ زمین پر میرا نام محمد اور آسمان پر میرا نام احمد ہے۔ محمد توریت میں اور احمد نام انجیل میں ہے)

سوال: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں اور کس وقت پیدا ہوئے؟

جواب: مکہ معظمہ میں آپ کی ولادت ابوطالب کے مکان میں صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے ہوئی۔

سلسلۂ نسب

سوال: آپ کے والد مکرم اور والدہ محترمہ کا کیا نام تھا؟

جواب: والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔

سوال: آپ کا دادھیالی سلسلۂ نسب بیان کریں؟

جواب: محمد ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

(عدنان تک سلسلۂ نسب کے بارے میں حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر العمری نے کتاب الاستیعاب میں نقل کیا ہے۔ هٰذَا مَالَمْ يَخْتَلِفْ فِيْهِ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ (اس شجرے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں) حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کا شجرۂ نسب تاریخ طبری اور طبقات ابن سعد میں دیکھا جاسکتا ہے)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی اور نانی کا نام بتایئے؟

جواب: دادی کا نام فاطمہ اور نانی کا نام بَرّہ تھا۔

سوال: آپ کا ننھیالی سلسلۂ نسب کیا تھا؟

جواب: محمد بن آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مُرّہ۔

(آگے پدری سلسلۂ نسب کے مطابق ہی یہ نسب ہے)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور پھوپھیوں کی تعداد بتایئے؟

جواب: 9 یا 12 چچا تھے اور 6 پھوپھیاں۔ ✓

(سیرت ابن ہشام و مدارج النبوۃ قسط: 12 ص: 5 بحوالہ مواہب لدینہ)

سوال: آپ کی پھوپھیوں کے نام بتایئے؟

جواب: صفیہ۔ عاتکہ۔ بَرّہ۔ اروی۔ امیمہ۔ بیضاء (ان کا نام اُم حکیم بھی ہے)

سوال: آپ کے چچاؤں میں سے کس کس نے اسلام قبول کیا؟

جواب: حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہؓ نے۔ (مدارج النبوۃ)

رضاعت

سوال: والدہ ماجدہ نے آپ کو کتنے دن دودھ پلایا؟

جواب: دو یا تین دن۔ (سیرۃ النبی ج:1 ص:172) سات دن۔ (مدارج النبوۃ ص:69 قسط:4)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کس کا دودھ پیا، ترتیب سے بتائیے؟

جواب: پہلے اپنی والدہ ماجدہ کا۔ پھر کچھ دن ثوبیہ کا اور اس کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل طور پر اپنی والدہ کا دودھ کیوں نہیں پیا؟

جواب: اسلئے کہ عرب کا دستور تھا کہ وہ دودھ پلانے والی عورتوں کے سپرد کر کے بچہ کو اچھی آب وہوا کے مقام پر بھیج دیا کرتے تھے۔ آپ کو بھی اسی دستور کے مطابق باہر بھیج دیا گیا۔

(رحمۃ للعالمین ج:1 ص:41)

سوال: حضرت حلیمہ سعدیہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں؟

جواب: قبیلہ ہوازن سے جو فصاحت وبلاغت میں مشہور ہے۔

(اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب میں فصیح تر ہوں۔ کیونکہ میں قریش کے خاندان میں سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔ بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہیں۔ سیرۃ النبی بحوالہ طبقات ابن سعد)

سوال: حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے اسلام لانے کے بارے میں محققین اسلام کا کیا خیال ہے؟

جواب: محققین اسلام کا یہ خیال ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی تھیں۔

ابن ابی خثیمہ، ابن جوزی اور علامہ ابن حجر نے ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے اور حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔ (زرقانی، ج:1 ص:166)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ (حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر) کا کیا نام تھا،

اور وہ مسلمان ہوئے یا نہیں؟

جواب: آپ کے رضاعی باپ کا نام حارث ابن عبدالعزیٰ تھا وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ✓

(اصابہ فی احوال الصحابہ ج:1 ص:283)

سوال: آپ کے رضاعی بھائی بہن حلیمہ کے بطن سے چار تھے ان کے نام بتایئے؟

جواب: (1) عبداللہ (2) حذیفہ (3) انیسہ (4) شیماء۔

سوال: ثوبیہ کے تعلق سے آپ کے ایک چچا بھی رضاعی بھائی بن گئے تھے ان کا نام بتایئے؟

جواب: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

سوال: حضرت حلیمہؓ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے برس رہے؟

جواب: اس میں مختلف اقوال ہیں۔ 4 اور 5 برس۔ اور ابن اسحاق نے وثوق کیساتھ 6 برس لکھا ہے۔

سوال: ثوبیہ نے آپ کو آزادی کی حالت میں دودھ پلایا یا غلامی کی حالت میں۔ اور مسلمان ہوئی یا نہیں؟

جواب: آزادی کی حالت میں دودھ پلایا، ان کے اسلام لانے کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض محدثین نے انہیں صحابیات میں شمار کیا ہے۔

(مدارج النبوۃ ق:6 ص:69 فتح الباری ج:9 ص:124 کتاب النکاح میں ثوبیہ کو صحابیہ بتانے والوں میں حافظ ابومنذہ کا نام لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم)

عقیقہ وختنہ

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ کس نے کیا اور کب کیا؟

جواب: عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا اور قریش کی دعوت کی۔

(خصائل کبریٰ ج:1 ص:50)

سوال: محمد صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے یا غیر مختون؟

جواب: مختون پیدا ہوئے تھے۔

مہر نبوت

سوال: مہر نبوت کب لگائی گئی؟

جواب: اس کے بارے میں دو قول ہیں (1) ابتدائے ولادت سے تھی (2) پہلی مرتبہ جب شق صدر ہوا۔ اس کے بعد لگائی گئی۔ پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے۔

سوال: مہر نبوت کس نے لگائی اور اس پر کیا لکھا ہوا تھا؟

جواب: جنت کے دربان رضوان نے مہر نبوت لگائی تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا "سِرُّ فَاَنْتَ مَنْصُوْرٌ"، بعض کا قول ہے کہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" لکھا ہوا تھا۔

(خصائل نبوی ص:16۔ شرف المکالمہ ص:20)

سوال: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی یہ مہر نبوت باقی رہی تھی یا ختم ہوگئی تھی؟

جواب: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مہر نبوت ختم ہوگئی تھی اسی وجہ سے مجھے آپ کی وفات کا یقین ہوگیا تھا۔ (خصائل نبوی ص:16)

سوال: مہر نبوت کس جگہ تھی اور اس کی شکل کیا تھی؟

جواب: دونوں شانوں کے درمیان میں تھی۔ کبوتر کے انڈے کی طرح سرخ گوشت کا ٹکڑا تھا۔

(صحیح مسلم وشمائل ترمذی میں جابر ابن سمرہؓ کی روایت ہے: رَاَیْتُ الْخَاتِمَ بَیْنَ کَتِفَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُدَّۃً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَیْضَۃِ الْحَمَامَۃِ)

شَقِّ صدر

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شقِ صدر کتنی مرتبہ ہوا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شقِ صدر کل چار مرتبہ ہوا۔

(1) زمانۂ طفولیت میں جبکہ آپ چار سال کے تھے۔

(2) دس سال کی عمر میں۔ (صاحب مدارج النبوۃ نے چھ سال کی بھی ایک روایت نقل کی ہے)
(3) نبوت کے وقت۔ (4) واقعۂ معراج کے وقت۔

(یہ چار مرتبہ کا شقِ صدر روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے ثابت ہے، بعض روایات میں پانچویں مرتبہ کا ذکر بھی ہے جو کہ بیس سال کی عمر میں ہوا، مگر یہ روایت باجماع محدثین ثابت اور معتبر نہیں۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:78)

والدین کی وفات

سوال: حضرت آمنہ نے کہاں وفات پائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: ابواء گاؤں میں وفات پائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت چھ سال تھی، بعض نے چار سال کی عمر بھی لکھی ہے۔

سوال: ابواء گاؤں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شریف کون لے کر آیا تھا؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اُمِّ ایمنؓ ساتھ تھیں وہی لے کر مکہ آئیں۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم نے کب وفات پائی؟

جواب: ولادتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ماہ قبل وفات پائی۔

سوال: حضرت عبداللہ نے کہاں وفات پائی اور کتنی عمر ہوئی؟

جواب: مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ان کی عمر علی اختلاف الاقوال 30,25,28,24 یا 18 سال کی ہوئی۔ مشہور 24 سال ہے۔

(حافظ علائی اور علامہ عسقلانی نے 18 سال کی عمر کو صحیح بتایا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:46 بحوالہ زرقانی ج:1 ص:109)

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

عبدالمطلب اور ابوطالب کی کفالت

سوال: والدہ محترمہ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کس نے کی؟

جواب: آپ کے دادا عبدالمطلب نے پرورش کی۔

سوال: عبدالمطلب کی کتنی عمر ہوئی۔ ان کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کیا تھی؟

جواب: عبدالمطلب نے بیاسی (82) برس کی عمر پائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت آٹھ سال دو ماہ دس دن تھی۔ (عبدالمطلب کی عمر کے بارے میں 85، 95، 110، 120 اور 140 کے بھی اقوال ہیں۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:87)

سوال: دادا کی وفات کے بعد پرورش کی ذمہ داری کس کے سپرد ہوئی؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے سپرد ہوئی۔

شام کا پہلا سفر

سوال: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا پہلا سفر فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کیا تھی اور رفیقِ سفر کون تھے؟

جواب: بارہ برس کی عمر میں سفر فرمایا، ابوطالب ساتھ تھے (زاد المعاد)

سوال: شام کے سفر میں عیسائی راہب سے ملاقات کس جگہ ہوئی اور راہب کا نام کیا تھا؟

جواب: جگہ کا نام بُصریٰ تھا۔ راہب کا نام جرجیس تھا اور بُحیرا کے نام سے مشہور تھا۔

سوال: عیسائی راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا اور اس پر کیا عمل ہوا؟

جواب: کہا یہ وہی نبی برحق ہے جس کو اللہ تعالیٰ پورے عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گا۔ آپ اس کو وہاں نہ لے جائیں۔ یہ سن کر ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصریٰ ہی سے واپس کر دیا۔ (اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے پوچھا تم نے کیسے پہچانا کہ یہ نبی ہیں؟ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو سارے درخت اور پتھر سجدہ کیلئے جھک گئے۔ سیرۃ النبی ج:1 ص:178)

فجار کی لڑائی

سوال: زمانۂ نبوت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی لڑائی میں شرکت فرمائی یا نہیں؟

جواب: حرب فجار میں شرکت فرمائی۔ مگر قتال نہیں فرمایا۔

سوال: یہ لڑائی کس کے مابین تھی؟

جواب: قبیلۂ قریش اور قبیلۂ قیس کے درمیان تھی۔

سوال: اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی؟

جواب: محمد ابن اسحاق کا قول بیس سال کا ہے۔ ابن ہشام چودہ یا پندرہ سال کی عمر بتاتے ہیں۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:94)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے کس نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے سے پہلے کس نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے؟

جواب: فقہاء حنفیہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف صادق اور الہام صحیح سے جو بات ظاہر اور منکشف ہوتی کہ یہ امر حضرت ابراہیم علیہ السلام یا اور کسی نبی کی شریعت سے ہے اس کے مطابق عمل کرتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں بجائے فَیَتَحَنَّثُ کے فَیَتَحَنَّفُ کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ابراہیم حنیف کے طریقہ پر چلتے تھے یہ لفظ اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملت حنیفہ کے مطابق اپنے کشف والہام سے عمل کرتے تھے۔

(سیرۃ المصطفیٰ ص:133 ج:1 کذا فی الدر المختار ص:163)

تزویج خدیجہ رضی اللہ عنہا

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح کس سے فرمایا اور کب؟

جواب: حضرت خدیجہؓ سے، 25 سال کی عمر میں۔

سوال: یہ نکاح کس نے پڑھایا اور مہر کیا مقرر ہوا؟

جواب: ابو طالب نے نکاح پڑھایا۔ مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج: 1 ص: 112 بعض کا قول ہے کہ مہر بیس اونٹ مقرر ہوا۔)

سوال: حضرت خدیجہؓ کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سے نکاح فرمایا؟

جواب: کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح نہیں فرمایا۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کیا تھی؟

جواب: تقریباً پچاس برس کی۔ گویا جوانی کا بیشتر حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ادھیڑ اور بیوہ خاتون کے ساتھ ہی گزارا۔

تعمیر کعبہ

سوال: قریش نے جب خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عمر تھی؟

جواب: 35 سال تھی۔

اسلام کی تبلیغ کا آغاز

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کس طرح کیا؟

جواب: پوشیدہ طریقے سے۔

سوال: سب سے پہلے اسلام لانے والے کون ہیں؟

جواب: آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، بچوں میں حضرت علیؓ، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:155 پر ورقہ بن نوفل کو بھی سابقین اولین میں شمار کیا گیا ہے۔ اور باندیوں میں حضرت ام ایمن سب سے پہلے مسلمان ہوئیں۔)

سوال: پوشیدہ طور پر اسلام کی تبلیغ کتنے برس تک جاری رہی؟

جواب: تین برس تک جاری رہی۔

سوال: ان تین سالوں میں کتنے افراد شرف باسلام ہوئے؟

جواب: تیس افراد مسلمان ہوئے۔

دارِ ارقم

سوال : شروع میں مسلمان اسلامی تعلیمات حاصل کرنے اور باہمی مشورہ کیلئے کہاں جمع ہوتے تھے؟

جواب: دارِ ارقم میں۔

سوال: دارِ ارقم کیا ہے؟

جواب : کوہِ صفا پر حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا مکان تھا حضرت عمرؓ کے اسلام لانے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ وہیں جمع ہوتے تھے۔

(حضرت ارقمؓ ساتویں یا دسویں مسلمان ہیں حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں 55ھ میں وفات پائی اصابہ ج:1 ص:28۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:172)

اسلام کے خلاف سازشیں

سوال: اشاعت اسلام کو روکنے کے لئے قریش نے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں؟

جواب : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا، طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کرنا، لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر، جادوگر اور صابی مشہور کرنا، علی الاعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم

پر آوازیں کسنا، نئے لوگوں کو ملاقات نہ کرنے دینا وغیرہ، یہ سب باتیں اسلام کے چراغ کو بجھانے کیلئے تھیں۔

سوال: کفار مکہ داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ کرتے تھے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھاتے، بدزبانی کرتے، نماز پڑھتے ہوئے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے، راستہ چلتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوڑا کرکٹ پھینکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارتے اور دھمکیاں دیتے تھے۔

سوال: خانۂ کعبہ میں نماز کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹ کی اوجھڑی کس نے ڈالی اور کس نے اتاری؟

✓ **جواب:** دشمنِ رسول عقبہ ابن ابی معیط نے ڈالی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے اتاری تھی۔ (صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت میں یہ درد انگیز واقعہ مذکور ہے۔ الرحیق المختوم ص:135۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر چار یا پانچ سال کی تھی۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:207)

شقِّ قمر کا معجزہ

سوال: چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ کب پیش آیا؟

جواب: ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل پیش آیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:236)

سوال: اس معجزہ کا مطالبہ کن لوگوں نے کیا تھا؟

جواب: رؤسائے مکہ نے جن میں ولید ابن مغیرہ، ابوجہل، عاص ابن وائل، عاص بن ہاشم، اسود بن عبد یغوث وغیرہ پیش پیش تھے۔

سوال: اس معجزے کی کیفیت کیا ہوئی؟

جواب: رات کا وقت تھا، چودھویں کا چاند نکلا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت مبارک

سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا۔ اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قیس پر تھا اور دوسرا جبل قیقعان پر تھا۔

سوال: یہ کیفیت کتنی دیر تک رہی؟

جواب: عصر و مغرب کے درمیان جتنا وقفہ ہوتا ہے اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور پھر اپنی حالت پر آگیا۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

رَدِّ شمس کا معجزہ

سوال: سورج واپس آنے کا واقعہ کس طرح ہوا؟

جواب: حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب مقام صہباء میں قیام فرما تھے اور سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں تھا۔ حضرت علیؓ نے ابھی عصر کی نماز ادا نہیں فرمائی تھی۔ اتنے میں وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے علی! کیا نماز عصر پڑھ چکے؟ فرمایا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت دست بدعا ہوئے اور فرمایا اے اللہ! علی تیرے رسول کی اطاعت میں تھا، آفتاب کو واپس فرما تا کہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد لوٹ آیا اور اس کی شعائیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں۔

(ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس روایت کو موضوع بتایا ہے۔ مگر امام طحاویؒ اور علامہ زرقانی نے اس حدیث کا صحیح اور مستند ہونا ثابت کیا ہے۔ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج:3 ص:10 تا13)

غم کا سال

سوال: سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے غم کا سال کون سے سال کو فرمایا اور کیوں؟

جواب: سنہ 10 نبوی کو عام الحزن (غم کا سال) فرمایا اس وجہ سے کہ اس سال آپ کے غم گسار

وہمدرد چچا ابو طالب اور آپکی غم خوار بیوی حضرت خدیجہؓ نے انتقال فرمایا اور پے در پے آلام ومصائب سے بھی اسی سال آپ کو دو چار ہونا پڑا۔

سوال: حضرت خدیجہؓ کی وفات کس مہینہ میں اور کتنی عمر میں ہوئی؟

جواب: ماہِ رمضان 65 برس کی عمر میں ہوئی۔

سوال: ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے درمیان کتنے دن کا فاصلہ ہے؟ اور پہلے کس کی وفات ہوئی؟

جواب: پہلے ابو طالب کی وفات ہوئی پھر تین دن یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کہاں دفن کیا گیا اور قبر میں کس نے اتارا؟

جواب: مقام حجو ن میں دفن کیا گیا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اتارا۔

سوال: حضرت خدیجہؓ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی یا نہیں؟

جواب: نہیں پڑھی گئی کیوں کہ ابھی نماز جنازہ کا حکم نہیں آیا تھا۔ (سیرۃ النبی ج:1 ص:249)

معراج کا واقعہ

سوال: واقعہ معراج کی تاریخ اور سن کیا ہے؟

جواب: 27/ رجب 11 نبوی میں معراج ہوئی (معراج کب ہوئی؟ اس کے بارے میں ارباب سیر کے مختلف اقوال ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ فتح الباری باب المعراج میں ذکر کیا گیا ہے) علامہ منصور پوریؒ نے رحمۃ للعالمین ج:1 ص:70 پر 10 نبوی ذکر کیا ہے۔ اس کے برخلاف ہم نے 11 نبوی کا ذکر کیا ہے کیونکہ روایات کی روشنی میں زیادہ قرین قیاس یہی سن ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے ہوگئی تھی اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ نماز کی فرضیت شب معراج میں ہوئی۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات معراج سے پہلے ہوئی اور بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات ماہ رمضان

10 نبوی میں ہوئی تھی۔ لہٰذا معراج کا واقعہ 10 نبوی ماہ رمضان کے بعد کا ہوگا۔ نیز حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں طائف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور طائف کا واقعہ اواخر 10 نبوی کا ہے۔ لہٰذا ان کی بیان کردہ عبارت سے پتہ چلا کہ معراج 10 نبوی کے بعد 11 نبوی میں ہوئی اور ماہ رجب کو اس واسطے اختیار کیا کہ ربیع الاول، ربیع الآخر، رجب، رمضان، شوال علی اختلاف الاقوال ہیں ماہ رجب زیادہ مشہور ہے۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:288)

سوال: معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

جواب: جسمانی تھی (تمام صحابہ تابعین، سلف صالحین کا یہی عقیدہ ہے۔ صرف دو تین صحابہ کا قول ہے کہ یہ سیر روحانی تھی۔ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد ص:300 پر روحانی قول کی نسبت حضرت عائشہؓ، امیر معاویہؓ اور حسن بصریؒ کی طرف کی ہے۔)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے کیا تحفہ لے کر آئے؟

جواب: پانچ فرض نمازوں کا تحفہ جو ثواب میں پچاس نمازوں کا درجہ رکھتا ہے۔

سوال: شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمان پر جاتے وقت کون کونسے فرشتے ساتھ تھے؟

جواب: شب معراج میں ساتویں آسمان تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام رہے۔ اس طرح کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب اور حضرت میکائیل علیہ السلام بائیں جانب رہے۔ (تاریخ دمشق ج:15 ص:15)

مدینہ منورہ میں اسلام کا آغاز

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت مدینہ کے لئے کس مہینہ کی کس تاریخ میں روانہ ہوئے؟

جواب: بیعت عقبۂ ثانیہ کے تقریباً تین ماہ بعد یکم ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے

روانہ ہوئے۔ حضرت حاکم فرماتے ہیں کہ احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے روز مکہ سے نکلے اور دوشنبہ کے روز ہی مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن موسیٰ خوارزمی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے پنجشنبہ کو نکلے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے پنجشنبہ کو نکلے تین روز غار میں رہے دوشنبہ کو غار سے نکل کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ دیگر علماءِ سِیَر کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پنجشنبہ 27/صفر المظفر کو ہجرت کیلئے مکہ سے نکلے تین شب غارِ ثور میں رہ کر یکم ربیع الاول بروز دوشنبہ بوقت دوپہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں نزول اجلال فرمایا، علامہ ابن حزم اور علامہ مغلطائی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ص: 387)

سوال: مدینہ منورہ میں اسلام کی ابتداء کس سن سے ہوئی؟

جواب: 11 نبوی سے ہوئی۔ ✓

سوال: ہجرت مدینہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کیا تھی؟

جواب: 53 سال تھی۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے کیوں نکلنا پڑا؟

جواب: پے در پے آلام ومصائب کی انتہا ہوگئی۔ حتیٰ کہ دار الندوہ میں مکہ کے سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کرلیا، (العیاذ باللہ) تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ہجرت کا حکم لے کر تشریف لائے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔

(تفصیل دیکھئے صحیح بخاری ج: 1 ص: 553 باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

سوال: قتل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ میں کتنے سرداران قریش شریک تھے اور کون کون؟

جواب: چودہ سردار تھے جن کے نام یہ ہیں (1) ابوجہل (2) جبیر بن مطعم (3) طعیمہ بن عدی (4) حارث بن عامر (5) شیبہ بن ربیعہ (6) عتبہ بن ربیعہ (7) ابوسفیان بن حرب (8) نضر بن حارث (9) ابوالبختری بن ہشام (10) زمعہ بن اسود (11) حکیم بن حزام (12) نبیہ بن

الحجاج (13) منبہ بن الحجاج (14) امیہ بن خلف۔ (رحمۃ للعالمین ج: 1 ص: 84 ان میں سے گیارہ سردار جنگ بدر میں مارے گئے اور باقی مسلمان ہو گئے تھے)

سوال: قتل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کس نے پیش کی تھی؟

جواب: دشمن رسول ابو جہل علیہ اللعنہ نے۔

سوال: ہجرت کے وقت جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا وہ کون کون تھے؟

جواب: ان کافروں کی تعداد بارہ (12) تھی جن کے نام یہ ہیں (1) ابو جہل (2) حکم بن العاص (3) عقبہ بن ابی معیط (4) نضر بن الحارث (5) اُمیہ بن خلف (6) بن عیطلہ (7) زمعہ بن مسعود (8) طعیمہ (9) ابولہب (10) اُبی بن خلف (11) بنیہ (12) منبہ۔ یہ آخری دونوں حجاج کے بیٹے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ص: 360 بحوالہ طبقات ابن سعد ص: 154)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت مدینہ کے لئے گھر سے کب نکلے؟

جواب: 26/ 27 صفر 14 نبوی کی درمیانی رات کو جو جمعہ کی رات ہوتی ہے۔ (یہ تاریخ علامہ سلیمان منصور پوریؒ کی رقم کردہ تحقیقات کی روشنی میں متعین کی گئی ہے۔ رحمۃ للعالمین ج: 2 ص: 367۔ اور صفر کا یہ مہینہ 14 نبوی میں تبھی ہو سکتا ہے جبکہ سن نبوی کا آغاز ماہ محرم سے مانا جائے اور اگر سن نبوی کا آغاز اسی مہینہ سے مانا جائے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا یعنی ربیع الاول تو صفر کا یہ مہینہ 13 نبوی میں ہوگا۔ مؤرخین نے دونوں طریقے اختیار کئے ہیں یہاں سن کا آغاز محرم سے مانا گیا ہے)

سوال: ہجرت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر مبارک پر کس کو لٹایا اور کیوں؟

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹایا۔ تاکہ وہ امانتیں جو اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھا کرتے تھے ان کو واپس کر دیں۔

سوال: ہجرت کے موقع پر مکہ سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں قیام فرمایا

اور کتنے دن؟

جواب: غار ثور میں قیام فرمایا اور تین دن (جمعہ، سنیچر، اتوار) یہاں گزارے۔ (ثور پہاڑ، مکہ کے جنوب میں تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ الرحیق المختوم ص:258)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کے ساتھی کون تھے؟ ✓

جواب: حضرت ابوبکر صدیقؓ۔

غار سے روانگی

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غار سے روانگی کب ہوئی اور کس طرح ہوئی؟

جواب: یکم ربیع الاول ایک ھ بروز دوشنبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ دو اونٹنیاں لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر روانگی فرمائی۔ (اکثر کا اتفاق ہے کہ روانگی دوشنبہ کے دن ہوئی۔ مگر تاریخ کونسی تھی اس کے بارے میں بعض اہلِ سِیَر لکھتے ہیں کہ ربیع الاول کی 4 تاریخ تھی۔ یہ تاریخ ان حضرات کے قول کے مطابق ہے جو مکہ سے روانگی کی تاریخ یکم ربیع الاول بتاتے ہیں مگر ہم نے ماقبل میں علامہ منصور پوریؒ کی تحقیق کے مطابق خروج مکہ کی جو تاریخ نقل کی ہے اس کے حساب سے غار سے روانگی کی تاریخ یکم ربیع الاول ہوتی ہے)

سوال: ہجرت کے موقع پر جس اونٹنی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اس کا نام کیا تھا؟

جواب: قصواء تھا۔ یہ واقدی کی روایت ہے۔ ✓

(محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کا نام جدعاء تھا۔ زرقانی ج:1 ص:327)

سوال: ہجرت کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنے آدمی تھے، اور کون کون؟

جواب: چار آدمی تھے۔ (1) محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم (2) حضرت ابوبکر صدیقؓ (3) عامر بن فہیرہ، جو خدمت کیلئے ساتھ تھے (4) عبداللہ بن اُریقط۔

(مدارج النبوۃ قسط:6 ص:133 یہ راستہ بتانے کے لئے تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مزید یہ

بھی فرماتے ہیں کہ ایک اونٹ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سوار ہوئے اور ایک پر عامرؓ اور عبداللہ بن اریقطؓ دونوں سوار ہوئے۔ مگر زرقانی ج:1 ص:340 پر مرقوم ہے کہ عبداللہ بن اریقط اپنے تیسرے اونٹ پر سوار تھا)

سوال: ہجرت کے موقع پر سو اونٹوں کے لالچ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے کے لئے کون نکلا؟

جواب: سراقہ ابن مالک بن جُعشم نکلا۔ یہ بنو مدلج کا ایک فرد تھا۔ (سراقہ بعد میں اسلام لے آئے تھے حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ سے فرمایا تھا: کَیْفَ بِکَ اِذَا لَبِسْتَ سِوَارَ کِسْریٰ، اسوقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا" فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی ثابت ہوئی" ایران فتح ہوا۔ کسریٰ کے کنگن فاروق اعظمؓ کے قدموں میں ڈالے گئے تو آپؓ نے سراقہ کو بلا کر کنگن پہنائے۔ الاستیعاب لابن عبدالبر ج:2 ص120 زرقانی ج:1 ص348)

قباء میں تشریف آوری

سوال: ہجرت کے موقع پر مدینہ پہنچنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ قیام فرمایا؟

جواب: مقام قباء میں۔

سوال: قباء میں داخلہ کا دن اور تاریخ کیا تھی؟

جواب: 8 ربیع الاول سنہ 1ھ بروز دوشنبہ۔

(مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ نے اسی کو اختیار فرمایا۔ دیکھئے الرحیق المختوم ص:268 مگر علامہ ابن قیمؒ نے ربیع الاول کی 12 تاریخ نقل کی ہے۔ زاد المعاد ج:1 ص:25)

سوال: قباء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے یہاں قیام فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہاں؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا۔ (ایک قول یہ ہے کہ سعد بن خیثمہ کے یہاں قیام فرمایا۔ الرحیق المختوم ص:269) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ حبیب بن اساف کے مکان میں ٹھہرے۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:397)

سوال: قباء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کام انجام دیا؟

جواب: ایک مسجد تعمیر فرمائی جس کا نام مسجد قباء ہے۔ اسی کا نام مسجد تقویٰ بھی ہے۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں کتنے روز قیام فرمایا؟

جواب: صرف چار دن قیام فرمایا۔

(اکثر مؤرخین نے یہی مدت بیان کی ہے۔ علامہ ابن ہشام نے بروایت ابن اسحاق اس کو نقل کیا ہے اور علامہ منصور پوریؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا۔ دیکھئے سیرت ابن ہشام ج:1 ص:494۔ رحمۃ للعالمین ج:1 ص:91۔ لیکن صحیح بخاری ج:1 ص:560 کی روایت میں قیام چودہ رات بتایا گیا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ زاد المعاد ج:2 ص:55/54)

سوال: جس جگہ مسجد قباء تعمیر ہوئی یہ کس کی زمین تھی اور کیسی تھی؟

جواب: حضرت کلثومؓ کی زمین تھی۔ یہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔

(سیرت النبی ج:1 ص:276)

سوال: حضرت علیؓ مکہ میں کتنے روز ٹھہرے اور امانتیں واپس کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہاں ملے؟

جواب: تین روز قیام کیا اور پیدل مدینہ کی راہ لی۔ مقام قباء میں آئے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی یہیں تشریف فرما تھے اس لئے یہیں ملاقات ہوئی۔

سوال: حضرت علیؓ نے قباء میں کس کے یہاں قیام فرمایا؟

جواب: حضرت کلثوم بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا۔ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مقیم تھے۔

(الرحیق المختوم ص:270 بحوالہ زاد المعاد ج:2 ص:54)

قباء سے روانگی اور نماز جمعہ

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قباء سے کس روز روانہ ہوئے؟

جواب: جمعہ کے روز روانہ ہوئے۔ (جمعہ کے دن پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ رہا تاریخ کا معاملہ تو علامہ منصور پوریؒ نے 12 ربیع الاول بیان کی ہے رحمۃ للعالمین ج:1 ص:91۔ لیکن قباء میں قیام کے اختلاف کی بنیاد پر تاریخ کا اختلاف بھی ضروری ہے۔)

سوال: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا جمعہ کہاں پڑھایا؟

جواب: سب سے پہلی مسجد، مسجد قباء ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا جمعہ بنی سالم کی مسجد میں پڑھایا۔ (رحمۃ للعالمین ج:1 ص:91)

سوال: اس موقع پر جمعہ میں کتنے آدمی شریک تھے؟

جواب: کل سو آدمی تھے۔ (ایضاً)

مدینہ منورہ

سوال: مدینہ کا نام پہلے یثرب تھا۔ مدینۃ الرسول کب ہوا؟

جواب: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مدینۃ الرسول نام پڑا۔ مختصراً مدینہ ہو گیا۔

سوال: کیا حدیث میں مدینہ منورہ کو ”یثرب“ کہنے کی ممانعت آئی ہے؟

جواب: ابن زبالہ اور ابن شیبہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے۔ احمد اور ابو یعلی نے ایک حدیث بیان کی ہے: جس نے مدینہ کو یثرب کہا وہ اللہ سے استغفار کرے اور یہ تو طابہ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تین بار استغفار کرے، حاکم نے اپنی تاریخ میں عامر بن ربیعہؓ کے واسطے سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مدینہ کو یثرب کہا وہ دس بار مدینہ کہہ کر کفارہ ادا کرے (جامع الاحادیث۔ سیوطی۔ ج:9 ص:512) امام عیسیٰ بن دینارؒ (جو ائمہ مالکیہ میں سے ایک امام ہیں) فرماتے ہیں: جس نے مدنیہ کو یثرب کا نام دیا اس کے نامۂ اعمال میں ایک گناہ درج ہوتا ہے۔ اس نام کی کراہیت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ثرب کے معنیٰ ہیں: فساد پھر اس لئے کہ ثریب کا مطلب ہے۔ گناہ کی سزا دینا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے نام پسند تھے، اس لئے آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا اور قرآن کریم کی سورۂ احزاب میں اس کا نام یثریب آیا ہے تو وہ اس لئے کہ یہاں ایک واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ منافقین کی ایک جماعت نے یہ نام لے کر پکارا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''تو میرا خیال یمامہ یا ہجر کی طرف گیا، مگر وہ شہر یثرب تھا۔'' یہ واقعہ یثرب کہنے کی ممانعت سے پہلے کا ہے۔

سوال: مدینہ منورہ کے مؤرخین نے کتنے نام بیان کئے ہیں؟

جواب: جس کے زیادہ نام ہوتے ہیں اس کا مرتبہ بھی بلند ہوتا ہے، ناموں کی کثرت مرتبے کی بلندی پر دلالت کرتی ہے۔ مزید براں مدینہ منورہ کے ہر نام میں ایمانی صفت پائی جاتی ہے۔ اکثر نام صفت کے صیغے میں ہیں جن میں اس کی خوبی اور توصیف بیان کی گئی ہے۔ (تاریخ العرب قبل الاسلام ص:434) مؤرخین نے مدینہ منورہ کے کئی نام گنائے ہیں۔ چنانچہ زرکشی نے اپنی کتاب ''اعلام المساجد باحکام المساجد'' میں اور صاحب ''القاموس'' نے اپنی کتاب ''المغانم المطابۃ فی معالم طابۃ'' میں اور السید نے اپنی کتاب ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ'' میں مدینہ منورہ کے متعدد نام لکھے ہیں جن کی جملہ تعداد 95 ہوتی ہے۔ ''المدینۃ'' کے ساتھ ''المنورۃ'' کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ نور خدا اور رسول خدا کی ہدایت سے روشن اور منور ہوا۔

سوال: مدینہ منورہ کا محل وقوع کیا ہے؟

جواب: مدینہ منورہ اقلیم حجاز میں، بحر احمر سے مشرق میں تقریباً 150 کیلومیٹر کی دوری پر مملکت سعودی عرب کے مغربی حصے میں واقع ہے۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً 420 کیلومیٹر، سعودی عرب کی

راجدھانی ریاض سے 990 کیلومیٹر اور ینبع کی بندرگاہ سے 240 کیلومیٹر کی دوری پر ہے۔

سوال: مدینہ میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہوا؟

جواب: حضرت ابوایوب انصاریؓ کو۔ (ابوایوب انصاریؓ کا نام خالد ہے۔ اصابہ فی احوال الصحابہ میں اسی نام سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہیں یہ بھی بیان ہے کہ مدینہ کا ہر آدمی متمنی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں قیام فرمائیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناقہ کو چھوڑ دو یہ مامور ہے۔ اونٹنی ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر ٹھہری۔ اس لئے وہاں قیام پذیر ہوئے۔ ابوایوب انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال بنونجار کے خاندان سے تھے۔ صحیح مسلم باب الہجرت کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابوایوب انصاریؓ کے یہاں اترنا اسی قربت کی وجہ سے تھا۔ حاشیہ سیرت النبی ج:1 ص:279)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں کتنے ماہ قیام فرمایا اور پھر کہاں منتقل ہوئے؟

جواب: سات ماہ تک یہیں قیام فرمایا اور پھر اپنے حجروں میں منتقل ہو گئے جو امہات المومنین کے لئے بنائے گئے تھے۔ (سیرت النبی ج:1 ص:279۔ مولانا محمد میاں صاحب نے بحوالہ زادالمعاد ج:1 ص:25 ایک ماہ کی مدت بتائی ہے تاریخ الاسلام دوم ص:34)

سوال: حضرت ابوایوب انصاریؓ جس مکان میں رہتے تھے یہ کس نے کس کے لئے بنوایا تھا؟

جواب: حضرت ابوایوب انصاریؓ جس مکان میں رہتے تھے یہ مکان تبع (شاہِ یمن) نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنوایا تھا۔

(سیرۃ المصطفیٰ بحوالہ روض الانف ج:1 ص:24 ۔ روح البیان ج:8 ص:421)

سوال: ان صحابی کا نام بتائیے جنہوں نے سب سے پہلے مکہ سے مدینہ ہجرت کی؟

جواب: سب سے پہلے مدینہ پہنچنے والے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومیؓ ہیں۔

(الرحیق المختوم ص:245)

رشتۂ مواخات

سوال: رشتۂ مواخات کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جن صحابہ کرامؓ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی۔ مدینہ میں ان کا کوئی سہارا نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بالغ نظری سے انصار ومہاجرین کے مابین بھائی چارہ قائم کرایا تاکہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا مددگار اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا غمگسار ہو۔ اور مہاجرین وانصار مدینہ میں بھائی بن کر رہیں اسی کو رشتۂ مواخات کہتے ہیں۔ (ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا اس کے بعد وہ حقیقی بھائی بن کر رہے حتیٰ کہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے مگر یہ وراثت کا طریقہ اس وقت تک جاری رہا جب تک نسبی رشتہ کی بناء پر میراث تقسیم ہونے کا حکم قرآن پاک میں نازل نہ ہوا۔ زاد المعاد ج:1 ص:308 فتح الباری ج:7 ص:210)

مسجد نبوی کی تعمیر

سوال: سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کب ہوئی اور کس نے کی؟

جواب: 1 ہجری میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی۔

سوال: مسجد کی تعمیر کے لئے کونسی جگہ منتخب کی گئی اور وہ جگہ کس کی تھی؟

جواب: مدینہ پہنچتے ہی جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھی تھی اسی کو منتخب کیا گیا اس کے مالک دو یتیم بچے سہیل اور سہل تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:425)

سوال: مسجد نبوی کی زمین کتنی قیمت سے لی گئی اور قیمت کس نے ادا کی؟

جواب: دس دینار میں خریدی گئی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قیمت ادا کی۔

(فتح الباری ج:7 ص:192)

سوال: مسجد نبوی کی جدید تعمیر و توسیع کی مختصر تاریخ لکھ کر ممنون و مشکور فرمائیں؟

جواب: مسجد نبوی کی جدید تعمیر و توسیع اس کی سابقہ تمام توسیعات پر فائق ہے۔ کیونکہ اس کے لئے جدید تعمیراتی و فنی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ اس کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے۔ 21 شعبان المعظم 1402ھ مطابق 13/ جولائی 1982ء کو خادم حرمین شریفین فہد بن عبد العزیز آل سعود مملکت سعودی کے فرمان روا ہوئے اور بروز جمعہ 9/ صفر المظفر 1405 مطابق 2 نومبر 1984ء کو خادم حرمین شریفین نے بعد نماز جمعہ مسجد نبوی کے توسیعی منصوبہ کی بنیاد رکھی۔ یہ توسیعی منصوبہ "بن لادن کمپنی" کو دیا گیا۔ یہ کمپنی بڑے بڑے منصوبوں کو پوری توجہ، دیانت داری اور بلند معیاری سے انجام دینے میں مشہور ہے۔ بروز سنیچر (ہفتہ) 17/ محرم الحرام 1406ھ مطابق یکم مارچ 1986ء میں اس منصوبہ پر عمل شروع ہوگیا۔ یہ توسیع سابقہ عمارتوں کو شمال، مشرق اور مغرب تینوں طرف سے محیط ہے۔ اس کا کل رقبہ 82000 مربع میٹر ہے۔ جس میں 137000 نمازی آسکتے ہیں۔ جبکہ توسیع سے قبل مسجد نبوی کا رقبہ 16327 مربع میٹر تھا۔ گویا اس توسیع کے بعد مسجد کا اجمالی رقبہ 98500 مربع میٹر ہوگیا ہے۔ جس میں 167000 نمازی آسکتے ہیں۔ توسیع شدہ عمارت کی چھت پر سنگِ مرمر بچھنے کے بعد اس پر 90000 نمازی آسکتے ہیں۔ جس کا رقبہ 67000 مربع میٹر ہے۔ گویا مسجد نبوی میں نیچے اوپر کل ملا کر 257000 سے زیادہ لوگ نماز ادا کرسکتے ہیں۔ اور مسجد کا اجمالی رقبہ 165500 مربع میٹر ہو جائیگا۔ مسجد نبوی کے چاروں طرف میدان کا رقبہ 235000 مربع میٹر ہے۔ جس کے فرش پر سنگِ مرمر اور اسلامی فن تعمیر سے آراستہ مختلف رنگوں کے ہندی اشکال والے ٹائل (Granite) لگے ہوئے ہیں۔ اس کے ایک بڑے حصے پر خود کار چھتریاں (Automation sun shade) نصب ہیں۔ جنہیں نماز کے اوقات میں کھولا جاسکتا ہے۔ اس حصے کا کل رقبہ 135000 مربع میٹر ہے۔ جس میں 250000 نمازی آسکتے ہیں۔ اگر پورے میدان میں نماز ادا کی جائے تو 450000 نمازی آسکتے ہیں۔ گویا مسجد نبوی اور

اس کے ارد گرد پھیلے میدان میں کل سات لاکھ (700000) نمازیوں کی گنجائش ہے ۔ (رپورٹ، خلف احمد عاشور۔ نگران اعلیٰ بن لادن کمپنی) رمضان المبارک، حج وعمرہ اور زیارت کی بھیڑ بھاڑ میں دسیوں لاکھ لوگ نماز ادا کرتے ہیں۔

مسجد نبوی کا توسیع کا رقبہ اس قدر جامع منصوبہ اور بے نظیر تاریخ کا پہلا واقعہ ہے، چنانچہ اسے پوری دنیا کی سب سے بڑی عمارت قرار دی گئی ہے، اس نئی توسیع میں حرم نبوی کا رقبہ تقریباً پانچ گنا بڑھ گیا ہے، اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے آس پاس کی زمینیں ان کے مالکان سے قائم شدہ کمیٹی کے فیصلہ پر پوری قیمت ادا کرکے حاصل کی گئی ہیں، جن کا رقبہ 100000 / مربع میٹر ہے، گویا عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا مدینہ حتیٰ کہ اس کے گردونواح بھی اس توسیع میں آگئے ہیں اور اس توسیعی منصوبہ کی تکمیل پر تیس ارب سعودی ریال خرچ ہوئے ہیں۔

سوال: کیا روضۂ پاک، کعبہ اور عرش سے بھی افضل ہے؟

جواب: ابوالولید الباجیؒ اور قاضی عیاضؒ نے بہ اجماع نقل فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء شریفہ کو سمیٹنے والی جگہ کعبہ سے افضل ہے، جیسا کہ ابوالیمن بن عساکر نے اپنے "تحفہ" میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابومحمد عبداللہ بن ابی عمر البسکری نے ان الفاظ میں اس کی تائید کی ہے:

سب کا ہے یہ یقین، کہ بہتر ہے وہ زمین
رہتے ہیں جہاں پر مصطفیٰ، الصادق، الامین

بلکہ القاضی تاج الدین السبکیؒ نے ابن عقیل الحنبلیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ عرش سے بھی افضل ہے اور اس کی تائید ابوعبداللہ محمد بن زین الخریری الشافعی نے اپنے قصیدہ میں اس طرح کی ہے:

بیشک کہ روضۂ پاک، جگہ ہے مقدس تر!
رتبہ ہے اس کا زمین و آسمان سے بھی بلند تر
شہنشاہ کے عرش سے بھی افضل ہے وہ مقام

اعتراض نہیں ہو سکتا کبھی میرے اس قول پر

النوویؒ کہتے ہیں: جمہور کا اتفاق اس بات پر ہے کہ آسمان زمین سے افضل ہے، علاوہ اس حصہ کے جہاں پر روضۂ پاک ہے اور اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ مکہ اور مدینہ سارے جہاں سے افضل ہیں۔ کچھ لوگوں کا اس بات پر اختلاف ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ، مگر اس اختلاف میں کعبہ شریف داخل نہیں۔ بلاشبہ کعبہ مشرفہ مدینہ کے باقی حصوں سے افضل ہے۔ اختلاف صرف ان دونوں کے آپس میں افضلیت پر ہے۔

صُفۂ نبوی کا قیام

سوال: اسلامی تعلیمات کیلئے مسجد نبوی کے برابر میں صفۂ نبوی کب قائم ہوا؟

جواب: تحویل قبلہ کے بعد 2ھ میں۔

سوال: تحویل قبلہ کب ہوئی اور پہلے کس طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی؟

جواب: شعبان 2 ہجری میں تحویل قبلہ کا حکم آیا۔ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کیا جاتا تھا۔ (جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اس وقت تک بھی قبلہ بیت المقدس تھا مگر طریقہ یہ تھا کہ رخ اس طرح رہے کہ بیت اللہ بھی سامنے رہے۔ مکہ میں یہ طریقہ ممکن تھا۔ مدینہ میں آ کر یہ صورت نہ ہو سکی کہ دونوں قبلوں کو جمع فرماسکیں اسلئے بحکم الٰہی سولہ یا سترہ ماہ تک صرف بیت المقدس ہی کی طرف رخ رہا۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:462)

غزوات وسرایا

سوال: غزوہ اور سریہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: ہر وہ فوجی مہم جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود رہے ہوں اس کا نام غزوہ ہے اور وہ فوجی مہم جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف نہ لے گئے ہوں، اسے سریہ کہتے ہیں۔

(علامہ منصور پوریؒ نے لکھا ہے کہ وہ نقل وحرکت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو اس کا نام غزوہ ہے اور وہ نقل وحرکت جو کسی مسلمان نے کی ہو اس کا نام سریہ ہے۔ رحمۃ للعالمین ج:2 ص:185)

سوال: کل کتنے غزوے ہوئے؟

جواب: 19,21,24,27 علیٰ اختلاف الاقوال (مولانا ادریس صاحبؒ نے یہ اقوال اس طرح نقل کئے ہیں موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق، واقدی، ابن سعد اور ابن جوزی نے غزوات کی تعداد 27 بتائی ہے سعید بن المسیب سے 24، جابر بن عبداللہ سے 21 اور زید بن ارقم سے 19 کی تعداد مروی ہے، اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض علماء نے چند غزوات کو قریب قریب ہونے کی وجہ سے ایک غزوہ شمار کیا۔ اس لئے ان کے یہاں غزوات کی تعداد کم رہی ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض علماء کو بعض غزوات کا علم نہ ہوا ہو۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:515۔ اس کے برخلاف علامہ منصور پوریؒ نے غزوات وسرایا کا جو نقشہ پیش کیا ہے ان میں غزوات کی تعداد 27 اور سرایا کی تعداد 55 ہوتی ہے۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ج:2 ص:185 تا 202)

سوال: سرایا کی تعداد کیا ہے؟

جواب: سرایا کی تعداد میں 48,38,35,40 اور 56 کی روایات ہیں (یہ روایات علیٰ ترتیب البیان ابن سعد، ابن عبدالبر، محمد ابن اسحاق، واقدی اور ابن جوزی کی ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو زرقانی ج:1 ص:388 کی مراجعت کریں)۔

سوال: چند اہم غزوات وسرایا کے نام اور سن بتائیے؟

جواب: (1) غزوۂ ابواء یا غزوۂ وَدّان ۔ یہ غزوہ ماہِ صفر المظفر 2ھ میں ہوا۔

(2) غزوۂ بُواط ۔ یہ غزوہ ماہِ ربیع الاول 2ھ میں ہوا۔

(3) غزوۂ سفوان یا بدر صغریٰ / بدر اولیٰ ۔ یہ غزوہ ماہِ ربیع الاول 2ھ میں ہوا۔

(4) غزوۂ ذُوالعُشَیرہ ۔ یہ غزوہ ماہِ جمادی الاولیٰ 2ھ میں ہوا۔ (الرحیق المختوم ص:310)

(5) سریۂ نخلہ ۔ یہ سریہ ماہِ رجب المرجب 2ھ میں روانہ کیا گیا۔ (حضرت عروہ بن زبیرؓ کی

صراحت کے مطابق جنگ بدر کا سبب یہی واقعہ ہے۔ سیرۃ النبی ج:1 ص:314)

(6) غزوۂ بدر کبریٰ۔ اس غزوہ کی لڑائی 17 / رمضان المبارک 2ھ جمعہ کے دن ہوئی۔

(7) غزوۂ قَرقَر الکُدر یا غزوۂ بنی سُلیم۔ یہ غزوہ ماہِ شوال المکرّم 2ھ میں بدر سے واپسی کے صرف سات دن بعد ہوا۔ (الرحیق المختوم ص:365)

(8) غزوۂ بنی قَینُقاع۔ یہ غزوہ 10 / شوال المکرّم 2ھ بروز شنبہ ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:639)

(9) غزوۂ سَویق۔ یہ غزوہ 5 / ذی الحجہ 2ھ بروز اتوار ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:642)

(10) غزوۂ غطفان۔ یہ غزوہ ماہِ محرم 3ھ میں ہوا۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج:1 ص:644۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ 12 / ربیع الاول 3ھ میں ہوا۔ مدارج النبوۃ قسط:7 ص:61)

(11) غزوۂ بُحران۔ یہ غزوہ ماہِ ربیع الثانی 3ھ میں ہوا۔

(12) غزوۂ اُحد۔ یہ غزوہ 7 / شوال المکرّم 3ھ بروز شنبہ ہوا۔

(الرحیق المختوم ص:397۔ کتب وسیر میں 15-11-7-6 / شوال المکرّم کے اقوال بھی مذکور ہیں۔ مدارج النبوۃ قسط:7 ص:70)

(13) غزوۂ حمراء الاسد۔ درحقیقت یہ مستقل غزوہ نہیں، بلکہ غزوۂ اُحد ہی کا ایک حصہ اور تتمہ ہے، مگر اہل سِیَر نے اس کا ذکر مستقل نام سے کیا ہے۔ یہ غزوۂ احد کے دوسرے دن 8 / شوال المکرّم 3ھ بروز یکشنبہ (اتوار) کو ہوا۔ (الرحیق المختوم ص:444)

(14) غزوۂ بنونَضیر۔ یہ غزوہ ماہِ ربیع الاول 4ھ میں ہوا۔

(15) غزوۂ نجد۔ یہ غزوہ، غزوۂ بنونضیر کے بعد ماہِ جمادی الاولیٰ 4ھ میں ہوا۔

(16) غزوۂ بدر ثانیہ۔ یہ غزوہ ماہِ شعبان المعظم 4ھ (جنوری 626ء) میں ہوا۔ (الرحیق المختوم ص:465)

(17) غزوۂ دومۃ الجندل۔ اس غزوہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم 25 / ربیع الاول 5ھ میں روانہ ہوئے تھے اور 20 / ربیع الثانی 5ھ کو مدینہ منورہ واپس ہوئے تھے۔

(18) غزوۂ بنی المُصطلِق۔ اس غزوہ کو غزوۂ مُرَیسیع بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ کے لئے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم 2 رشعبان المعظم 5ھ بروز دوشنبہ روانہ ہوئے تھے۔

(19) غزوۂ خندق۔ اس غزوہ کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، یہ غزوہ شوال یا ذیقعدہ 5ھ میں ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:2 ص:313)

(20) غزوۂ بنو قریظہ۔ یہ غزوہ ماہِ ذیقعدہ 5ھ بروز چہارشنبہ ہوا۔ (زرقانی ج:2 ص:126)

(21) غزوۂ خیبر۔ یہ غزوہ ماہِ محرم الحرام 7ھ میں ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:2 ص:418)

(22) غزوۂ مُوتہ۔ یہ غزوہ ماہِ جمادی الاولیٰ 8ھ میں ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:2 ص:459)

(23) غزوۂ حنین۔ یہ غزوہ 6 رشوال المکرم 8ھ میں ہوا۔

(24) غزوۂ تبوک۔ یہ غزوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے آخری غزوہ ہے اور اس غزوہ کے لئے اسلام کی فوج مدینہ منورہ سے ماہِ رجب المرجب 9ھ بروز پنجشنبہ روانہ ہوئی۔

2ھ کے اہم واقعات

سوال: 2ھ میں پیش آنے والے اہم واقعات کیا ہیں؟

جواب: (1) شعبان کے اخیر عشرہ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

(2) ماہِ رمضان کے ختم ہونے میں دو دن باقی تھے کہ صدقۂ فطر اور عید الفطر کا حکم آیا۔

(3) بقرعید کی نماز واجب ہوئی۔ (4) قربانی کا بھی حکم آیا۔

(5) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا حکم اسی سال ہوا۔ (بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ درود شریف کا حکم شبِ معراج میں ہوا۔ فتح الباری تفسیر سورۃ الاحزاب ج:8 ص: 411) (6) زکوٰۃ فرض ہوئی۔ فتح الباری ج:3 ص:211 (7) اسی سال ذی الحجہ یا محرم یا صفر میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔

(8) جہاد وقتال کا حکم بھی 2ھ میں آیا۔ (9) اسی سال ماہِ شوال میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی۔ (10) اسی سال ماہِ ذی الحجہ میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات ہوئی۔ (ان تمام کی تفصیلات مدارج النبوۃ، سیرۃ النبی اور سیرۃ المصطفیٰ میں دیکھی جا سکتی ہیں)

3ھ کے اہم واقعات

سوال: 3ھ میں پیش آنے والے اہم واقعات کیا ہیں؟

جواب: (1) اس سال ماہِ شعبان میں حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ (طبری ج:3 ص:29)

(2) 15 رر مضان المبارک کو حضرت حسینؓ کی پیدائش ہوئی۔

(3) ماہِ شوال میں شراب کی حرمت کا حکم آیا۔ (زرقانی ج:2 ص:61)

(4) وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔

(5) مسلمانوں کے لئے مشرکہ سے نکاح کرنا اب تک جائز تھا اس سال اس کی بھی حرمت نازل ہوئی۔ (سیرۃ النبی ج:1 ص:387)

5ھ کے اہم واقعات

سوال: 5ھ میں پیش آنے والے اہم واقعات کیا ہیں؟

جواب: (1) پردہ کا حکم نازل ہوا۔

(2) منھ بولے بیٹے کی بیوی سے (بعد الانقطاع) نکاح کی اجازت دی گئی۔

(3) حدِ قذف کا حکم آیا۔ (4) تیمم کا حکم بھی اسی سال آیا۔ (5) حضرت زینبؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔

7ھ کے اہم واقعات

سوال: 7ھ میں پیش آنے والے اہم واقعات کیا ہیں؟

جواب: (1) حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے اسی سال نکاح ہوا۔

(2) گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا گیا۔ (3) درندوں کے گوشت سے منع کیا گیا۔ (4) متعہ کو حرام قرار دیا گیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:2 ص:438 تا 446)

8ھ کے اہم واقعات

سوال: 8ھ میں پیش آنے والے اہم واقعات کیا ہیں؟

جواب: (1) ماہِ ذی الحجہ میں حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام ابراہیم رکھا گیا (پھر تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غم ہوا۔ طبری ج:3 ص:676) (2) اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی وفات ہوئی۔ (سیرۃ النبی ج: 1 ص:547 تا562) (3) حضرت عتاب بن اسیدؓ نے اسی سال عرب کے طریقہ کے مطابق مسلمانوں کو حج کرایا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:3 ص:68) (4) چونکہ پورا جزیرۃ العرب اسلام کے زیرِ نگیں ہو گیا تھا اس لئے مختلف مقامات پر عامل و والی مقرر کر کے بھیجے گئے۔ (زاد المعاد ج:1 ص:31)

9ھ کے اہم واقعات

سوال: 9ھ میں پیش آنے والے اہم واقعات کیا ہیں؟

جواب: (1) اسی سال واقعہ ایلا ہوا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ازواجِ مطہراتؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نان ونفقہ کی بڑھوتری کا سوال کیا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد فرمالیا کہ ایک ماہ تک بیویوں سے کلام نہ کروں گا اور 29 روز تک بالاخانہ میں قیام فرمایا۔ (سیرۃ النبی ج:1 ص562)

(2) ماہِ ذیقعدہ میں رأس المنافقین عبداللہ بن اُبَی بن سلول کا انتقال ہوا۔

(3) حبشہ کا بادشاہ نجاشی (اصحمہ) بھی اس سال چل بسا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی انتقال کی خبر دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع کر کے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ (4) سود کی حرمت نازل ہوئی۔ (5) لعان کا حکم نازل ہوا۔

(6) جن لوگوں نے حالتِ کفر میں اسلام کے زیرِ سایہ رہنا منظور کیا ان کے حق میں جزیہ کی آیت"

حَتّیٰ یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍوَّھُمْ صَاغِرُوْنَ" نازل ہوئی۔ (سورۂ توبہ۔ آیت 29) (7) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت امّ کلثومؓ کا انتقال ہوا۔ (اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا اور حضرت عثمانؓ سے فرمایا اگر میرے یہاں تیسری لڑکی ہوتی تو اس کی شادی بھی تم سے کر دیتا۔ الرحیق المختوم ص682) (8) غامدیہ عورت کو رجم کیا گیا۔ (اس نے خود ہی خدمت نبوی میں آ کر بدکاری کا اقرار کیا تھا اس وقت حمل کی وجہ سے رجم نہیں کیا گیا۔ بچہ کی پیدائش کے بعد جب دودھ چھڑا دیا تب رجم کیا گیا۔ الرحیق المختوم ص682)

10ھ کے اہم واقعات

سوال: 10ھ میں پیش آنے والے اہم واقعات کیا ہیں؟

جواب: (1) یمن کے حاکم حضرت باذان نے وفات پائی۔

(مدارج النبوۃ قسط: 10 ص: 81)

(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی۔ (3) حضرت جبرئیل علیہ السلام بصورتِ بشر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔

مرض وفات

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کا آغاز کس تاریخ اور کس دن ہوا؟

جواب: 29/صفر بروز دوشنبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع الغرقد سے تشریف لا رہے تھے کہ درد سر شروع ہوا اور بڑھتا چلا گیا۔

(رحمۃ للعالمین ج: 1 ص: 246 الرحیق المختوم ص: 726 میں اس تاریخ اور اس دن کی تعیین کی ہے لیکن اگر دقت نظری سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ 29 صفر کو دوشنبہ ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ بالاتفاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوشنبہ کو ہوئی اور وفات کے سلسلے میں تین

روایات ہیں یکم ربیع الاول۔ دوم ربیع الاول۔ بارہ ربیع الاول۔ بارہ ربیع الاول کی مشہور روایت کو ماننے کی بنیاد پر اس تاریخ میں دوشنبہ تسلیم کرنا ہوگا۔ اس طرح 29/صفر کو اگر ماہ صفر 29 کا ہو بدھ اور اگر 30 کا ہو تو منگل کا دن نکلتا ہے۔ اس سلسلے میں سیرۃ النبی ج: 2 ص: 172 تا ص: 174 کا حاشیہ ملاحظہ فرمالیا جائے)۔

سوال: جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو ازواجِ مطہراتؓ میں کس کی باری کا دن تھا؟

جواب: حضرت میمونہؓ کی۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کا آخری ہفتہ کہاں گزارا؟

جواب: اپنی چہیتی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں۔

وفات کا روح فرسا واقعہ

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا روح فرسا واقعہ کب ہوا؟

جواب: 12 ربیع الاول 11ھ بروز دوشنبہ بوقتِ چاشت۔

(یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ صاحب اصح السیر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور لیث وغیرہ کا قول ہے کہ یکم ربیع الاول کو وفات ہوئی، علامہ شبلیؒ نے روایت و درایت سے اسی قول کی تائید کی ہے۔ ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کی روایت ہے کہ وفات 2/ربیع الاول کو ہوئی۔ اصح السیر ص: 435 سیرۃ النبی ج: 2 ص: 172 تا 174)

سوال: وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عیسوی تاریخ بتایئے؟

جواب: 9/جون 632ء۔ (عالمی تاریخ ص: 31)

سوال: وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی عمر ہو چکی تھی؟

جواب: تریسٹھ (63) سال چار دن۔ (مشہور روایت یہی ہے۔ بعض نے 65 برس اور بعض نے ساٹھ برس کی عمر بھی بتائی ہے۔ فتح الباری ج: 8 ص: 114)

تجہیز

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس روز غسل دیا گیا اور کس طرح؟

جواب: منگل کے روز کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟

جواب : تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ کرتا اور پگڑی نہ تھی صرف چادروں میں لپٹایا گیا۔ (ایضاً بحوالہ بخاری ج:1 ص:169)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کس نے کھودی تھی؟

جواب: حضرت ابوطلحہؓ نے۔

سوال: قبر مبارک صندوقی تھی یا بغلی؟

جواب : بغلی تھی (بغلی قبر کا کھودا جانا ایک اتفاقی امر ہے کیونکہ مدینہ میں دو شخص قبر کھودتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ جو مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودتے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ جو مدینہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودتے تھے، صحابہؓ میں اختلاف ہوا کہ کیسی قبر کھودی جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کو بلالو جو پہلے آجائے گا وہ اپنے مطابق قبر کھودے گا۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ آگئے انہوں نے بغلی کھودی۔ (سیرۃ النبی ج:3 ص:186)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

جواب: کسی نے نہیں پڑھائی۔

سوال: نماز جنازہ پڑھنے کا کیا طریقہ اپنایا گیا؟

جواب: حجرہ تنگ تھا اسلئے دس دس صحابہ اندر جاتے تھے اور نماز جنازہ پڑھتے تھے پہلے بنی ہاشم نے نماز پڑھی پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پھر مردوں کے بعد عورتوں نے پھر بچوں نے۔ (الرحیق المختوم ص:737)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کتنے آدمیوں نے پڑھی؟

جواب: تیس ہزار آدمیوں نے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:3 ص:189) ✓

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں چادر کس نے بچھائی تھی؟

جواب: حضرت شقرانؓ نے۔ (اصح السیر ص:440) ✓

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا گیا تھا؟

جواب: حضرت عائشہؓ کے کمرہ میں جہاں آپ کی وفات ہوئی۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس روز پڑھی گئی اور تدفین کب ہوئی؟

جواب: منگل کو نماز جنازہ پڑھی گئی اور بدھ کی رات میں تدفین عمل میں آئی۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو قبر میں کس نے اتارا؟

جواب: حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ اور ان کے دو صاحبزادے فضلؓ اور قثمؓ نے۔ ✓ (سیرۃ المصطفیٰ ج:3 ص:189 بعض کتابوں میں دوسرے حضرات کا نام بھی آیا ہے دیکھئے سیرت النبی ج:2 ص:186)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دفن کیا جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک کے نیچے کپڑا کس نے بچھایا اور کیا بچھایا؟

جواب: حضرت شقرانؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے اپنی رائے سے ایک کھیس (ایک قسم کا سوتی کپڑا جو اوڑھنے اور بچھانے کے کام آتا ہے) جو نجران کا بنا ہوا تھا۔ بچھا دیا تھا جس کو یہ صحابی اوڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی، نشر الطیب ص:206)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد مبارک پر کتنی اینٹیں رکھی گئیں اور کیسے رکھی گئیں، کچی تھیں یا پکی؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد پر رکھی جانے والی اینٹیں نو (9) تھیں جو کھڑی کر کے رکھی گئیں اور یہ اینٹیں کچی تھیں۔ (نشر الطیب ص:206)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی کس نے چھڑکا؟

جواب: حضرت بلالؓ نے۔ (اصح السیر ص: 440)

سوال: 11ھ میں نبوت کے دعویدار کون کون ہوئے؟

جواب: (1) مسیلمہ کذاب (2) اسود عنسی (3) طلحہ بن خویلد اسدی (4) سجاح بنت حارث۔

ازواج مطہراتؓ

سوال: رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی عورتوں سے شادی فرمائی؟

جواب: گیارہ عورتوں سے۔

سوال: ازواج مطہراتؓ کے اسماء نکاح، ترتیب کے مطابق بیان کیجئے؟

جواب: (1) حضرت خدیجہؓ (2) حضرت سودہؓ (3) حضرت عائشہؓ (4) حضرت حفصہؓ (5) حضرت زینبؓ بنت خزیمہ (6) حضرت ام سلمہؓ (7) حضرت زینبؓ بنت جحش (8) حضرت جویریہؓ (9) حضرت ام حبیبہؓ (10) حضرت صفیہؓ (11) حضرت میمونہؓ۔ (بعض ارباب سیر کا بیان ہے کہ ان عورتوں کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا جن میں جونیہ کنیز اور فاطمہ بنت ضحاک کلابیہ کا نام سرفہرست ہے مگر ان کے عقد نکاح میں سخت اختلافات ہیں۔ اسلئے مطولات کی طرف رجوع فرمائیں)

سوال: وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بیویاں تھیں؟

جواب: 9/ بیویاں۔

سوال: وہ کونسی ازواج مطہراتؓ ہیں جنہوں نے حیات نبوی میں ہی انتقال فرمایا؟

جواب: حضرت خدیجہؓ اور ام المساکین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ۔

سوال: وہ کونسی زوجۂ مطہرہؓ ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہوئی؟

جواب: حضرت خدیجہؓ۔

سوال: ان زوجۂ مطہرہؓ کا نام بتائیے جن کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر ہوا تھا؟

جواب: حضرت زینبؓ بنت جحش۔

سوال: وہ کونسی زوجہ مطہرہؓ ہیں جن کا نکاح اور وفات مقام سرف میں ہوا اور انتقال و تدفین بھی مقام سرف میں ہوئی؟

جواب: حضرت میمونہؓ بنت حارث۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخر میں کس سے نکاح فرمایا؟

جواب: حضرت میمونہؓ سے۔ (اصح السیر ص: 485 بحوالہ ابن سعد)

سوال: حضرت خدیجہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی اولاد ہوئی؟

جواب: چھ اولاد...... (2 لڑکے اور 4 لڑکیاں)

سوال: حضرت خدیجہؓ کا مہر کیا مقرر ہوا؟

جواب: پانچ سو درہم۔

سوال: حضرت عائشہؓ کے والد اور والدہ کا نام کیا تھا؟

جواب: والد کا نام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والدہ کا نام زینب ام رومان تھا۔

(ام رومان کنیت ہے، ان کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ مشہور قول کے مطابق ان کی وفات 6ھ میں ہوئی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبر میں رکھا۔ الاصابہ فی احوال الصحابہ ج: 4 ص: 450)

سوال: حضرت عائشہؓ کا نکاح کب ہوا اور کتنی عمر میں اور پھر رخصتی کب ہوئی؟

جواب: ماہ شوال 10 نبوی میں 4 سال کی عمر میں نکاح ہوا۔ اور پھر 9 سال کی عمر میں 1ھ کے ماہ شوال میں رخصتی ہوئی۔

سوال: حضرت عائشہؓ کی وفات کب ہوئی اور کہاں؟

جواب: ماہ رمضان 58ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

سوال: حضرت عائشہؓ کو کہاں دفن کیا گیا اور نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

جواب: حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز پڑھائی۔ جنت البقیع میں وصیت کے مطابق تدفین ہوئی۔

سوال: حضرت عائشہؓ کی کتنی عمر ہوئی؟

جواب: 66 سال۔

سوال: حضرت عائشہؓ سے کتنی روایات منقول ہیں؟

جواب: دو ہزار دو سو دس (2210)۔ (سیرۃ النبی ج:2 ص:408)

صاحبزادے و صاحبزادیاں

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولاد کتنی ہوئی؟

جواب: سات۔ (3/صاحبزادے اور 4/صاحبزادیاں) (تعداد اولاد میں آٹھ، گیارہ اور بارہ کے اقوال بھی ہیں۔ ہم نے اصح قول کو بیان کر دیا ہے۔ مدارج النبوۃ)

سوال: وہ کونسی صاحبزادی ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل چلی؟

جواب: حضرت فاطمہؓ۔

سوال: اولاد میں سب سے پہلے کون پیدا ہوئے اور سب سے آخر میں کون؟

جواب: سب سے پہلے حضرت قاسمؓ اور سب سے آخر میں حضرت ابراہیمؓ۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں کے اسماء بتایئے؟

جواب: (1) حضرت قاسمؓ (2) حضرت ابراہیمؓ (3) حضرت عبداللہؓ (طیب وطاہر)

سوال: حضرت عبداللہ اور قاسمؓ کی والدہ کون تھیں؟

جواب: حضرت خدیجہؓ۔

سوال: حضرت ابراہیمؓ کی والدہ کا نام کیا تھا؟

جواب: حضرت ماریہ قبطیہؓ۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں کتنی ہوئیں اور کس کے بطن سے؟

جواب: 4/صاحبزادیاں ہوئیں، حضرت خدیجہؓ کے بطن سے۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی لڑکی کا نام بتایئے؟

جواب: حضرت زینبؓ۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی لڑکی کا نام بتایئے؟

جواب: حضرت فاطمہؓ۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی صاجزادیاں تھیں؟

جواب: (1) حضرت فاطمہؓ (2) حضرت ام کلثومؓ (3) حضرت زینبؓ (4) حضرت رقیہؓ۔

نواسے و نواسیاں

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے نواسے تھے؟

جواب: (1) حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ۔ (2) حضرت حسینؓ بن حضرت علیؓ۔ (3) حضرت علیؓ بن ابوالعاصؓ۔ (4) حضرت عبداللہؓ بن حضرت عثمان غنیؓ۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی نواسیاں تھیں؟

جواب: (1) حضرت امامہؓ بنت ابوالعاصؓ۔ (2) حضرت ام کلثومؓ بنت حضرت علیؓ۔
(3) حضرت زینبؓ بنت حضرت علیؓ۔ (4) حضرت رقیہؓ بنت حضرت علیؓ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاجزادیوں کا نکاح

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکیوں کا نکاح کس کس سے ہوا؟

جواب: (1) حضرت زینبؓ کا ابوالعاص بن ربیعؓ سے۔ (2) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علیؓ سے۔ (3) حضرت رقیہؓ وام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمانؓ سے ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عبرانی نام

سوال: کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عبرانی نام بتا سکتے ہیں؟

جواب: فارقیط۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور میزبان حضرت ابوایوب انصاریؓ کا اصلی نام کیا تھا اور انہوں نے کہاں وفات پائی؟

جواب: خالد بن یزیدؓ، قسطنطنیہ (استنبول) کے محاصرہ کے دوران میں انتقال کیا۔

سوال: احمد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے بتائیے یہ قرآن پاک میں کتنی مرتبہ آیا ہے؟

جواب: صرف ایک مرتبہ۔

سوال: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الفاظ مبارک کیا تھے؟

جواب: اَللّٰهُ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى۔ (اللہ سب سے بڑا دوست ہے) ✓

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود پڑھنا ضروری ہے

سوال: کیا "محمدؐ" نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا "ؐ" لکھنا ضروری ہے؟

جواب: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سن کر درود پڑھنا ضروری ہے۔ اور قلم سے لکھنا بہت اچھی بات ہے مگر جب یہ اسم مبارک کسی اور شخص کے نام کا جزو ہو تو اس وقت اس پر "ؐ" کا نشان نہیں لگانا چاہئے۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ہوتا۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ مجھے دوسرے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے ان میں چھٹی فضیلت کونسی ہے؟

جواب: چھٹی فضیلت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی انسان پر وحی آئے گی اور نہ ہی کوئی نبی بن سکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا منکر دائرہ اسلام سے خارج

سوال: اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی آسکتے ہیں تو کیا وہ مسلمان ہے؟

جواب: ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل میں کس نام سے یاد کیا گیا ہے؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل میں کس نام سے یاد کیا گیا ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل میں احمد کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

رحمۃ اللعالمین صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص ہے

سوال: کیا رحمۃ اللعالمین صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص ہے۔ یا ہر شخص کو بتاویل کہہ سکتے ہیں؟

جواب: یہ صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اور آخری بیوی

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی کون تھیں اس وقت ان کی عمر کتنی تھی اور ان کی آخری بیوی کون تھیں اور ان کی عمر کتنی تھی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور نکاح کے وقت ان کی عمر صحیح قول کے مطابق 40 سال کی تھی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیوی حضرت میمونہؓ بنت حارث تھیں جن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور سے نکاح نہیں کیا اور صحیح قول کے مطابق نکاح کے وقت ان کی عمر 48 سال کی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ شادیوں کا مقصد

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زیادہ شادیاں کرنے میں کون سی دینی مصلحت تھی؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ کی طرح عورتوں کی ایک جماعت تیار کرنا چاہتے تھے جو عورتوں میں تبلیغ کا کام سنبھالیں اوران کی وساطت سے رہتی دنیا تک عورتوں کے مسائل اوران کا حل معلوم ہوتا رہے۔

قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف

سوال: قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف کتنی مرتبہ آیا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احمد نام ایک مرتبہ اور محمد نام چار مرتبہ آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسی بیوی کی تصویر بھیجی تھی؟

سوال: اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسی بیوی کی تصویر بھیجی تھی؟

جواب: امام بغویؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان چیزوں کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ آپ کی زوجہ ہے۔ (ترمذی) بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اپنی ہتھیلی میں صورت لے کر تشریف لائے تھے۔

سوال: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر کہاں رہے؟

جواب: 53 سال کی عمر تک اپنے شہر مکہ معظمہ میں رہے اس کے بعد اللہ کے حکم سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور 10 سال وہاں رہے۔ پھر 63 سال کی عمر میں پردہ فرمایا۔

سوال: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شادی کس تاریخ کو ہوئی؟

جواب: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت

عائشہ صدیقہؓ کا عقد 10 نبوی میں پڑھایا۔ تین سال بعد رخصتی ہوئی آپؐ کے پردہ فرمانے کے بعد تقریباً 48 سال تک زندہ رہیں۔

جملہ ازواج مطہراتؓ کے نام کیا ہیں؟

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ازواج مطہراتؓ کے اسماء بتائیں؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کی تعداد کے بارے میں محدثین، اصحابِ سِیَر اور مؤرخین اتنی بات پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل 15 شادیاں کیں جن میں سے دو (حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ) کا آپ کی زندگی میں انتقال ہوگیا تھا اور دو ازواج (حضرت اسماء بنت نعمان کندیہ اور حضرت عمرہ بنت یزید کلابیہ) رخصت ہو کر نہیں آسکیں۔ اس کے بعد اس پر سب کا اتفاق ہے کہ گیارہ ازواج مطہراتؓ ایک ساتھ رہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو 9 ازواج مطہراتؓ زندہ تھیں۔ ازواج مطہراتؓ کے نام یہ ہیں۔

(1) ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ۔ (2) ام المؤمنین حضرت سودہؓ۔
(3) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ (4) ام المؤمنین حضرت حفصہؓ۔
(5) ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ۔ لقب اور کنیت ام المساکین۔
(6) ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ۔ (7) ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش۔ کنیت ام الحکم۔
(8) ام المؤمنین حضرت جویریہؓ۔ (9) ام المؤمنین حضرت صفیہؓ۔
(10) ام المؤمنین حضرت ریحانہؓ۔ (11) ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ۔
(12) ام المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہؓ۔ (13) ام المؤمنین حضرت میمونہؓ۔

انسان کے چار دشمن......انسان کے چار بڑے خطرناک دشمن ہیں، ان سے بچنے کے لئے نہایت ہوشیاری اور کوشش درکار ہے، (۱) دنیا (۲) نفس (۳) شیطان (۴) برا انسان۔

متفرقات

سوال: ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابی کو معلم بنا کر بھیجا تھا ان کا نام کیا ہے؟

جواب: ان کا نام حضرت مصعبؓ بن عمیر ہے۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوبؓ کے گھر کتنے دنوں تک قیام فرمایا تھا اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کتنے دنوں میں پہنچے تھے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوبؓ کے گھر پر سات مہینہ تک قیام فرمایا اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تقریباً بیس دنوں میں پہنچے تھے۔ ان بیس دنوں میں غار ثور اور قباء میں قیام کی مدت بھی شامل ہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی جب اللہ نے آپ کو ہدایت دی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بچپن ہی سے ہدایت کے آثار نمایاں تھے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں، یا قرآن شریف، زیادہ افضل ہے؟ تفصیل سے سمجھائیں۔

جواب: (1) اس سوال کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ قرآن کریم کا مرتبہ بڑا ہے کیونکہ خود اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی عزت وتکریم کا حکم فرمایا ہے۔

(2) یہی سوال حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ قرآن سے بڑا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے علم کے مظہر ہیں اور قرآن کریم اللہ کا کلام ہے۔ صفت علم، صفت کلام سے بڑی ہے۔

(3) اسی طرح یہ سوال حضرت سید احمد دہلویؒ سے کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ قرآن کریم کے اندر دو قسم کا کلام ہے۔ (1) کلام نفسی اور (2) کلام لفظی، کلام نفسی اور کلام لفظی حادث ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے کلام لفظی سے بڑے ہیں اور کلام نفسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بڑا ہے۔

(4) حضرت عائشہؓ نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم دونوں ایک ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع گویا قرآن کی اتباع ہے اور قرآن کی اتباع گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی کون ہیں اور ان کی پیدائش کس سن میں ہوئی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی کا نام حضرت زینبؓ ہے اور ان کی ولادت بالاتفاق اہل سیر 3 میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سورۃ کے ذریعہ اعلانیہ تبلیغ کا حکم دیا گیا؟

جواب: سورۃ مدثر کے ذریعہ۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ کب، کیوں اور کتنے قبیلوں سے اور کتنی شرطوں کے ساتھ کیا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد یہود مدینہ کے ستم سے بچنے کے لئے تین قبیلوں۔

(1) بنی قینقاع۔ (2) بنونضیر۔ (3) بنو قریظہ کے ساتھ چودہ شرائط پر مشتمل ایک معاہدہ کیا۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح کس سے فرمایا اور کتنی عمر میں؟

جواب: حضرت خدیجہؓ سے 25 سال کی عمر میں۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی حیات میں اور کس سے نکاح فرمایا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی حیات میں کسی سے نکاح نہیں فرمایا۔

سوال: حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کیا تھی؟

جواب: تقریباً پچاس برس کی۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیلؑ کی سب سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟

جواب: 9 ربیع الاول اور بعض روایات کے مطابق 12 ربیع الاول دوشنبہ کے دن مکہ مکرمہ کے پاس جبل نور میں واقع غار حرا میں۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل فرشتہ کو ان کی اصلی صورت میں کتنی مرتبہ دیکھا؟

جواب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں پوری زندگی میں صرف چار مرتبہ دیکھا۔ (فتح الباری ج:1 ص:18۔ نشر الطیب ص:173)

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوابراہیم کس نے رکھی؟

جواب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری زمانہ تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ کہہ کر آواز دی یا اباابراہیم جس سے آپ کی کنیت ابوابراہیم ہوگئی۔ (مستدرک حاکم)

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک کتنی مرتبہ چاک کیا گیا؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک چار مرتبہ چاک کیا گیا۔

سوال: ابن الذبیحین کس کا لقب ہے؟

جواب: یہ ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ (تاریخ اسلام ج:1 ص:86)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف کتنے دن نماز ادا کی؟

جواب: سولہ مہینے یا سترہ مہینے نماز ادا کی اس کے بعد بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔ (جلالین پ:2 ص:21)

سوال: غارِ حراء میں قیام کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کھانا کھاتے تھے اور یہ کھانا کہاں سے آتا تھا؟

جواب: قیامِ غارِ حراء کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستو اور پانی تناول فرماتے تھے یہ کھانا کبھی تو حضرت خدیجہؓ لے کر آتیں اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود گھر تشریف لے جاتے اور دو تین روز کا کھانا ساتھ لاتے۔ (نشر الطیب)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند کی لمبائی اور چوڑائی کتنی تھی؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند کی لمبائی چار ہاتھ ایک بالشت اور چوڑائی دو ہاتھ ایک بالشت تھی۔ (نشر الطیب)

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ باندھنے کا کیا طریقہ تھا؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ باندھنے کا طریقہ یہ تھا کہ کبھی اس کے شملہ کو دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دیتے تھے اور کبھی بغیر شملہ کے عمامہ باندھتے تھے اور عمامہ کے نیچے کبھی ٹوپی اوڑھتے اور کبھی نہ اوڑھتے تھے۔ (نشر الطیب ص:192)

سوال: قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس کس رنگ کا ہوگا؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میرا رب مجھ کو سبز رنگ کا لباس پہنائے گا۔ (تاریخ دمشق ج:2 ص:111)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سب سے پہلے کونسا کلام نکلا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سب سے پہلے نکلنے والا کلام یہ ہے "اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْراً وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلاً"۔

(نشر الطیب ص:23)

سوال: اُحد کی لڑائی میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے ان سے جو خون نکلا تھا وہ کہاں گیا تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سے جو خون نکلا تھا وہ حضرت مالک ابن سنانؓ نے پی لیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو ایسے شخص کو دیکھنا چاہے کہ جس کے خون میں میرا خون مل گیا ہو وہ مالک بن سنانؓ کو دیکھ لے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج:4 ص:281)

سوال: وہ کونسے انبیاء ہیں جن کے دو نام رکھے گئے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰؑ کے سوا کسی نبی کے دو نام نہیں رکھے گئے۔

(الاتقان ج:2 ص:349)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس سواری پر سوار ہوکر معراج میں تشریف لے گئے تھے اس کا رنگ کیسا تھا اور قد کتنا تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ کے براق پر سوار ہوکر معراج میں گئے جو گدھے سے ذرا اونچا اور خچر سے ذرا نیچا تھا۔ (مسلم شریف ج:1 ص:91)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب براق پر سوار ہونے لگے تو رکاب ولگام کس نے تھامی تھی؟

جواب: حضرت جبرئیلؑ نے رکاب اور میکائیلؑ نے لگام تھامی تھی۔ (نشر الطیب ص:37)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کس نے، کب اور کس کھانے میں ملا کر دیا تھا اور اس کے کتنے سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی؟

جواب: سلام بن مشکم کی عورت زینب بنت الحارث نے ایک بکری کے گوشت میں زہر ملا کر غزوہ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے گوشت منہ میں لیا مگر معلوم ہوگیا، بعض روایات میں ہے کہ گوشت نے کہدیا کہ زہر ملا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تھوک دیا اس واقعہ کے تین سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔ (اصح السیر ص:202)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی کے کتنے بال سفید ہوگئے تھے؟

جواب: اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں (1) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارکہ اور سر مبارک کے کل 17 بال سفید ہوئے تھے (2) 20 بالوں اور (3) 27 بالوں کے سفید ہونے کا ہے۔

(روح البیان ج:8 ص:208)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جس بدبخت نے تلوار اٹھا کر کہا تھا کہ یا محمد! بتلا اب مجھ سے تجھ کو کون بچائے گا۔ اس کا نام کیا تھا؟

جواب: اس بدبخت کا نام غورث بن الحارث تھا۔ (نسیم الریاض للخفاجی ج:2 ص:135)

سوال: جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی دنیا کی کن کن عورتوں سے ہوگی؟

جواب: جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی دنیا کی تین عورتوں سے ہوگی (1) حضرت

مریم بنت عمران (2) حضرت آسیہ فرعون کی بیوی (3) حضرت کلثومؓ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ بہن جس نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے لئے دودھ پلانے والیوں کی طرف رہنمائی کی تھی)۔ (حاشیہ جلالین ج:2 ص:327)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار کس کو عنایت فرمادی تھی؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ''ذوالفقار'' تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حضرت علیؓ کو دے دی تھی۔ (لامع الدراری)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنی مقدار پانی سے وضو اور غسل فرماتے تھے؟

جواب: وضو تو ایک مد پانی سے کرتے تھے اور غسل ایک صاع سے۔ (بخاری ص:33)

سوال: مُد اور صاع کی مقدار کیا ہے؟

جواب: مُد 795 گرام 958 ملی گرام کا ہوتا ہے اور صاع 3 کلو 150 گرام کا۔ (امدادالاوزان ص:6)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے کتنے طریقے تھے اور کس طرح بیٹھ کر کھاتے تھے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو طریقے پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے (1) اکڑو بیٹھ کر (2) دو زانو بیٹھ کر اور طریقہ یہ تھا کہ بائیں قدم کا تلوا داہنے قدم کی پشت سے لگا ہوتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں (وُسطیٰ، سَبَّابَہ اور اِبہام) سے کھانا تناول فرماتے۔ (نشرالطیب ص:191)

سوال: کھانے کے شروع اور اخیر میں کیسی چیز کھانا مسنون ہے، میٹھی یا نمکین؟

جواب: کھانے کو نمکین چیز سے شروع کرنا اور نمکین چیز ہی پر ختم کرنا مسنون ہے اور اس میں ستر بیماریوں سے شفاء ہے۔ (شامی ج:5 ص:216 وحاشیہ مالابدّ منہ ص:118)

سوال: وہ کونسی سبزی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سالن کے برتن میں تلاش کر کے کھایا کرتے تھے؟

جواب: وہ سبزی ''یقطین'' یعنی کدو ہے۔ (ترمذی ج:2 ص:6۔ و نشرالطیب)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی پینے کے پیالے کتنے تھے اور کس کس چیز کے تھے؟

جواب: 2 پیالے تھے (1) کچ کا اور (2) لکڑی کا۔ (نشر الطیب)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہننے کے کپڑوں کی تعداد کتنی تھی اور وہ کس کس چیز کے تھے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں (1) کرتا (2) لنگی (3) عمامہ اور (4) چادر ہوتے تھے۔ جس میں کرتا سوتی ہوتا تھا جس کی آستین چھوٹی تھی، ویسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُون اور کتان بھی پہنا ہے مگر زیادہ تر سوتی استعمال کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس 2 سبز چادریں تھیں اور 2 کھیس (1) سرخ اور (2) سیاہ دھاری والی۔ 1 کمبل اور 1 تکیہ جس میں پوست اور خرما بھری ہوئی تھی۔ (نشر الطیب)

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں وراثت نہیں تھی؟

جواب: امام المحدثین حافظ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی نے اپنی کتاب "شمائل ترمذی" میں اس باب کے تحت سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں سب کا حاصل یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ متروکہ مال صدقہ ہے وہ وارثوں پر تقسیم نہیں ہوگا۔ یہ علماء کا اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی عالم کا بھی اہل سنت والجماعت میں اختلاف نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں وراثت نہ تھی البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا یا تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی حکم ہے۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ تمام انبیاء کا یہی حکم ہے کہ ان کے متروکہ مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا اس کی وجوہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں اور متعدد وجوہ ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے مختصراً چند وجوہ لکھی جاتی ہیں۔

(1) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں لہٰذا ان کی مِلک باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے کسی کے نکاح کرنے کی قرآن پاک میں صاف لفظوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(2) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی چیز زندگی میں بھی مِلک نہیں ہوتی وہ متولیانہ تصرف کرتے ہیں صوفیاء میں بھی یہ مقولہ مشہور ہے "الصوفی لایملك" صوفی مالک کسی چیز کا نہیں ہوتا۔ یہ

مطلب نہیں کہ شرعاً مالک نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا۔

(3) دنیا کی ہر چیز اللہ کی مِلک ہے اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے۔

(4) اگر انبیاء کے مال میں میراث جاری ہو تو احتمال ہے کہ کوئی بدنصیب وارث مال کی طمع میں نبی کی ہلاکت کا ذریعہ بنے یا تمنا کرے اور دونوں چیزیں اس کی بربادی کا سبب ہوں گی۔

(5) لوگوں کو یہ واہمہ نہ گزرے کہ نبوت کا دعویٰ مال جمع کرنے کے واسطے اور اپنے اہل وعیال کو مالدار چھوڑ کر جانے کے واسطے ہے۔

(6) مال کے زنگ اور میل کچیل سے ان کی قدسی ذات کو محفوظ رکھنے کی وجہ سے ہے۔

(7) نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے لئے بمنزلۂ باپ کے ہیں لہٰذا ان کا مال تمام اولاد کا مال ہے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ کے احکامات کی حکمتیں بے نہایت ہوتی ہیں، آدمی اپنی اپنی سمجھ کے موافق حکمتوں کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں اللہ کے علم میں ہیں۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں جن بچوں نے پیشاب کیا وہ کتنے ہیں اور کون کون ہیں؟

جواب: وہ پانچ ہیں (1) سلیمان بن ہشام (2) حضرت حسنؓ (3) حضرت حسینؓ (4) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور (5) ابن اُمّ قیس۔ (اوجز المسالک ج:1 ص:162)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک کیسا تھا؟

جواب: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پست قد (جس کو ٹھنگنا کہتے ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک درمیانہ تھا) اور نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونہ کی طرح، نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آجائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن پرنور اور کچھ ملاحت لئے ہوئے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچدار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالہ پن تھا۔ شمائل ترمذی)

سوال: سفر وحضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی چیزیں ساتھ رہتی تھیں؟

جواب: سفر وحضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور بستر کے قریب سات چیزیں ہمیشہ رہتی

تھیں (1) تیل (2) کنگھا (3) سرمہ دانی (4) قینچی (5) مسواک (6) آئینہ (7) لکڑی کی ایک پتلی پچھی۔

سوال: کیا کوئی آدمی ایسا بھی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تیر مارا اور وہ اس سے ہلاک ہو گیا ہو؟

جواب: وہ ایک کافر ہے جس کا نام اُبَی بن خلف ہے غزوۂ اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مارا گیا۔

سوال: کیا خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو کیسے پتہ چلے کہ یہ خواب سچا ہے؟ بعض لوگ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دوسری شکل میں دیکھتے ہیں کیا وہ بھی صحیح خواب ہوگا؟

جواب: صحیحین کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد اور مختلف الفاظ میں مروی ہے کہ:۔ ''مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْرَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ''

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔''

ایک اور روایت میں ہے: ''مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِی الْحَقَّ''۔ (مشکوٰۃ ص: 394)

''جس نے مجھے دیکھا اس نے سچا خواب دیکھا'' خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت شریفہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی ہیئت و شکل میں دیکھے۔ اہل علم کا اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل حلیہ مبارکہ میں ہو تو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق، واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، لیکن اگر کسی دوسری ہیئت و شکل میں دیکھے تو اس کو بھی زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ یہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہلائے گی، کیونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا صرف یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلی شکل و صورت اور حلیہ

مبارکہ میں دیکھے۔ پس اگر کسی نے مختلف حلیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو یہ حدیث بالا کا مصداق نہیں، اور بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواہ کسی شکل وصورت اور حلیہ میں دیکھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیارت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل حلیہ مبارکہ سے مختلف شکل میں دیکھنا خواب دیکھنے والے کے نقص کی علامت ہے۔

حافظ ابن ابی جمرہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی صورت میں دیکھنا، دیکھنے والے کے دین کے اچھے ہونے کی علامت ہے، اور عیب یا نقص کی حالت میں دیکھنا، دیکھنے والے کے دین میں خلل کی علامت ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال شفاف آئینہ کی سی ہے، کہ آئینہ کے سامنے جو چیز آئے اس کا عکس اس میں آجاتا ہے۔ آئینہ بذات خود کیسا ہی حسین وباکمال ہو (مگر بھدی چیز اس میں بھدی ہی نظر آئے گی) اور خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت شریفہ کا بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ اس سے خواب دیکھنے والے کی حالت پہچانی جاتی ہے۔

سوال: حجۃ الوداع کا واقعہ کب پیش آیا؟

جواب: حجۃ الوداع کا واقعہ ۱۰ھ میں پیش آیا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے گئے، ۲۵/ ذی قعدہ ۲۲/ فروری ۶۳۲ء بروز شنبہ بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ۴/ ذی الحجہ ۳/ مارچ ۶۳۲ء اتوار کے دن مکہ معظمہ پہنچے، ایک لاکھ سے زائد مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔

سوال: حضرت اسامہ بن زیدؓ کی زیر قیادت شام کی طرف ایک لشکر کب روانہ کیا گیا؟

جواب: ۱۱ھ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت شام کی طرف پیش قدمی کے لئے ایک لشکر روانہ کیا گیا، ابھی وہ پہلی ہی منزل میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے شاہِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارادہ کی تکمیل فرمائی، اس لشکر کے کوچ نے فوری فائدہ یہ پہنچایا کہ بہت سے سرکش قبیلے مرعوب ہوگئے۔

سوال: کیا حضور صلی اللہ ولیہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء نے بھی ایک سے زائد شادیاں کی ہیں؟

جواب: ایک سے زائد شادیاں کی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

✓ ○ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۳/بیویاں
✓ ○ حضرت یعقوب علیہ السلام ۴/بیویاں
✓ ○ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۴/بیویاں
✓ ○ حضرت داؤد علیہ السلام ۹/سے بھی زائد
✓ ○ حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے بہت زائد بروایت تورات ایک ہزار سے بھی زائد

سوال: کیا ہندوؤں کے بڑے بزرگوں نے بھی ایک سے زائد بیویاں رکھی ہیں؟

جواب: رکھی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

✓ ○ رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرتھ ۳/بیویاں
✓ ○ کرشن جی جو بہت بڑے اوتار ہیں عام شہرت کے مطابق سینکڑوں بیویاں
✓ ○ راجا پانڈو ۲/بیویاں
✓ ○ راجا شنتن ۲/بیویاں
✓ ○ بچیتر انج ۲/بیویاں ا/لونڈی
✓ ○ لالہ لجپت رائے آنجہانی ۸/ (رحمۃ للعالمین ج:۲ ص:۱۰۸تا۱۱۲)

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے پہلے
نبی کون تھے؟

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماں کے دل میں ایسی محبت کس نے رکھی......؟

اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں ایسی محبت رکھی کہ وہ بچہ کے لئے اپنے آپ کو نثار کردیتی ہے، قربان کردیتی ہے، یہ کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس میں اس محبت کو رکھا ہے، فرماتا ہے، ہم نے محبت رکھی ہے، تاکہ نظام چل سکے۔ اگر ماں کے دل میں یہ محبت نہ ہوتی تو کون عورت تھی، جو کسی کے بچے کے لئے یہ قربانی دیتی؟ کہاں سے یہ محبت آئی، یہ اللہ نے رکھی، اللہ نے سارے انتظامات کیئے، ساری سہولتیں انسان کو دیں۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۱۶/ دسمبر ۲۰۰۱ء کو دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں عید الفطر کے موقع پر کی تھی۔)

◆◆◆

سب سے پہلے نبی کون تھے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پچیس انبیاء کرام علیہم السلام کا نام کے ساتھ ذکر کیا ہے اوران سب انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت پر یقین واعتقاد لازم ہے یعنی کہ ایک مسلمان کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ قرآن کریم میں مذکوران انبیاء کرام علیہم السلام اوران کی نبوت کے بارے میں لاعلم ہواور قرآن کریم میں مذکورانبیاء کرام علیہم السلام کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت ادریس علیہ السلام (۳) حضرت نوح علیہ السلام
(۴) حضرت ہود علیہ السلام (۵) حضرت صالح علیہ السلام (۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام
(۷) حضرت لوط علیہ السلام (۸) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام (۹) حضرت اسحٰق علیہ السلام
(۱۰) حضرت یعقوب علیہ السلام (۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام (۱۲) حضرت شعیب علیہ السلام
(۱۳) حضرت ایوب علیہ السلام (۱۴) حضرت ذوالکفل علیہ السلام (۱۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام
(۱۶) حضرت ہارون علیہ السلام (۱۷) حضرت داؤد علیہ السلام (۱۸) حضرت سلیمان علیہ السلام
(۱۹) حضرت الیاس علیہ السلام (۲۰) حضرت الیسع علیہ السلام (۲۱) حضرت یونس علیہ السلام
(۲۲) حضرت زکریا علیہ السلام (۲۳) حضرت یحییٰ علیہ السلام (۲۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام
(۲۵) حضرت **محمد مصطفی** صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن کریم کی رُو سے تو ثابت ہوگیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے اور سنت نبوی میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے دریافت فرمایا: یا رسول اللہ! سب سے پہلے نبی کون تھے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام“

حضرت ابوذرؓ نے کہا: یارسول اللہ کیا وہ نبی تھے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں وہ نبی مکلَّم تھے“ (یعنی جن کو اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے

کا شرف حاصل تھا)

ابوذر غفاریؓ نے کہا: یارسول اللہ پیغمبر کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین سو تیرہ کا جم غفیر''

حضرت ابن حبانؒ نے حضرت ابوذرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

یارسول اللہ! انبیاء کرام کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک لاکھ بیس ہزار''

حضرت ابوذرؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! ان میں رسول کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین سو تیرہ کا جم غفیر''

تو حضرت ابوذرؓ نے کہا: یارسول اللہ! ان میں سب سے پہلے نبی کون ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام''

تو حضرت ابوذرؓ نے کہا: یارسول اللہ! کیا وہ نبی مُرسل تھے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر ان میں اپنی روح پھونکی اور ان سے کلام کیا۔'' (موارد الظمآن ص: 94)

میرے دل میں تری تعلیم سے اے سرورِ عالم نئے انوار ہیں ظاہر نئے انداز ہیں پیدا
دماغ بستہ و مفلوج کی گرہیں کھلیں اس سے نئے رستے ہوئے ظاہر، نئی دانش، نیا معنی

کیا کہیے کیا مرتبۂ شاہِ امم ہے طاقت نہ زباں میں ہے نہ الفاظ میں دم ہے
کیا نام محمد کو بھلائے گا زمانہ یہ نام تو انسان کی عظمت کا بھرم ہے

نہ ہو تعظیم جس کے دل میں سرکارِ مدینہ کی
عبادت لاکھ وہ کرلے مسلماں ہو نہیں سکتا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت آدم

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتصادی اور مادی تقاضوں کی فکر کے ساتھ شریعت کی حفاظت کی فکر بھی ضروری......

مسلمانوں کا اسلامی تشخص اور ان کی اسلامی شریعت پر عمل یہ ان کی ایسی ضرورت ہے کہ اگر اس میں رکاوٹ پڑتی ہے، تو مسلمانوں کا بحیثیت مسلمان وجود باقی نہ رہ سکے گا، اور مسلمانوں کے لئے مسلمان کا عنوان ایک لفظِ غلط بن کر رہ جائے گا، اس لئے ہم جس طرح اپنی اقتصادی ضرورتوں اور اپنے مادی تقاضوں کی فکر کرتے ہیں، ہم کو اپنی شریعت کی حفاظت اور اس پر عمل کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی فکر کا فریضہ بھی انجام دینا ضروری ہے۔ اس کے لئے بورڈ کی طرف سے جو جد و جہد ہو رہی ہے، ہم کو اس کے ساتھ پورا تعاون کرنا ہوگا۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے خطبۂ افتتاحیہ سے ایک اقتباس جو ۲۱ / جون ۲۰۰۲ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سولہویں اجلاس کے موقع پر حیدر آباد میں پڑھا گیا۔)

(۱) حضرت آدم علیہ السلام

سوال: دنیا میں انبیاء کی آمد کا سلسلہ کب سے شروع ہوا؟

جواب: یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔

سوال: حضرت آدمؑ کے دنیا میں آنے سے پہلے کیا دنیا تھی؟ اگر تھی تو اس میں کون تھے؟

جواب: سیدنا حضرت آدم علیہ السلام موجودہ زمین کے سب سے پہلے انسان ہیں اور پہلے نبی اور رسول ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اس بارے میں ساکت ہیں کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے اس زمین پر اور بھی کوئی مخلوق آباد تھی یا نہیں۔ اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جنّات کی پیدائش ہو چکی تھی اور فرشتے ان سے پہلے وجود میں آ چکے تھے لیکن وضاحت نہیں ملتی کہ موجودہ زمین ان مخلوقات کا مسکن رہی ہو۔

سوال: اسلام کے مطابق دنیا میں سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام آئے۔ لیکن سائنس کے مطابق دنیا میں سب سے پہلے بندر آئے اور بندروں میں تبدیلی ہو کر بعد میں انسان بنے صحیح کیا ہے؟

جواب: قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ غیر مشکوک اور غیر مبہم الفاظ میں کئی مقامات پر ہمیں بتایا ہے کہ انسانیت کا آغاز خالص انسانیت سے ہی ہوا ہے، انسان کی تاریخ کسی غیر انسانی وجود سے قطعاً کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔ حضرت آدم علیہ السلام موجودہ زمین کے سب سے پہلے انسان اور پہلے نبی و رسول ہیں۔

سوال: جنّات حضرت آدمؑ کی پیدائش سے کتنے سال پہلے دنیا میں آباد تھے؟

جواب: حضرت آدمؑ کی پیدائش سے 2000 سال پہلے دنیا میں جنّات آباد تھے، جب انہوں نے ناحق قتل و غارت گری شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا جنہوں نے جنّات کو

تہ و بالا کر کے پہاڑوں میں پھینک دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج: 1 ص: 71)

سوال: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جن چار چیزوں میں شرف بخشا وہ کون کون سی ہیں؟

جواب: وہ چار چیزیں یہ ہیں (1) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا (2) حضرت آدمؑ میں اپنی روح پھونکی (3) فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو (4) حضرت آدمؑ کو جملہ اشیاء کے ناموں کی تفصیل سے مطلع فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ ج: 1 ص: 72)

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا مٹی کا پتلہ بنادیا تو پتلۂ خاک کتنے سال تک رہا یعنی اس پتلۂ آدم میں کتنے سال بعد روح ڈالی گئی؟

جواب: 40 سال تک یہ پتلہ جسد خاک رہا، ملائکہ جب اس پتلہ کے پاس سے گذرتے تھے تو ڈرتے تھے اور ان میں سب سے زیادہ ابلیس گھبراتا تھا۔ (چونکہ یہ پتلۂ خاک اندر سے کھوکھلہ تھا اور یہ اتنا سوکھ گیا تھا کہ جب اس میں چٹکی مارتے تو خوب گونج دار آواز پیدا ہوتی تھی)۔

(البدایہ والنہایہ ج: 1 ص: 86)

سوال: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے کیسے پیدا کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا، اور ان کا خمیر تیار ہونے سے قبل ہی اس نے فرشتوں کو یہ اطلاع دی کہ عنقریب وہ مٹی سے ایک مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے جو بشر کہلائے گی، اور زمین میں ہماری خلافت کا شرف حاصل کرے گی۔ آدمؑ کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا اور ایسی مٹی سے گوندھا گیا جو ہر نئی تبدیلی قبول کر لینے والی تھی، جب یہ مٹی پختہ ٹھکری کی طرح آواز دینے اور کھنکھنانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس جسدِ خاکی میں روح پھونکی اور وہ یک بیک گوشت پوست، ہڈی، پٹھے کا زندہ انسان بن گیا اور ارادہ، شعور، حس، عقل اور وجدانی جذبات و کیفیات کا حامل نظر آنے لگا۔

سوال: حضرت آدمؑ کی یوم پیدائش کیا ہے؟

جواب: صحیح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ سورج طلوع ہونے والے دنوں میں سب سے بہتر

دن جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدمؑ پیدا ہوئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی۔

(حیاتِ آدمؑ ماخوذ از مسند احمد و ابن کثیر ج: 1 ص: 127)

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسی دن حضرت آدمؑ کی وفات ہوئی۔

(طبقات ابن سعد ج: 1 ص: 8 بحوالہ حیاتِ آدمؑ)

سوال: حضرت آدمؑ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

جواب: یہ بات واضح ہے کہ حضرت آدمؑ کا وجود گرامی ماقبل تاریخ کا واقعہ ہے۔ اس لئے تاریخ کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ تحقیق جدید کی بنیاد پر قیاس وتخمین سے کام لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ طبقات الارض کے ماہرین نے اپنے علم واندازے سے چند ایک قیاس قائم کئے ہیں۔ ان پر نہ کوئی قطعی رائے قائم کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی قابل لحاظ ترجیح دی جا سکتی ہے۔ علامہ سبکیؒ نے یوم جمعہ تخلیقِ آدم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث مسلم بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ (الحدیث) جمعہ کے دن آدمؑ پیدا کئے گئے۔

البتہ اس بارے میں کہ زمین وآسمان کی تخلیق کے کتنے عرصے بعد حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی؟ قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ بالکل ساکت ہیں۔ اور صحیح فیصلہ یہی ہے کہ جس بات کو اللہ ورسول نے مخفی رکھا ہے اس کے ہم بھی درپے نہ ہوں۔ یہی علم ودانش اور دین ودیانت کا تقاضہ بھی ہے۔

سوال: حضرت حواءؑ کی پیدائش کس طرح ہوئی؟

جواب: قرآن عزیز میں اس کے متعلق صرف اسی قدر مذکور ہے: ”وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا“ (اور اس (نفس) سے اس جوڑے کو پیدا کیا) یہ تعلیم قرآنی حواءؑ کی پیدائش کی حقیقت کی تفصیل نہیں بتاتی، اس لئے دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔

اول یہ کہ حواء حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئی ہوں جیسا کہ مشہور ہے اور بائبل میں بھی اسی طرح مذکور ہے، کہا جاتا ہے کہ آدمؑ جنت میں سو رہے تھے۔ بیدار ہوئے تو پہلو میں حواء کو بیٹھا

دیکھا، فطرت خود بخود مائل ہوگئی اور دونوں میں اُنس پیدا ہوگیا۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو اس طرح پیدا کیا کہ مرد کے ساتھ اسی کی جنس سے ایک دوسری مخلوق بھی بنائی جس کو عورت کہا جاتا ہے اور جو مرد کی رفیقۂ حیات بنتی ہے۔

ایک تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حواء کو جنسِ آدمؑ سے پیدا کیا گیا یعنی اُس بقیہ مٹی سے جس کے ذریعہ حضرت آدمؑ کا جسم بنایا گیا۔ واللہ اعلم۔

سوال: آدم وحواء عربی نام ہیں یا عجمی؟ اور یہ نام کسی مناسبت سے رکھے گئے ہیں یا صرف نام ہی کی حیثیت میں ہیں؟

جواب: آدم اور حواء کا لفظ دراصل اُس لغت سے متعلق ہے جو دنیا کی معدوم لغات میں شمار کی جاتی ہیں۔ اس لئے اس کے حقیقی لغوی معنیٰ متعین کرنا دشوار ہے۔ تاہم پہلے سوال کے متعلق مشہور محدث حافظ ابن حجر مکیؒ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ "سریانی" نام ہے اور بائبل میں الف کے مد اور دال کے طول کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی آدام اور علامہ جوہریؒ اور جوالیقیؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ عربی نام ہیں اور دوسرے سوال کے متعلق ثعلبی کا قول ہے کہ عبرانی زبان میں آدم مٹی کو کہتے ہیں چونکہ ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی، اس لئے آدم یا آدام نام رکھا گیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اُدمۃ سے ماخوذ ہے۔ اس لئے کہ وہ "ادیم الارض" یعنی صفحۂ زمین سے پیدا کئے گئے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اُدَمَت بمعنیٰ خلطت سے ماخوذ ہے اور چونکہ ان کا خمیر پانی اور مٹی کو ملا کر اور خلط ملط کر کے بنایا گیا ہے اس لئے اس مناسبت سے ان کو آدم کہا گیا۔

اسی طرح حواء اس لئے نام پڑا کہ وہ ہر "انسانِ حیّ" (زندہ انسان) کی ماں ہیں اور مبالغہ کا صیغہ بنا کر ان کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ (فتح الباری ج:6 کتاب حدیث الانبیاء)

بہر حال نام اور معنیٰ میں مناسبت کا یہ سوال نکتہ اور لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے بیان کردہ تمام وجوہ بیک وقت بھی صحیح ہوسکتی ہیں اور کسی ایک وجہ کو دوسری پر ترجیح بھی دی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ باب بہت وسیع ہے۔

سوال: حضرت آدمؑ جنت میں کتنے سال رہے؟

جواب: امام اوزاعیؒ نے حضرت حسان بن عطیہؓ سے نقل کیا ہے کہ (1) حضرت آدمؑ جنت میں 100 سال تک مقیم رہے (2) اور ایک دوسری روایت میں 70 سال کا تذکرہ ہے (3) عبد بن حمید نے حضرت حسن کے طریق سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدمؑ جنت میں 130 سال رہے۔ (حیاتِ آدمؑ وابنِ کثیر عربی ج: 1 ص: 126)

سوال: کیا حضرت آدمؑ نبی اور رسول ہیں؟

جواب: شریعتِ اسلامی میں ''نبی'' اُس ہستی کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے چُن لیا ہو اور وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتی ہو اور ''رسول'' اس نبی کو کہا جاتا ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے نئی شریعت اور نئی کتاب بھیجی گئی ہو، چونکہ حضرت آدمؑ دنیائے انسانی کے باپ ہیں تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ جس طرح اپنی نسل کی دنیوی سعادت وفلاح کے لئے راہنما اور ہادی تھے اسی طرح اُخروی سعادت وفلاح کے لئے پیغمبر تھے یا نہیں؟ اس کا جواب ایک ہی ہوسکتا ہے کہ وہ بلاشبہ خدا کے سچے پیغمبر اور نبی برحق تھے اور اس مسئلہ میں امت میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں اور اسی لئے کبھی یہ مسئلہ موضوعِ بحث نہیں بنا۔ مگر اس مسئلہ میں اُس وقت سے اہمیت پیدا ہوئی جبکہ مصر کے قریہ ''دمنہور'' کے ایک شخص نے حضرت آدمؑ کی نبوت کا انکار کیا اور اپنے دعوے کی دلیل میں یہ پیش کیا کہ قرآن کریم میں کسی مقام پر حضرت آدمؑ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح ''نبی'' نہیں کہا گیا۔

اس شخص کا یہ کہنا کہ قرآن کریم نے حضرت آدمؑ کو کسی جگہ لفظِ ''نبی'' سے مخاطب نہیں کیا لفظی اعتبار سے اگرچہ صحیح ہے لیکن حقیقتِ نبوت کے اعتبار سے بالکل غلط ہے اس لئے کہ نبوت کے جو معنیٰ اسلامی اصطلاح میں بیان کئے گئے ہیں بغیر کسی تاویل کے اس کا اطلاق حضرت آدم علیہ السلام پر نظمِ قرآنی میں بہت سے مقامات میں موجود ہے، جگہ جگہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے حضرت آدمؑ سے ہم کلام ہوتا رہا ہے اور اس تمام مخاطبت اور بات چیت میں امر

ونہی اور حلال وحرام کے احکام دیتا رہا ہے اور ان احکام کے لئے آدمؑ کے پاس کسی کو نبی ورسول بنا کر نہیں بھیجا بلکہ براہِ راست انہیں سے خطاب فرمایا گیا، پس جبکہ نبوت کی حقیقت بھی یہی ہے تو حضرت آدمؑ کی نبوت کا انکار قطعاً باطل اور بے معنیٰ ہے، نیز ان کے رسول ہونے نہ ہونے کی بحث بھی کچھ زیادہ اہم نہیں ہے اس لئے کہ جب وہ پہلے انسان ہیں تو انسانی آبادی کے لئے خدا کی وحی کے ذریعہ جو پیغامات بھی انہوں نے سنائے وہی ان کی شریعت سمجھی جائے گی اور اس لئے وہ رسول بھی ہیں، بہر حال ان کی نبوت پر یقین رکھنے اور قلب میں اطمینان پیدا کرنے کے لئے نظمِ قرآنی کی وہ تمام آیات کافی وشافی دلیل ہیں جو حضرت آدمؑ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان براہِ راست گفتگو اور مکالمت ومخاطبت کی شکل میں نظر آتی ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے ”میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کیا آدمؑ نبی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں وہ نبی تھے اور رسول بھی، انھیں اللہ رب العٰلمین سے شرفِ تخاطب وتکلم حاصل ہوا ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ عَنْ اَبِیْ ذَرٌّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ آدَمَ اَنَبِیًّا کَانَ قَالَ نَعَمْ نَبِیًّا رَسُوْلًا یُکَلِّمُ اللّٰہُ مِنْہُ۔

(تفسیر ابن کثیر ج:1 ص:34 قدیم)

سوال: قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں سب سے پہلا تذکرہ کس نبی کا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں سب سے پہلا تذکرہ ابوالبشر حضرت آدمؑ کا ہے۔

سوال: حضرت آدمؑ کو ابوالبشر کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: حضرت آدمؑ روئے زمین کے پہلے بشر ہیں اس لئے انھیں ابوالبشر کہا جاتا ہے۔ البتہ طبقات الارض کے بعض ماہرین نے ثابت کیا ہے کہ موجودہ انسانی دنیا سے پہلے بھی اس زمین پر ایک انسان جیسی مخلوق کا وجود رہا ہے جس کا زمانہ حضرت آدمؑ سے تیس ہزار سال پہلے کا ہے۔ اس مخلوق کا نام ”تیاندرتال“ بتایا جاتا ہے۔ جو چھ کروڑ نفوس پر مشتمل تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پوری آبادی کسی جرم کی پاداش میں ہلاک وضائع کردی گئی۔ اس تحقیق کی بنیاد آثار قدیمہ کی“

ہڈیاں ہیں جو زمین کی کھدائی میں ظاہر ہوئی ہیں جو اپنی قد وقامت، شکل وصورت میں موجودہ انسانی اعضاء سے بہت حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔

لیکن قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں فرمائی۔ تذکرہ سیدنا حضرت آدمؑ کے سلسلے میں جس قدر بھی آیات موجود ہیں اُن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ اس زمین کے پہلے بشر ہیں۔ انسانیت کا آغاز انہی سے ہوا۔ یہی زمین کے پہلے انسان اور نبی ہیں۔ نسلِ انسانی حضرت آدمؑ ہی سے شروع ہوئی۔ یہی اسلامی عقیدہ ہے اور ہمارے علم ویقین کے لئے صرف اس قدر کافی ہے جو ہم کو قرآن جیسے علم یقین اور وحیٔ الٰہی کے بعد حاصل ہوا ہے۔ علم ویقین کے لئے یہ دو ماخذ کافی ہیں۔

سوال: حضرت آدمؑ جنت سے کیا کیا چیزیں ساتھ لائے تھے؟

جواب: حضرت آدمؑ جنت سے نو چیزیں ساتھ لائے تھے (1) حَجرِ اسود جو برف کی سِل سے بھی زیادہ چمکدار اور سفید تھا (2) جنتی درختوں کی پتیاں یا پھولوں کی پنکھڑیاں (3) وہ لاٹھی جو جنت کے درخت آس کی تھی (4) بیلچہ (5) کدال (6) کندر یا صنوبر (7) اہران "سندان" (8) ہتھوڑا (9) سنڈاسی۔ (حیات آدمؑ ماخوذ از طبقات ابن سعد)

سوال: حضرت آدمؑ نے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے کونسا پھل کھایا؟

جواب: حضرت آدمؑ نے پھلوں میں سے سب سے پہلے "بیر" تناول فرمایا۔

(نشر الطیب ص: 191)

سوال: حضرت آدمؑ نے جس درخت کا پھل کھایا تھا، یہ کونسا درخت تھا؟

جواب: اس درخت کے متعلق مفسرین کے چند اقوال ہیں (1) بعض نے کہا انگور کا درخت تھا (2) بعض نے کہا گیہوں کا درخت تھا (3) بعض نے کہا ہے کہ کھجور کا درخت تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج: 1 ص: 74)

سوال: جنت میں حضرت آدمؑ کے سَتر پر کونسا لباس تھا؟

جواب : حضرت وہب بن مُنبّہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ وحواؑ کے ستر پر نور کا لباس پڑا ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج:1 ص:80)

سوال: حضرت آدمؑ نے حضرت حواؑ کو مہر میں کیا عنایت فرمایا تھا؟

جواب : ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب ''سلوۃ الاحزان'' میں ذکر فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ نے حضرت حواؑ سے قربت کرنی چاہی تو انہوں نے مہر طلب کیا، حضرت آدمؑ نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میں ان کو مہر میں کیا چیز عطا کروں، ارشاد ہوا کہ آدم میرے محبوب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیس دفعہ درود بھیجو۔ چنانچہ آپؑ نے ایسا ہی کیا۔ (نشر الطیب ص:11)

سوال: حضرت حواؑ کی وفات حضرت آدمؑ کی وفات کے کتنے سال بعد ہوئی؟

جواب: حضرت حواؑ حضرت آدمؑ کی وفات کے بعد صرف ایک سال زندہ رہیں۔

(الکامل فی التاریخ ج:1 ص:52)

سوال: قرآن پاک میں حضرت آدمؑ کا ذکر کتنی بار آیا ہے؟

جواب: 25/بار۔

سوال: ابوالبشر اور صفی اللہ کس پیغمبر کو کہا گیا ہے؟

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کو۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام نے کتنی عمر پائی؟

جواب: 936 برس اور دوسرا قول 940 کا ہے۔

(حیات آدمؑ ماخوذ از ابن کثیر وحیاۃ الحیوان ص:426)

سوال: وفات کے وقت آپؑ کی اولاد کی تعداد کتنی تھی؟

جواب : آپؑ کی اولاد کی تعداد چالیس ہزار (40000) تھی جن میں پوتے پڑپوتے سب شامل ہیں۔ (حیات آدمؑ ماخوذ از ابن کثیر ص:96)

سوال: حضرت آدمؑ مرض الوفات میں کتنے دن مبتلا رہے؟

جواب: حضرت آدمؑ گیارہ دن بیمار رہ کر اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

(تاریخ طبری ج:1 ص107)

سوال: حضرت آدمؑ کی وفات کس مقام پر ہوئی؟

جواب: سری لنکا میں واقع نوذ نامی پہاڑ پر ہوئی۔ (حیات آدمؑ ص: 67)

سوال: حضرت آدمؑ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی اور کتنی تکبیریں کہی تھیں؟

جواب: حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی وفات ہونے پر فرشتے تشریف لائے جنہوں نے غسل دیا اور حنوط خوشبو ملی۔ ایک فرشتہ آگے بڑھا آپ کی اولاد اور باقی فرشتے پیچھے کھڑے ہوئے اور نماز جنازہ ہوئی، پھر فرشتوں نے بغلی قبر کھود کر دفنا دیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت شیثؑ سے فرمایا کہ تم نماز جنازہ پڑھاؤ۔ چنانچہ حضرت شیثؑ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت آدمؑ کی نماز جنازہ میں کہی جانے والی تکبیروں کی تعداد تیس (30) ہے جو صرف آپؑ کے اعزاز و اجلال میں کہی گئیں۔

(طبقات ابن سعد ج:1 ص:15 بحوالہ حیات آدمؑ ص: 75)

سوال: حضرت حواؑ کے بطن سے کتنے بچے پیدا ہوئے؟

جواب: ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ حضرت حواؑ کے بطن سے چالیس (40) بچے پیدا ہوئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایک سو بیس (120) بچے پیدا ہوئے۔ (حیات آدم ص:61)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی ایسے پیغمبر کا نام بتائیے جس کا کوئی باپ نہ تھا؟

جواب: حضرت آدمؑ۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کی زبان کیا تھی؟

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کی زبان سریانی تھی علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سریانی زبان میں گفتگو کرتے تھے اور ایسے ہی ان کی اولاد وانبیاء میں سے سوائے حضرت ابراہیمؑ کے ان کو اللہ تعالیٰ نے عبرانی زبان سکھلائی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان

جنت میں عربی تھی۔ جب زمین پر اترے تو اللہ نے سریانی زبان میں تبدیل کر دی تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھلائی تھیں۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ تھا؟

جواب: مؤرخین کی تحقیق کے مطابق یہ مدت 2242 سال تھی۔

سوال: کیا حضرت آدم علیہ السلام کا قد 60 ہاتھ یعنی 90 فیٹ تھا؟

جواب: صاحب حیاۃ الحیوان کے بیان کے مطابق حضرت آدمؑ کا قد 60 ہاتھ واقعی میں تھا۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آنے سے پہلے کونسی جنت میں قیام پذیر رہے؟

جواب: اس سلسلہ میں دو قول ہیں (1) ایک یہ کہ جنتِ عدن میں رہے (2) دوسرا یہ کہ جنتِ خلد میں قیام پذیر رہے۔ (زاد المسیر ج:1 ص:57)

سوال: جب اللہ نے حضرت آدمؑ کو "اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعاً" فرمایا کہ تم سب جنت سے اتر جاؤ تو اس اترنے کا حکم آدمؑ کے ساتھ اور کس کس کو ہوا تھا اور کون کہاں اترا؟

جواب: یہ حکم حضرت آدمؑ کے ساتھ حضرت حوا علیہا السلام، ابلیس اور سانپ کو بھی تھا اور ان کے اترنے کی جگہ میں اختلاف ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو ہندوستان میں اتارا گیا، حضرت حوا علیہا السلام کو جدّہ میں، ابلیس کو دیستمان میں جو بصرہ سے چند میل فاصلہ پر ہے۔ اور سانپ کو اصبہان میں اتارا گیا، اور حضرت سُدّی جو جلیل القدر مفسر ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو ہندوستان میں اتارا گیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو صفا پر، حضرت حوا علیہا السلام کو مروہ پر اتارا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ص: 126) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے ایک پہاڑ پر جس کا نام "نوذ" تھا حضرت آدمؑ کو اتارا گیا اور حضرت حوا علیہا السلام کو جدّہ میں اتارا گیا۔ (حیاتِ آدم)

سوال: وہ چیزیں جو حضرت آدمؑ سے جاری ہوئیں کون کونسی ہیں؟

جواب: ☐ سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے منہ سے جو کلام نکلا وہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ“ تھا۔ (بغیۃ الظمأن)

☐ سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے اپنا سر مونڈا۔ (بغیۃ الظمأن)

☐ سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے مرغ پرندہ پالا۔ چونکہ جب مرغ آسمان سے فرشتوں سے تسبیح کی آواز سنتا ہے تو تسبیح پڑھتا ہے، مرغ کے تسبیح پڑھنے سے حضرت آدمؑ بھی تسبیح پڑھنے لگتے تھے۔ (بغیۃ الظمأن ص:35)

سوال: حضرت آدمؑ کے واقعہ میں بے شمار پند ونصائح اور مسائل موجود ہیں، چند اہم عبرتوں کو بیان کیجئے؟

جواب: یوں تو حضرت آدمؑ کے واقعہ میں بے شمار پند ونصائح اور مسائل کا ذخیرہ موجود ہے اور ان کا احاطہ اس مقام پر ناممکن ہے تاہم دو اہم عبرتوں کی جانب اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

☐ خطا کار ہونے کے باوجود اگر انسان کا دل ندامت وتوبہ کی طرف مائل ہو تو اُس کے لئے بابِ رحمت بند نہیں ہے اور اُس درگاہ تک رسائی میں ناامیدی کی تاریک گھاٹی نہیں پڑتی البتہ خلوص اور صداقت شرط ہے۔ اور جس طرح حضرت آدمؑ کے نسیان ولغزش کا عفو اسی دامن سے وابستہ ہے، اسی طرح اُن کی تمام نسل کے لئے بھی عفو ورحمتِ عالم کا دامن وسیع ہے۔

☐ بارگاہِ الٰہی میں گستاخی یا بغاوت بڑی سے بڑی نیکی اور بھلائی کو بھی تباہ کر دیتی ہے اور ابدی ذلت وخسران کا باعث بن جاتی ہے، ابلیس کا واقعہ عبرتناک واقعہ ہے اور اس کی ہزاروں سال کی عبادت گذاری کا جو حشر بارگاہِ الٰہی میں گستاخی اور بغاوت کی وجہ سے ہوا وہ بلاشبہ سرمایۂ صد ہزار عبرت ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ (پس عبرت حاصل کرو اے چشمِ عبرت رکھنے والو!)

* * *

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراج مسلمانی

اللہ تعالیٰ کی محبت اور مخلوق کی

محبت کا موازنہ

◆ اللہ تعالیٰ کی محبت بڑی نعمت ہے۔ اس سے دل میں ایک نور آتا ہے جب کے مخلوق کی محبت سے دل میں ظلمت آتی ہے۔

◆ اللہ کی محبت سے دلوں میں تازگی آتی ہے، چہروں پہ تازگی آتی ہے اور مخلوق کی محبت سے چہروں پہ ویرانی آتی ہے۔ دیکھا کریں جو مخلوق کی محبت میں پھنس جاتے ہیں ان کے چہروں پہ بالکل خزاں نظر آتی ہے۔ اجڑے چہرے، بے آباد چہرے۔

◆ اللہ کی محبت سے چہروں پہ سکون نظر آتا ہے اور مخلوق کی محبت کی وجہ سے چہروں پہ بے سکونی نظر آتی ہے۔

◆ اللہ کی محبت کی وجہ سے انسان کو نیک نامی ملتی ہے اور مخلوق کی محبت سے انسان کو بدنامی ملتی ہے۔

◆ جو اللہ کی محبت میں ڈوب کے نکلے گا اس کے پاؤں پہ لوگ اپنی پگڑیاں رکھیں گے۔ اور جو مخلوق کی محبت میں ڈوب کے نکلے گا اس کے سر پہ لوگ اپنے جوتے ماریں گے۔ تو اللہ کی محبت کا انجام ہمیشہ اچھا اور مخلوق کی محبت کا انجام ہمیشہ برا۔

(ازافادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم۔ انمول حدیث ص:۹۳)

❄❄❄❄❄

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ادریس

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عام طور پر لوگ ادب کو ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں......

عام طور پر لوگ ادب کو ایک معمولی چیز اور تفریح طبع کا سامان سمجھتے ہیں، اس کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو اس کو حاصل ہے، ادب نے تاریخ پر بڑا اثر ڈالا ہے، اور بعض وقت اس کے اثر سے انقلاب آئے ہیں، ادب اپنا اثر بہت خاموشی کے ساتھ ڈالتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ معاشرہ کے اخلاق اور طور و طریق کی تشکیل میں ادب کا نمایاں حصہ ہوتا ہے، اور بار بار ایسا ہوا ہے، یہ کوئی وقتی بات نہیں، بلکہ دانش ور اور اہل قلم جو تحریر کرتے ہیں، وہ اپنے اپنے زمانہ میں ان تحریروں کے ذریعہ اپنے معاشرہ کی تشکیل کرتے رہتے ہیں، حالات کی مطابقت سے تحریریں دنیا میں آئی ہیں، پھر حالات میں ان کے اثر سے تبدیلی آئی ہے۔ پھر دوسری تحریریں آتی ہیں، ہر ایک کا ایک دور ہوتا ہے۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے رابطۂ ادب اسلامی کے اٹھارویں سیمینار منعقدہ ۹ر۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام

سوال : حضرت ادریسؑ کا اصل نام کیا ہے اور ان کو ادریس کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب : اصل نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب ہے یا عربی زبان میں ادریس اور عبرانی یا سریانی میں اخنوخ ہے اور ادریس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انھوں نے سب سے پہلے درسِ کتاب دیا۔

(صاوی ج:3 ص:41)

سوال: حضرت ادریسؑ کا نسب نامہ کیا ہے؟

جواب: حضرت ادریسؑ کے نسب نامہ کے متعلق مؤرخین کو سخت اختلاف ہے اس لئے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی ہے وہ اسرائیلی روایات ہے اور وہ بھی تضاد و اختلاف سے معمور، ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ حضرت نوحؑ کے جدِّ امجد ہیں اور ان کا نسب نامہ یہ ہے۔

خنوخ یا اخنوخ (ادریس) بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدمؑ۔

ابن اسحاقؒ کا رجحان اسی جانب ہے اور دوسری جماعت کا خیال ہے کہ وہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں اور الیاس و ادریس ایک ہی ہستی کے نام اور لقب ہیں اور ان دونوں روایات کے پیش نظر بعض علماء نے یہ تطبیق دینے کی سعی کی ہے کہ جدِّ نوح علیہ السلام کا نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب اور بنی اسرائیل کے پیغمبر کا نام ادریس ہے اور الیاس لقب، مگر یہ رائے بے سند اور بے دلیل ہے، بلکہ قرآن عزیز کا الیاس اور ادریس کو جدا جدا بیان کرنا شاید اس کو متحمل نہ ہو سکے۔

(حضرت ادریسؑ سے متعلق مزید اختلافی بحث کے لئے فتح الباری ج:6 ص:288 اور البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص:36۔ 37 قابل مطالعہ ہیں)

سوال: قرآن عزیز میں حضرت ادریسؑ کا ذکر کتنی مرتبہ آیا ہے؟

جواب: قرآن عزیز میں حضرت ادریسؑ کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے، سورۂ مریم اور سورۂ انبیاء میں ۲

سوال: حضرت ادریسؑ سے جاری ہونے والی چیزیں کون کونسی ہیں؟

جواب: ○ سب سے پہلے قلم سے حضرت ادریسؑ نے لکھا۔ (صاوی ص: 41)

○ سب سے پہلے علم نجوم کو جاننے والے حضرت ادریسؑ ہیں۔ (جلالین ص: 503)

○ تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت ادریسؑ کپڑا سینے والے (درزی، ٹیلر) تھے اور ادریسؑ نے سب سے پہلے سلا ہوا کپڑا پہنا اس سے پہلے لوگ کھال پہنتے تھے۔ (تفسیر خازن ص: 238)

○ سب سے پہلے ہتھیار بنا کر دشمنوں سے حضرت ادریسؑ لڑے۔ (خازن ص: 238)

○ سب سے پہلے روئی کا کپڑا حضرت ادریسؑ نے پہنا۔ (محاضرہ ص: 27 بحوالہ بغیۃ الظمآن)

○ سب سے پہلے اولاد آدمؑ میں نبوت حضرت ادریسؑ کو ملی۔

(محاضرہ ص: 23 بحوالہ بغیۃ الظمآن)

سوال: حضرت ادریسؑ کا مولد و منشاء (جائے ولادت و پرورش) کہاں ہے؟ اور انہوں نے نبوت سے پہلے کس سے علم حاصل کیا؟ اور فلاسفہ کے اقوال ان مسائل میں کیا ہیں؟

جواب: ایک فرقہ کی رائے ہے کہ ان کا نام ہرمس الہرامسہ ہے اور مصر کے قریہ منف میں پیدا ہوئے، یونانی ہرمس کو ارمیس کہتے ہیں، ارمیس کے معنی عطارد ہیں۔ اور دوسری جماعت کا خیال ہے کہ ان کا نام یونانی میں طرمیس، عبرانی میں خنوخ اور عربی میں اخنوخ ہے، اور قرآن عزیز میں ان کو اللہ تعالیٰ نے ادریس کہا ہے، یہی جماعت کہتی ہے کہ ان کے استاد کا نام غوثا ذیمون یا اغوثا ذیمون (مصری) ہے، وہ غوثا ذیمون کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتاتے کہ وہ یونان یا مصر کے انبیاء میں سے ایک نبی ہیں، اور یہ جماعت ان کو ادرین دوم اور حضرت ادریسؑ کو ادرین سوم کا لقب دیتی ہے اور اغوثا ذیمون کے معنی ''سعد اور بہت نیک بخت'' ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہرمس نے مصر سے نکل کر اقطاعِ عالم کی سیر کی اور تمام دنیا کو چھان ڈالا اور جب مصر واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو 82 سال کی عمر میں اپنی جانب اٹھا لیا۔ ایک تیسری جماعت یہ کہتی ہے کہ ادریس بابل میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی، اور اوائل عمر میں انہوں نے حضرت شیث بن آدمؑ سے علم حاصل کیا، علم کلام کے مشہور عالم علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ

اغوثاذیمون حضرت شیثؑ ہی کا نام ہے۔ بہر حال جب حضرت ادریسؑ سن شعور کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا، تب انہوں نے شریر اور مفسدوں کو راہ ہدایت کی تبلیغ شروع کی مگر مفسدوں نے انکی ایک نہ سنی اور حضرت آدمؑ وشیثؑ کی شریعت کے مخالف ہی رہے البتہ ایک چھوٹی سی جماعت ضرور مشرف باسلام ہوگئی۔ حضرت ادریسؑ نے جب یہ رنگ دیکھا تو وہاں سے ہجرت کا ارادہ کیا اور اپنے پیروؤں کو بھی ہجرت کی تلقین فرمائی، پیروان ادریسؑ نے جب یہ سنا تو ان کو ترک وطن بہت شاق گزرا اور کہنے لگے کہ بابل جیسا وطن ہم کو کہاں نصیب ہوسکتا ہے (بابَل کے معنی نہَر کے ہیں اور چونکہ بابل دجلہ وفرات کی نہروں سے سرسبز وشاداب تھا اس لئے اس نام سے موسوم ہوا، یہ عراق کا مشہور شہر تھا جو فنا ہوگیا)

حضرت ادریسؑ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم یہ تکلیف اللہ کی راہ میں اٹھاتے ہو تو اس کی رحمت وسیع ہے وہ اس کا نعم البدل ضرور عطا کرے گا، پس ہمت نہ ہارو اور خدا کے حکم کے سامنے سرنیاز جھکادو۔

مسلمانوں کی رضامندی کے بعد حضرت ادریسؑ اور ان کی جماعت مصر کی جانب ہجرت کرگئی۔ جماعت نے جب نیل کی روانی اور اس کی سرزمین کی شادابی دیکھی تو بہت خوش ہوئی اور حضرت ادریسؑ نے یہ دیکھ کر اپنی جماعت سے فرمایا، بابلیون (تمہارے بابل کی طرح شاداب مقام) اور ایک بہترین جگہ منتخب کر کے نیل کے کنارے بس گئے حضرت ادریسؑ کے اس جملہ ”بابلیون“ نے ایسی شہرت پائی کہ عرب کے علاوہ قدیم اقوام اس سرزمین کو بابلیون ہی کہنے لگیں، البتہ عرب نے اس کا نام مصر بتایا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ سنائی کہ طوفان نوحؑ کے بعد یہ مصر بن حام کی نسل کا مسکن وموطن بنا ہے۔ حضرت ادریسؑ اور ان کی پیرو جماعت نے جب مصر میں سکونت اختیار کرلی تو یہاں بھی انہوں نے پیغام الٰہی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دینا شروع کردیا، کہا جاتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بہتر (۷۲) زبانیں بولی جاتی تھی اور خدائے تعالیٰ کی عطاء وبخشش سے یہ وقت کی تمام زبانوں کے زبان داں تھے، اور ہر ایک

جماعت کو اسی کی زبان میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے، حضرت ادریسؑ نے دین الٰہی کے پیغام کے علاوہ سیاست مدن، شہری زندگی اور بود و ماند کے متمدن طریقوں کی بھی تعلیم و تلقین کی اور اس کے لئے انہوں نے ہر ایک فرقہ و جماعت سے طلباء جمع کئے اور ان کو مدنی سیاست اور اس کے اصول و قواعد سکھائے جب یہ طلبہ کامل و ماہر بن کر اپنے قبائل کی طرف لوٹے تو انہوں نے شہر اور بستیاں آباد کیں جن کو مدنی اصول پر بسایا، ان شہروں کی تعداد کم و بیش دو صد کے قریب تھی، جن میں سب سے چھوٹا شہر ''رہا'' تھا۔ (یہ شہر رہا صفحہ عالم سے مٹ گیا مگر اس کے کھنڈرات باقی ہیں) حضرت ادریسؑ نے ان طلبہ کو دوسرے علوم کی بھی تعلیم دی جس میں علم حکمت اور علم نجوم جیسے علوم بھی شامل ہیں۔

سوال: کیا حضرت ادریسؑ وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے علم حکمت و نجوم کی ابتدا کی؟

جواب: جی ہاں! حضرت ادریسؑ وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے علم حکمت و نجوم کی ابتدا کی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو افلاک اور ان کی ترکیب، کواکب اور ان کے اجتماع و افتراق کے نقاط اور ان کے باہم کشش کے رموز و اسرار کی تعلیم دی اور ان کو علم عدد و حساب کا عالم بنایا، اور اگر اس پیغمبر خدا کے ذریعہ ان علوم کا انکشاف نہ ہوتا تو انسانی طبائع کی وہاں تک رسائی مشکل تھی، انہوں نے مختلف گروہوں اور امتوں کے لئے اُن کے مناسب حال قوانین و قواعد مقرر فرمائے اور اقطاع عالم کو چار حصوں میں منقسم کر کے ہر ربع کے لئے ایک حاکم مقرر کیا جو اس حصہ زمین کی سیاست و ملوکیت کا ذمہ دار قرار پایا، اور ان چاروں کے لئے ضروری قرار دیا کہ تمام قوانین سے مقدم شریعت کا وہ قانون رہے گا جس کی تعلیم وحی الٰہی کے ذریعے میں نے تم کو دی ہے، اس سلسلہ کے سب سے پہلے چار بادشاہوں کے نام حسب ذیل ہیں:

○ ایلاوس (بمعنیٰ رحیم) ○ زوس ○ اسقلیبوس ○ زوس امون یا ایلاوس امون یا بسیلوس

سوال: حضرت ادریسؑ کا حلیہ کیا ہے؟

جواب: حضرت ادریسؑ کا حلیہ یہ ہے، گندم گوں رنگ، پورا قد و قامت، سر پر بال کم، خوبصورت

خوبرو، گھنی ڈاڑھی، رنگ وروپ اور چہرہ کے خطوط میں ملاحت مضبوط بازو، چوڑے منڈھے، مضبوط ہڈی، دبلے پتلے، سرگیں چمکدار آنکھیں، گفتگو باوقار، خاموشی پسند سنجیدہ اور متین چلتے ہوئے نیچی نظر، انتہائی فکر وخوض کے عادی، غصہ کے وقت سخت غضبناک باتیں کرنے میں شہادت کی انگلی سے بار بار اشارہ کے عادی، حضرت ادریسؑ کی عمر شریف 82 سال بیان کی جاتی ہے۔ اُن کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی۔ اَلصَّبْرُ مَعَ الْاِیْمَانِ بِاللّٰہِ یُوْرِثُ الظَّفَرَ۔ ایمان باللہ کے ساتھ صبر اختیار کرنا کامیابی کا ذریعہ ہے۔ (ماخوذ از تاریخ الحکماء ج:1)

سوال: حضرت ادریسؑ کے بہت سے پند ونصائح اور آداب واخلاق کے جملے مشہور ہیں جو مختلف زبانوں میں ضرب المثل اور رموز واسرار کی طرح مستعمل ہیں، ان میں سے بعض کو بیان کیجئے؟

جواب: ○ خدا کی بیکراں نعمتوں کا شکریہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔

○ جو علم میں کمال اور عمل صالح کا خواہش مند ہو اس کو جہالت کے اسباب اور بدکرداری کے قریب بھی نہ جانا چاہئے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر فن مولا کاریگر اگر سینے کا ارادہ کرتا ہے تو سوئی ہاتھ میں لیتا ہے نہ کہ برما۔

○ دنیا کی بھلائی ''حسرت'' ہے اور برائی ''ندامت''۔

○ خدا کی یاد اور عمل صالح کے لئے خلوص نیت شرط ہے۔

○ نہ جھوٹی قسمیں کھاؤ، نہ اللہ تعالیٰ کے نام کو قسموں کے لئے تختۂ مشق بناؤ اور نہ جھوٹوں کو قسمیں کھانے پر آمادہ کرو، کیونکہ ایسا کرنے سے تم بھی شریک گناہ ہو جاؤ گے۔

○ ذلیل پیشوں کو اختیار نہ کرو۔ (جیسے سینگی لگانا، جانوروں کے جفتی کرانے پر اجرت لینا وغیرہ)

○ اپنے بادشاہوں کی (جو کہ پیغمبر کی جانب سے احکام شریعت کے نفاذ کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں) اطاعت کرو اور اپنے بڑوں کے سامنے پست رہو، اور ہر وقت حمد الٰہی میں اپنی زبان کو تر رکھو۔

○ حکمت روح کی زندگی ہے۔

○ دوسروں کی خوش عیشی پر حسد نہ کرو اس لئے کہ ان کی یہ مسرور زندگی چندروزہ ہے۔

(ہدایت کے چراغ، ص۵۷ قصص القرآن، ص۹۰)

◆□◆

محبت کئے بغیر کوئی رہ نہیں سکتا

پتھر سے ہو خدا سے ہو یا پھر کسی سے ہو
آ تا نہیں ہے چین محبت کئے بغیر

بس فرق اتنا ہے کہ خالق کی محبت ہوگی تو دل میں نور ہوگا اور مخلوق کی شیطانی، نفسانی، شہوانی محبت ہوگی تو دل میں ظلمت ہوگی۔ محبت اگر اللہ سے ہے تو حلال ہے اور اگر نفسانی ہے تو پھر حرام ہے۔ تو جب دل لگانا ہی ہے تو بندے کو چاہئے کہ اللہ رب العزت سے خوب پیار کرے، کیونکہ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه (البقرة: ١٦٥)

(ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے)

اللہ کی محبت کہاں سے ملتی ہے......؟

اگر کوئی بندہ کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھے کیسے مل سکتی ہے۔ تو اسے بتائیں کہ کپڑا ملتا ہے کپڑے والوں سے، اور برف ملتی ہے، برف والوں سے، اور دودھ ملتا ہے دودھ والوں سے۔ اور اللہ ملتا ہے اللہ والوں سے۔ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھو گے اللہ کی محبت ملے گی۔

(از افادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم _ انمول حدیث ص: ۹۱-۹۴)

◆□◆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت نوح

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کی مرضی کے مطابق کام کرنا یہ بڑی توفیق کی بات ہے......

وہ کام جو اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ ہوتا ہے، اس کام کو کرنے میں برکت بھی ہوتی ہے۔ کوئی بھی کرے، اگر کام ایسا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو، اللہ کی رضا کا ہو تو اس میں ترقی ہوتی ہے۔ جلدی اور زیادہ بار آور ہوتا ہے۔ بہ نسبت اس کام کے جس میں اللہ کی مرضی نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پہچاننا اور اس کی مرضی کے مطابق کام کرنا یہ بڑی توفیق کی بات ہے۔ اس کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے، یہ انسان کا خود اپنے اختیار کا کام نہیں ہوتا۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی صدارتی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۲۴/۲۵ ؍مارچ ۲۰۰۴ء کو قلندر پور، مظفر پور، اعظم گڑھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نام نامی سے ایک عظیم سیمینار میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۳) حضرت نوح علیہ السلام

سوال: حضرت نوحؑ کا اصل نام کیا ہے؟

جواب: آپ کے نام کے متعلق اختلاف ہے۔

- بعض نے عبد الغفار۔
- بعض نے یشکر۔ (صاوی ص:115 ج:3 پ:18۔ حاشیۂ جلالین ص:288)
- بعض نے عبد الجبار۔ (حیاۃ الحیوان ص:12 ج:1)
- اور بعض نے ادریس بتایا ہے۔ (حیات آدم از مولوی محمد میاں صاحب ص:74)

سوال: حضرت نوحؑ کا لقب نوح کیوں پڑا؟

جواب: نوح کے اصل معنیٰ رونے کے آتے ہیں اور چونکہ آپ اپنی امت کے گناہوں پر بکثرت روتے تھے اس وجہ سے آپ کا لقب نوح ہوگیا۔ (حیاۃ الحیوان ص:12 ج:1)

اور یا اس وجہ سے کہ آپ اپنے نفس پر روتے تھے (روح المعانی) اس لئے کہ ایک مرتبہ حضرت نوح علیہ السلام کا گزر ایک خارش والے کتے پر ہوا تو نوحؑ نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کتنا بدشکل ہے تو اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کے پاس وحی بھیجی کہ تو نے مجھے عیب لگایا ہے یا میرے کتے کو؟ کیا تو اس سے اچھا پیدا کر سکتا ہے؟ حضرت نوحؑ اپنی اس غلطی پر روتے تھے۔ (صاوی ص:233 ج:3)

سوال: حضرت نوحؑ کی کل عمر کتنی ہوئی اور جب نبوت ملی تو آپ کی عمر کتنی تھی؟

جواب: حضرت نوحؑ کی کل عمر ایک ہزار پچاس سال اور جب نبوت ملی تو اس وقت کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے پچاس سال کہا، اور بعض نے باون سال اور بعض نے سو سال کہا ہے۔ (صاوی ص:233 ج:3)

اور ایک قول چالیس سال کا بھی ہے۔ (صاوی ص:110 ج:3)

سوال: حضرت نوحؑ کو کشتی بنانی کس نے سکھائی اور یہ کشتی کتنے دنوں میں بنائی گئی تھی؟

جواب: اللہ نے حضرت جبرئیل ؑ کو بھیجا جنہوں نے نوح ؑ کو کشتی بنانی سکھائی اور یہ کشتی دو سال میں بنائی گئی تھی۔ (صاوی ص:116 ج:3)

سوال: حضرت نوح ؑ کی کشتی کی لمبائی چوڑائی اور اونچائی کتنی تھی اور وہ کتنی منزلوں پر مشتمل تھی؟

جواب: اس کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ، چوڑائی پچاس ہاتھ، اور اونچائی تیس ہاتھ، اور اس کشتی میں تین منزلیں تھیں، سب سے نیچے کی منزل میں درندے کیڑے مکوڑے دوسری (درمیانی) میں چوپائے یعنی گائے بیل بھینس وغیرہ اور سب سے اوپر کی منزل میں انسان تھے۔ (جمل حاشیہ جلالین) اور بعض نے اسکی لمبائی تیس ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ بیان کی ہے اور یہ ہاتھ مونڈھے تک شمار کیا ہے۔ (صاوی ص:116 ج:3)

سوال: اس کشتی میں کتنے آدمی تھے؟

جواب: لوگوں کی تعداد بعض نے 80 جس میں آدھے مرد اور آدھی عورتیں اور بعض نے 70 مرد اور عورتیں بیان کئے ہیں (صاوی ص:116 ج:3) اور بعض نے 9 کہا ہے تین تو ان کی اولاد میں سے یعنی حام، سام، یافث، اور چھ ان کے علاوہ۔ اور بعض نے 9 تعداد اولاد نوح کے علاوہ بتلائی ہے۔ (صاوی ص:233)

سوال: حضرت نوح ؑ کونسے مہینے میں کشتی میں سوار ہوئے تھے اور کشتی کونسے دن جا کر ٹھہری اور کتنی مدت اس کشتی میں رہے؟

جواب: آپ 10 رجب کے بعد سوار ہوئے اور 10 محرم کو یہ کشتی شہر موصل کے بلند پہاڑ ''جودی'' پر جا کر ٹھہری اور نوح ؑ اس کشتی میں 6 ماہ تک سوار رہے۔

(صاوی ص:116 ج:3 پ:18)

سوال: جس پہاڑ پر جا کر کشتی ٹھہری تھی اس کی اونچائی کتنی تھی؟

جواب: اس پہاڑ کی اونچائی چالیس ہاتھ تھی۔ (صاوی ص:233 ج:3 پ:19)

سوال: اس طوفان کے بعد حضرت نوح ؑ کتنے سال تک زندہ رہے؟

جواب: حضرت نوحؑ طوفان کے بعد صحیح قول کے مطابق 60 سال زندہ رہے۔ (صاوی ص: 110) اور بعض نے 250 سال بھی کہا ہے۔ (صاوی ص: 233 پ: 19)

سوال: حضرت نوحؑ کے کس بیٹے کی نسل میں دنیا کے کون سے کون سے علاقوں کے لوگ ہیں؟

جواب: حضرت نوحؑ کے تین لڑکے تھے۔ حام، سام، یافث، حام کی اولاد میں ہندوسندھ، حبشہ کے لوگ ہیں۔ اور سام کی اولاد میں اہل عرب، روم، فارس ہیں اور یافث کی اولاد میں یاجوج ماجوج، ترک، صقلاب ہیں۔ (بستان ابواللیث)

سوال: حضرت نوحؑ کی کشتی کس درخت کی تھی اس کو کتنے سال بعد کاٹا گیا اور طوفان نوحؑ کس جگہ نہیں آیا؟

جواب: محمد بن اسحٰق ثوری سے منقول ہے کہ یہ کشتی درخت ساج (مسال کے درخت) یا درخت صنوبر (چیڑ کے درخت) کی تھی اور یہی تورات میں بھی لکھا ہوا ہے اور یہ درخت سو سال بعد کاٹا گیا تھا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ درخت چالیس سال بعد کاٹا گیا تھا اور طوفان نوحؑ دو جگہ نہیں آیا ❄ سندھ ❄ ہند۔ (البدایہ والنہایہ ص: 110 ج: 1)

سوال: حضرت نوحؑ کی قبر کہاں ہے؟

جواب: ابن جریر اور ازرقی عبدالرحمٰن بن سابط یا اس کے علاوہ تابعین سے مرسلاً نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی قبر صحیح قول کے مطابق مسجد حرام میں ہے دوسرا قول یہ ہے کہ شہر بقاع میں ہے، جس کو کرک نوح سے یاد کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (البدایہ والنہایہ ص: 120 ج: 1)

سوال: حضرت نوحؑ کی کشتی میں پرندوں اور چوپاؤں میں سے سب سے پہلے اور سب سے بعد میں کون کون سے جانور داخل ہوئے؟

جواب: حضرت نوحؑ کی کشتی میں سب سے پہلے پرندوں میں سے درہ داخل ہوا اور چوپاؤں میں سے سب سے بعد میں گدھا داخل ہوا۔ (البدایہ خورد ص: 111 ج: 1)

سوال: حضرت نوحؑ کا نسب نامہ کیا ہے؟

جواب: علم الانساب کے ماہرین نے حضرت نوحؑ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔

نوحؑ بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ یا خنوخ بن یارد بن مہلئیل بن قینان بن انوش بن شیثؑ بن آدمؑ۔ اگر چہ مؤرخین اور تورات (سفر تکوین) نے اسی کو صحیح مانا ہے لیکن ہم کو اس کی صحت میں شک اور تردد ہے، بلکہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان ان بیان کردہ سلسلوں سے زیادہ سلسلے ہیں، اسی وجہ سے اس مسئلہ میں تورات کے مختلف نسخوں میں بھی کافی اختلاف وانتشار پایا جاتا ہے۔

سوال: قرآن کریم نے حضرت نوحؑ کے واقعہ کا اجمالی و تفصیلی ذکر کتنی جگہ کیا ہے؟

جواب: قرآن کریم کی 28 سورتوں میں اختصار اور تفصیل کے ساتھ حضرت نوحؑ کا اسم مبارک اور تذکرہ 41 جگہ ملتا ہے۔

سوال: حضرت نوحؑ کو اوّل الرسل کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: اس لئے کہ حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے سرفراز کیا گیا۔ رسول ایسے نبی کو کہا جاتا ہے جن کو مستقل کتابِ الٰہی یا جدید شریعت دی جاتی ہے ایسے نفوسِ قدسیہ کی جملہ تعداد 313 بیان کی جاتی ہے۔

اور نبی ایسی شخصیت کو کہا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور کلام کے لئے منتخب کیا ہو۔ ایسے نفوسِ قدسیہ اپنے پیشرو رسول کی تعلیمات کے مبلّغ ہوتے ہیں اُن پر نہ کوئی مستقل شریعت نازل کی جاتی ہے اور نہ کتاب۔ ایسے نفوس کی تعداد ایک لاکھ (100000) سے زائد بیان کی گئی ہے۔

صحیح مسلم باب شفاعت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک طویل روایت میں یہ صراحت آئی ہے۔ یٰنُوْحُ اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَی الْاَرْضِ۔ (الحدیث) اے نوح! تم زمین پر پہلے رسول ہو (جنہیں مستقل شریعت دی گئی)

سوال: ساڑھے نو سو سال کی طویل مدت میں کتنے افراد نے ایمان قبول کیا؟

جواب: تاریخی روایات کے مطابق اس طویل مدت میں 80 سے کچھ زائد افراد نے ایمان قبول کیا۔

سوال: کیا طوفان نوحؑ تمام کرۂ ارضی پر آیا تھا یا کسی خاص خطہ پر؟

جواب: اس کے متعلق علماء قدیم وجدید میں ہمیشہ سے دو رائے رہی ہیں، علماء اسلام میں سے ایک جماعت، علماء یہود ونصاریٰ، اور بعض ماہرین علوم فلکیات، طبقات الارض، اور تاریخ طبیعیات کی یہ رائے ہے کہ یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف اسی خطہ میں محدود تھا جہاں نوحؑ کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مساحت کے اعتبار سے ایک لاکھ چالیس ہزار مربع ہوتا ہے ان کے نزدیک طوفان نوحؑ کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ طوفان عام تھا تو اس کے آثار کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ملنے چاہئیں تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت ہی محدود تھی اور وہی خطہ تھا جہاں حضرت نوحؑ اور ان کی قوم آباد تھی، ابھی آدمؑ کی اولاد کا سلسلہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہوا تھا جو کہ اس علاقہ میں آباد تھا، لہٰذا وہی مستحق عذاب تھے اور ان ہی پر طوفان کا یہ عذاب بھیجا گیا، باقی کرۂ زمین کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا۔

اور بعض علماء اسلام اور ماہرین طبقات الارض اور علماء طبیعیات کے نزدیک یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر حاوی تھا اور ایک یہی نہیں بلکہ ان کے خیال میں اس زمین پر متعدد ایسے طوفان آئے ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ بھی تھا اور وہ پہلی رائے کے تسلیم کرنے والوں کو ”آثار“ سے متعلق سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ”جزیرہ“ یا عراق عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بکثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق ماہرین علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں، پانی سے باہر ایک لمحہ بھی ان کی زندگی دشوار ہے، اس لئے کرۂ ارض کے مختلف پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر ان کا ثبوت اس کی دلیل ہے کہ کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبت ناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

ان ہر دو خیالات وآراء کی ان تمام تفصیلات کے بعد جن کا مختصر خاکہ مضمون زیر بحث میں

درج ہے۔ لیکن زیادہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ طوفان عالمگیر تھا اس لئے کہ جب کبھی بھی قوموں پر نبیوں کی آگاہی کے بعد عذاب آیا ہے، آغازِ عذاب سے قبل نبی اور ان کے اصحاب کو ہجرت کر جانے، شہر سے باہر ہو جانے یا کسی خطہّ میں آجانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کی وضاحت قرآن حکیم میں موجود ہے۔

لیکن سیدنا نوحؑ کو طوفان سے قبل جو حکم دیا گیا وہ ان تمام صورتوں سے بالکل مختلف ہے یعنی حضرت نوحؑ کو اپنے ہی ملک میں اپنی ہی قوم کے اندر اسی خطۂ ارضی پر کشتی میں پناہ لینے کی ہدایت کی گئی۔ اگر طوفان عالمگیر نہ ہوتا تو یہ مخصوص صورت اختیار کرنے کی کوئی قابل ذکر وجہ معلوم نہیں ہوتی؟ ورنہ زمین کے کسی بھی خطہ میں پناہ لینے کی ہدایت ملتی یا دیگر انبیاء کی طرح ہجرت کر جانے کا حکم دیا جاتا۔ واللہ اعلم۔

معلوم ہوا کہ طوفان عام تھا اور پورے خطہ ارضی کو محیط تھا تب ہی تو کشتی میں پناہ لینے کی ہدایت کی گئی۔

سوال: حضرت نوحؑ کو ''آدم ثانی'' کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: ہمہ گیر ہلاکت خیزی کے بعد از سر نو ایک نئی دنیا آباد ہوئی، اسی بناء پر حضرت نوحؑ کو ''آدم ثانی'' کہا جاتا ہے اور غالباً اسی اعتبار سے انھیں حدیث میں ''اَوَّلُ الرُّسُلِ'' کہا گیا۔ واللہ اعلم

سوال: حضرت نوحؑ کے واقعہ کے اہم نتائج کیا ہیں؟

جواب: ❁ ہر ایک انسان اپنے کردار و عمل کا خود ہی جواب دہ ہے، اس لئے باپ کی بزرگی بیٹے کی نافرمانی کا مداوا اور علاج نہیں بن سکتی اور نہ بیٹے کی سعادت باپ کی سرکشی کا بدل ہو سکتی ہے، حضرت نوحؑ کی نبوت و پیغمبری کنعان کے کفر کی پاداش کے آڑے نہ آسکی اور حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ جلالت قدر شرک آزر کے لئے نجات کا باعث نہ ہو سکی۔

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔ ہر شخص اپنے اپنے ڈھنگ پر کام کرتا ہے۔ بری صحبت زہر ہلاہل

سے بھی زیادہ قاتل ہے اور اس کا ثمرہ و نتیجہ ذلت و خسران اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، انسان کے لئے جس طرح نیکی ضروری شئی ہے، اس سے زیادہ صحبت نیکاں ضروری ہے، اور جس طرح بدی سے بچنا اس کی زندگی کا نمایاں امتیاز ہے اس سے کہیں زیادہ بروں کی صحبت سے خود کو بچانا ضروری ہے۔

❁ خدائے تعالیٰ پر صحیح اعتماد اور بھروسہ کے ساتھ ظاہری اسباب کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ توکل علی اللہ کے لئے صحیح طریق کار ہے، تب ہی تو طوفان نوحؑ سے بچنے کے لئے کشتی نوحؑ ضروری ٹھہری۔

❁ انبیاء علیہم السلام سے "پیغمبر خدا اور معصوم ہونے کے باوجود" بہ تقاضۂ بشریت لغزش ہو سکتی ہے۔ مگر وہ اس پر قائم نہیں رہتے بلکہ من جانب اللہ ان کو تنبیہ کر دی جاتی ہے اور اس سے ہٹا لیا جاتا ہے، حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے واقعات اس کے لئے شاہد عدل ہیں۔ نیز وہ عالم الغیب بھی نہیں ہوتے جیسا کہ اسی واقعہ میں "فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ" سے واضح ہے۔

❁ اگرچہ پاداش عمل کا خدائی قانون کائنات کے ہر گوشہ میں اپنا کام کر رہا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جرم اور ہر اطاعت کی سزا یا جزا اسی عالم میں مل جائے، کیونکہ یہ کائنات، عمل کی کشت زار ہے، اور پاداش کردار کے لئے معاد اور عالم آخرت کو مخصوص کیا گیا ہے، تاہم ظلم اور غروران و بدعملیوں کی سزا کسی نہ کسی نہج سے یہاں دنیا میں بھی ضرور ملتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ ظالم اور متکبر اپنی موت سے قبل ہی اپنے ظلم و کبر کی کچھ نہ کچھ سزا ضرور پاتا ہے۔ اور ذلت و نامرادی کا منہ دیکھتا ہے، چنانچہ خدا کے سچے پیغمبروں سے الجھنے والی قوموں اور تاریخ کی ظالم و مغرور ہستیوں کی عبرت ناک ہلاکت و بربادی کی داستانیں اس دعوے کی بہترین دلیل ہیں۔ ☐☐☐

محبت کی دکانیں

ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مولانا! تم نے کبھی عشق کی دکان دیکھی ہے؟ جیسے دکانیں ہوتی ہیں یہ کریانے کی دکان، لوہے کی دکان، کپڑے کی دکان‘ ایک اللہ تعالیٰ کے عشق کی بھی دکان ہوتی ہے۔ تو انہوں نے پوچھا‘ کیا عشق کی دکان دیکھی ہے؟ تو انہوں نے کہا‘ جی حضرت! دو دکانیں دیکھی ہیں۔ پوچھا کونسی؟ کہنے لگے ایک شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی، اور ایک شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کی۔ تو اللہ والے جہاں ہوتے ہیں وہ عشق کی دکان ہی ہوتی ہے۔ ان کے پاس آؤ چند لمحے گزارو گے تو عشق کی پڑیاں باندھ کے واپس جاؤ گے۔ اللہ اکبر

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہو گی

ان اللہ والوں کے دلوں میں اللہ کی محبت کی کیا ہی آگ جل رہی ہوتی ہے۔

(از افادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم _ انمول حدیث ص: ۹۴)

* * *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ہود

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارس میں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملے گی……

مدارس پر الزام ہے کہ یہ دہشت گردی کے اڈے ہیں، اور خوف وہراس پھیلاتے ہیں، لیکن اگر غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دہشت گردی ہماری عصری تعلیم گاہوں سے نکل رہی ہے، وہاں روزانہ ہنگامے ہوتے ہیں، لاٹھیاں چلتی ہیں، گولیاں چلتی ہیں، بم پھٹتے ہیں، اور ہمارے یہاں؟ ہمارے یہاں یہ سب کچھ نہیں ہوتا، ہم تو ڈنکے کی چوٹ پر یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے مدارس کو رات اور دن میں کسی بھی وقت آکر دیکھ سکتے ہیں، ان میں کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ملے گی۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۳؍اپریل ۲۰۰۳ء کو جامعہ ام سلمیٰ للبنات فردوس نگر توپ تانچی میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۴) حضرت ہود علیہ السلام

سوال: حضرت ہودؑ کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: حضرت نوحؑ کے ایک صاحبزادے سام کی اولاد میں ساتویں پشت پر حضرت ہودؑ کا تذکرہ ملتا ہے۔ نسب نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔

سوال: حضرت ہودؑ کا حلیہ مبارک کیا ہے؟

جواب: حضرت ہودؑ نہایت سُرخ وسفید رنگ والے وجیہ، دراز قد، نہایت متین وسنجیدہ اور پروقار شخصیت رکھتے تھے۔ ریش مبارک دراز اور خوبصورت تھی۔

سوال: حضرت ہودؑ کی کل عمر کتنی ہوئی؟

جواب: حضرت ہودؑ کی کل عمر 464 سال ہوئی۔ (تاریخ دمشق ص: 27 ج: 1)

سوال: سب سے پہلے بتوں کی عبادت کس قوم نے کی اس قوم کی طرف کس کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور ان کے بت کتنے اور کون کونسے تھے؟

جواب: سب سے پہلے بتوں اور پتھروں کی عبادت قوم عاد نے کی ان کے تین بت تھے (1) صداً (2) صموداً (3) ھراً۔ یہ قوم ان تینوں کو پوجتی تھی اللہ نے ان کی طرف حضرت ہودؑ کو نبی بنا کر بھیجا تھا مگر انہوں نے اللہ کے نبی کی کوئی بات نہ سنی آخر کار عذاب خداوندی نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (البدایہ ص: 121 ج: 1)

سوال: قرآن کریم میں حضرت ہودؑ کا اسم گرامی کتنی جگہ آیا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں حضرت ہودؑ کا اسم گرامی سات جگہ آیا ہے۔

سوال: قوم عاد پر کونسا عذاب آیا؟

جواب: عاد کی انتہائی بغاوت وسرکشی اور اپنے مخلص وخیر خواہ ہادی ورہبر کی مسلسل مخالفت وعناد

نے ''قانون جزاء'' کو قریب تر کر دیا۔ نقطۂ آغاز کے طور پر پہلے خشک سالی کی شکل میں عذاب آیا جو اُن سے نعمتوں کے چھین لئے جانے کا باعث ہوا۔

یہ عذاب چونکہ کوئی نیا نہ تھا قوم نے اس کو ''حوادثِ زمانہ'' خیال کیا۔ حضرت ہودؑ نے پھر بھی خیر خواہی جاری رکھی۔ سمجھایا کہ یہ تمہاری مکمل ہلاکت و بربادی کا نقطۂ آغاز ہے۔ اب بھی باز آ جاؤ مجھ پر ایمان لے آؤ۔ یہی راہِ نجات ہے، لیکن بدنصیب قوم پر پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ تب وہ عذاب آیا جو عالم کی تاریخ میں شاید ہی آیا ہو۔ اس عذاب کی نوعیت نہایت دلدوز ہے، ایک طوفانی ہوا تھی جس کے لئے قرآن حکیم نے ''ریحِ صرصر'' کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے معنی ایسی ہوا کے ہیں جس کے چلنے سے سخت شور برپا ہو۔ یہ شور خود ہوا کی آواز سے پیدا ہوتا تھا یا پھر اطراف و اکناف کی چیزوں سے ٹکرانے پر پیدا ہوتا ہو۔ بہر حال یہ لفظ نہایت تُند و تیز ہوا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ طوفانی ہوا مسلسل سات رات آٹھ دن چلتی رہی، ہوا کا ہر ایک جھٹکا پچھلے جھٹکے سے شدید تر تھا۔ جس نے سارے شہر کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ قوی ہیکل قد و قامت والی قوم جو اپنی جسمانی طاقت کے گھمنڈ میں بدمست ہو چکی تھی اس طرح بے حس و حرکت چو طرف بکھری پڑی تھی جس طرح آندھی و طوفان کے بعد تناور درخت اکھڑ کر گر پڑتے ہیں۔ خوبصورت ہرا بھرا شہر ویران و کھنڈر بن کر رہ گیا۔ اُن کے قلعہ نما مکانات جو پہاڑوں کو تراش تراش کر بنائے گئے تھے ریت کے تودے بن گئے۔ اُن کی زندگی آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بنا دی گئی۔

ہزار ہا برس گزر جانے کے بعد بھی آج اُن کے تباہ شدہ آثار نبیوں کی تعلیمات سے روگردانی کے عواقب و نتائج سے خبردار کر رہی ہیں۔

یہ ہے عادِ اُولیٰ کی وہ داستانِ عبرت جو اپنے اندر چشمِ بصیرت کے لئے بیشمار پند و نصائح رکھتی ہے اور اللہ اعلیٰ و برتر کے احکام کی تعمیل اور نبیوں کی اطاعت سے گریز کے عواقب و نتائج سے خبردار کرتی ہے۔ قوم عاد پر ''ریحِ صرصر'' یا ''ریحِ عقیم'' کا عذاب قرآن کریم میں اس طرح

بیان کیا گیا ہے۔ ''اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡ یَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ'' ۔(سورۃ قمر۔19) ''تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی روانہ کردی جو دائمی نحوست کے دن واقع ہوئی'' اور دوسری جگہ قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔ ''فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ'' (سورہ حٰمٓ السجدہ۔16)۔ ''پھر ہم نے روانہ کردی اُن پر بادِ صرصر منحوس دنوں میں۔''

سوال: قوم عاد پر کونسے دن عذاب آیا؟

جواب: مشہور یہ ہے کہ یہ عذاب بدھ (چہار شنبہ) کے دن آیا تھا اس لئے قدیم زمانے سے لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ بدھ کا دن منحوس دن ہے۔ اور اس پر ہر زمانے میں مختلف عقیدے قائم ہوتے چلے گئے کہ اس دن کوئی اچھا کام نہیں کرنا چاہیئے۔ بدھ کے دن سفر کرنا عموماً نامبارک ہے کوئی بڑا لین دین اس دن نہ ہونا چاہیئے، بدھ کے دن ناخن نہ کاٹنا چاہیئے، مریض کی عیادت نہ کرنا چاہیئے، اور یہ کہ مرض جذام اور برص اسی روز شروع ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اِن توہمات کے پیچھے چند ضعیف احادیث بھی نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں جس سے بدھ کے دن کی نحوست کا عقیدہ عوام الناس میں رائج ہو گیا۔

علم حدیث کے محققین نے ایسی تمام روایات کو نہایت ضعیف، مہمل، موضوع (جھوٹی) قرار دیا ہے، کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو صحیح کہی جا سکے۔ امام المحدثین حافظ سخاویؒ کہتے ہیں کہ جتنے طریقوں سے بھی یہ روایات منقول ہیں سب کی سب غیر مستند ہیں۔ یہی بات علامہ ابن رجب حنبلیؒ، علامہ ابن جوزیؒ اور علامہ آلوسیؒ سے منقول ہیں۔ محقق مناویؒ نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ بدھ کے دن کو منحوس سمجھ کر چھوڑ دینا اور نجومیوں جیسے اعتقادات اس باب میں رکھنا حرام اور سخت حرام ہے۔ لہٰذا بدھ کی نحوست کا عقیدہ بے بنیاد بات ہے۔

اس ساری تفصیل سے قطع نظر بالفرض بدھ کے دن کو منحوس ہی قرار دیا جائے تو سارے ہفتے کے دن بھی منحوس قرار پائیں گے۔ کیونکہ دوسری آیت میں اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ آیا ہے۔ یعنی یہ عذاب والے دن سات رات اور آٹھ دن تھے تو گویا سارا ہفتہ منحوس قرار پایا، بلکہ ایک دن اُس پر

مزید اضافہ کے ساتھ۔ پھر آخر کونسا دن غیر منحوس ہوگا۔؟

اس لئے مرادِ قرآنی ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ دن اصلاً منحوس تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آٹھ دن منحوس جو قوم عاد پر مسلط رہے اس قوم کے لئے بوجہ عذاب منحوس تھے نہ کہ اپنی ذات میں منحوس تھے۔

سوال: قوم عاد کے ہلاک شدہ افراد کی تعداد کیا تھی؟

جواب: قوم عاد کے ہلاک شدہ افراد کی تعداد رُوح المعانی کے مُفسر نے 4000 ہزار لکھی ہے لیکن بنو سالم کی قدیم تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ واللہ اعلم۔

سوال: قوم عاد کا زمانہ کیا ہے؟

جواب: عاد کا زمانہ تقریباً دو ہزار قبل حضرت مسیح علیہ السلام مانا جاتا ہے، اور قرآن کریم میں عاد کو ''مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ'' کہہ کر قوم نوح کے خلفاء میں سے شمار کیا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شام کی دوبارہ آبادی کے بعد امم سامیہ کی ترقی عاد ہی سے شروع ہوتی ہے۔

سوال: قوم عاد کا مسکن کہاں ہے؟

جواب: عادی کا مرکزی مقام ارض احقاف ہے، یہ حضرموت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے شرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع الخالی، مگر آج یہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہیں ہے، اور بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ ان کی آبادی عرب کے سب سے بہترین حصہ حضرموت اور یمن میں خلیج فارس کے سواحل سے حدود عراق تک وسیع تھی اور یمن ان کا دارالحکومت تھا۔

سوال: حضرت ہودؑ کی وفات کب اور کہاں ہوئی؟

جواب: اہل عرب حضرت ہودؑ کی وفات اور ان کی قبر مبارک کے متعلق مختلف دعوے کرتے ہیں، مثلاً اہل حضرموت کا دعویٰ ہے کہ عاد کی ہلاکت کے بعد وہ حضرموت کے شہروں میں ہجرت کر آئے تھے، وہیں ان کی وفات ہوئی اور وادی برہوت کے قریب حضرموت کے مشرقی حصہ میں شہر تریم سے قریباً دو مرحلے پر دفن ہوئے۔ اور حضرت علیؓ سے ایک اثر منقول ہے کہ ان کی قبر

حضر موت میں کثیب احمر (سرخ ٹیلہ) پر ہے اور ان کے سرہانے جھاؤ کا درخت کھڑا ہے۔ اور اہل فلسطین کا دعویٰ ہے کہ وہ فلسطین میں دفن ہیں، اور انہوں نے وہاں ان کی قبر بھی بنا رکھی ہے اور اس کا سالانہ عرس بھی کرتے ہیں۔ (قصص الانبیاء ص:74)

مگر ان تمام روایات میں سے حضر موت کی روایت صحیح اور معقول معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ عاد کی بستیاں حضر موت ہی کے قریب تھیں، لہٰذا قرینہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی تباہی کے بعد قریب ہی کی آبادیوں میں حضرت ہودؑ نے قیام فرمایا ہوگا اور وہیں پیغام اجل کو لبیک کہا اور وہ یہی حضر موت کا مقام ہے۔

عظمتِ صحابہ

جاننا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام واجب التعظیم ہیں اور ہم کو چاہئے کہ ان سب کو عزت و عظمت کے ساتھ یاد کریں۔ خطیب حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں سے مجھے چنا اور پھر میرے لئے اصحاب منتخب کئے اور ان میں سے میرے رشتہ داروں اور مددگاروں کا انتخاب کیا۔ تو جس نے ان کے بارے میں میرے حق کی رعایت کی اس کی اللہ تعالیٰ رعایت کرے گا اور جس نے ان کے بارے میں میرا دل دکھایا اللہ اس کو ایذا پہنچائے گا۔

(حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۱)

نظام تعلیم کی بنیاد

آج کا حال یہ ہے کہ جتنا پڑھا لکھا انسان ہے اتنا ہی وہ ڈرنے کے قابل ہے۔

آج پوری دنیا میں پڑھے لکھے بھیڑیوں کا راج ہے۔ ایسے بھیڑیوں کا جو دوسرے کے جسموں سے کپڑے اتار لیتے ہیں تاکہ اپنی دیوار کو پہنائیں جو دوسرے کے بچوں اور یتیموں کے بچوں کے آگے سے کھانا اسلئے چھین لیتے ہیں کہ ان کے کتوں کا پیٹ بھر سکے۔ بددیانتی، خود غرضی، مطلب پرستی، نفس پرستی پر آج کے پورے نظام تعلیم کی بنیاد ہے۔ (مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

محبت کا سودا کتنا چاہیے......؟

اب ان دکانوں سے ہمیں کتنا سودا لینا چاہئے؟ یعنی کتنی محبت یا کتنی عشق چاہیے؟ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ تصوف وسلوک کا مقصود کیا ہے؟ تو فرمایا کہ رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت مل جائے کہ ہمارے رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ جب اتنی اللہ کی محبت ہمیں نصیب ہو جائے تو پھر عبادت کرنی آسان ہو جائے گی۔ خود بخود آنکھ کھلتی ہے رات کو۔ پھر نماز میں بھی مزہ آتا ہے، تلاوت میں بھی مزہ آتا ہے۔ اپنے اللہ کی یاد میں اللہ کا بندہ جاگتا ہے۔ تہجد میں بھی آنکھ کھلتی ہے۔

مجھ کو اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں ہو کے مست تمہارے خیال میں
تاروں سے پوچھ لو مری رودادِ زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

(ازافادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم _ انمول حدیث ص:۹۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت صالح

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے معاملات صحیح ہو جائیں گے......

میں صرف اس بات کو آپ سے ذکر کرتا ہوں کہ ہمیں اپنے اعمال میں، اپنے معاملات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو سامنے رکھنا چاہئے، اور اس کے لئے آخرت کی پکڑ اور حساب کتاب کو سامنے رکھنا چاہئے، اگر ہم اس بات پر قابو پالیں کہ آخرت پر غور کرتے رہیں، آخرت کی جزا و سزا کے متعلق سوچتے رہیں اور اپنے اعمال میں اور اپنے معاملات میں اس کا خیال رکھیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے معاملات صحیح ہو جائیں گے، اور ہماری زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کے مطابق ہوگی، اور ہم اس کا فائدہ اور اس کا لطف آخرت میں حاصل کریں گے۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی
تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۲۶/جون ۲۰۰۳ء کو
ٹمکور (بنگلور)
میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۵) حضرت صالح علیہ السلام

سوال: حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو قوم نے کس دن قتل کیا اور ان پر کون کون سا عذاب آیا؟

جواب :قوم ثمود (صالحؑ کی قوم) نے اس اونٹنی کو منگل کے دن قتل کیا، بار کے دن سے ان پر عذاب شروع ہوا اس طرح کہ پہلے دن ان کے چہرے زرد ہو گئے دوسرے دن سرخ ہو گئے اور تیسرے دن سیاہ ہو گئے چوتھے دن ایک چیخ آئی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ ✓

(حاشیہ جلالین ص:314 والکامل فی التاریخ ص:92 ج:1)

سوال: حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو قتل کرنے والے کا نام کیا تھا؟

جواب:اس کا نام قدار بن سالف تھا۔ (روح المعانی ص:89 ج:27) ✓

سوال :حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم میں کتنے دن تبلیغ فرمائی اور کل عمر شریف کتنی ہوئی اور وفات کہاں پائی؟

جواب :حضرت وہب کہتے ہیں کہ حضرت صالحؑ اپنی قوم میں چالیس سال رہے دوسرا قول یہ ہے کہ آپ اپنی قوم میں بیس سال تک مقیم رہ کر اٹھاون (58) سال کی عمر میں مکہ میں وفات پائی تیسرا قول یہ ہے کہ آپ 280 سال زندہ رہے۔

(الاتقان ص:344، حاشیہ جلالین ص:314، الکامل فی التاریخ ص:92)

سوال: حضرت صالحؑ کی قوم کا کونسا شخص عذاب سے محفوظ رہا؟

جواب :حضرت صالحؑ کی قوم کا ایک شخص ابورغال نامی جو حرم شریف (مکہ) گیا ہوا تھا یہ شخص عذاب سے محفوظ رہا۔ لیکن جب وہ حدودِ حرم سے باہر آیا فوراً اسی عذاب کا شکار ہو گیا۔

(الکامل فی التاریخ ص:93۔ تاریخ ابن کثیر ج:1 ص:138)

سوال: قرآن کریم میں حضرت صالحؑ کا نام کتنی جگہ آیا ہے؟

جواب:قرآن کریم میں حضرت صالحؑ کا نام آٹھ (8) جگہ آیا ہے۔ ✓

سوال: قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں قوم ثمود کا ذکر آیا ہے؟

جواب: قرآن کریم کی دس (10) سورتوں میں قوم ثمود کا ذکر آیا ہے۔

سوال: حضرت صالحؑ اور ثمود کا نسب نامہ کیا ہے؟

جواب: علماء انساب قوم ثمود کے پیغمبر حضرت صالحؑ کے نسب نامہ میں مختلف نظر آتے ہیں۔ مشہور حافظ حدیث امام بغویؒ نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:۔ صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حادر بن ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔

اور وہب بن منبہ، مشہور تابعی اس طرح نقل کرتے ہیں۔ صالحؑ بن عبید بن جابر بن ثمود۔

اگرچہ بغویؒ زمانہ کے اعتبار سے وہب سے بہت بعد میں ہیں اور وہب تورات کے بڑے عالم بھی ہیں تاہم حضرت صالحؑ سے ثمود تک نسب کی جو کڑیاں بغویؒ نے جوڑی ہیں علماء انساب کے نزدیک وہی تاریخی حیثیت سے راجح اور قرین صواب ہیں۔ اس نسب نامہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس قوم کو (جس کے ایک فرد صالحؑ بھی ہیں) ثمود اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے نسب نامہ کا جد اعلیٰ ثمود ہے، اور اسی کی جانب یہ قبیلہ یا قوم منسوب ہے۔ ثمود سے حضرت نوحؑ تک بھی دو قول ہیں۔ اول: ثمود بن عامر بن ارم بن سام۔ دوم: ثمود بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ۔

سید محمود آلوسیؒ صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں کہ امام ثعلبیؒ دوسرے قول کو راجح سمجھتے ہیں۔ (روح المعانی ج:9 ص:142)

بہرحال ان دونوں روایتوں سے یہ باتفاق ثابت ہوتا ہے کہ قوم ثمود بھی سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے اور غالباً بلکہ یقیناً یہی وہ افراد قوم ہیں جو عاد اولیٰ کی ہلاکت کے وقت حضرت ہودؑ کے ساتھ بچ گئے تھے اور یہی نسل عاد ثانیہ کہلائی، اور بلاشبہ یہ قوم بھی عرب بائدہ (ہلاک شدہ عربی نسل) میں سے ہے۔ چونکہ یہ سب ماقبل تاریخ کی شخصیات ہیں اس لئے ایسے قدیم نسب ناموں میں اختلاف کا پایا جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔

سوال: ثمود کہاں آباد تھے اور کس خطہ میں پھیلے ہوئے تھے؟

جواب: اس کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کی آبادیاں حجر میں تھیں، حجاز اور شام کے درمیان وادیٔ قریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب ان کا مقام سکونت ہے، موجودہ زمانے میں مدینہ اور تبوک کے درمیان ایک بستی ہے جسے آج مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانے میں اس کو حجر کہا جاتا تھا۔ اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ کے رقبے میں وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جن کو ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں میں تراش تراش کر بنایا تھا اور اب اس شہر خموشاں کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی زمانے میں اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ادھر سے گزر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہاڑ کے درّے کو دیکھ کر فرمایا کہ اسی درّے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی۔ چنانچہ وہ مقام آج بھی ''فج الناقہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں۔ اور اس زمانہ میں بھی بعض مصری اہل تحقیق نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو ''شاہی حویلی'' کہلاتی ہے۔ اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

عرب کا مشہور مورخ مسعودی لکھتا ہے: وَرِمَمُهُمَا بَاقِيَةٌ وَاٰثَارُهُمْ بَادِيَةٌ فِيْ طَرِيْقِ مَنْ وَرَدَ مِنَ الشَّامِ (ج:3 ص:139)

اس علاقے کے اطراف میں ہر طرف ایسے پہاڑ نظر آتے ہیں جو بالکل شاخ شاخ ہوگئے ہیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر صاف محسوس ہوتا ہے کہ کسی سخت ہولناک زلزلے نے انھیں سطحِ زمین سے چوٹی تک جھنجھوڑ کر قاش قاش کر رکھا ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ مشرق میں خیبر جاتے ہوئے تقریباً 50 میل تک اور شمال کی طرف ریاستِ اُردن کے حدود میں 30-40 میل اندر تک چلا جاتا ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کوئی تین چار سو میل لمبا اور 100 میل چوڑا ایک علاقہ تھا جسے ایک عظیم زلزلے نے ہلا کر رکھ دیا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

جو شخص شام سے حجاز کو آتا ہے اس کی راہ میں ان کے مٹے نشان اور بوسیدہ کھنڈرات پڑتے ہیں، حجر کا یہ مقام جو حجر ثمود کہلاتا ہے شہر مدین سے جنوب مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ خلیج عقبہ اس کے سامنے پڑتی ہے اور جس طرح عاد کو عادِ ارم کہا گیا ہے (حتیٰ کہ قرآن کریم نے تو ارم کو ان کی مستقل صفت ہی بنا دیا ہے) اسی طرح ان کی ہلاکت کے بعد ان کو ثمودِ ارم یا عاد ثانیہ کہا جاتا ہے

سوال: قوم ثمود کو "عاد ثانیہ" کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: جس طرح قوم عاد کے تمدن کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ وہ اونچے اونچے ستونوں والی عمارتیں بناتے تھے۔ اسی طرح قوم ثمود کے تمدن کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت جس کی بناء پر وہ "عاد ثانیہ" کے نام سے موسوم ہوئی یہ تھی کہ وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر عمارتیں بناتے تھے۔ چنانچہ سورۂ فجر میں جس طرح عاد کو ذات العماد (ستونوں والے) کا لقب دیا گیا ہے اسی طرح ثمود کا ذکر اس حوالے سے کیا گیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۔ وہ جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراشی ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اپنے ہاں میدانی علاقوں میں بھی بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے تھے۔ "تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا۔" (سورۂ اعراف۔ 74)

اور ان تعمیرات کی غرض و غایت کیا تھی؟ قرآن کریم اس پر لفظ فٰرِهِیْنَ سے روشنی ڈالتا ہے۔ یعنی یہ سب کچھ اپنی بڑائی اپنی دولت و قوت اور اپنے کمالاتِ فن کی نمائش کے لئے تھا۔ کوئی حقیقی ضرورت ان کے لئے داعی نہ تھی۔ ایک بگڑے ہوئے تمدّن کی شان یہی ہوتی ہے۔ ایک طرف معاشرے میں غریب لوگ سَر چھپانے کے لئے بھی کوئی ڈھنگ کی جگہ نہیں پاتے دوسری طرف امراء اور اہلِ ثروت رہنے کے لئے جب ضرورت سے زیادہ محل بنا چکتے ہیں تو بلا ضرورت نمائشی یادگاریں تعمیر کرنے لگتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت ابراہیم

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مدرسے ہمارے دینی پاور ہاؤس ہیں……

ہمارے لئے غلے کی دکانیں ہماری ضرورت ہیں، ہماری زندگی کی ضرورت کے سامان ہیں، یہ مدرسے ہمارے دینی کارخانے ہیں، یہ مدرسے ہمارے دینی پاور ہاؤس ہیں، ان مدرسوں سے ہم کو وہ بجلی ملتی ہے، جو ہماری زندگی کو روشن کرتی ہے، دیندار بناتی ہے، اللہ تعالٰی کی رضا کے مطابق چلاتی ہے، ہم کو روشنی ملتی ہے ان مدرسوں سے، یہ مدرسے اسلامی پاور ہاؤس ہیں، ہمارے دین کے کارخانے ہیں، جہاں جہاں انسان تیار ہوتے ہیں، وہ انسان جو اللہ کے حکموں پر چلنے والے ہیں، جو انسانیت کو برقرار رکھنے والے ہیں، جو دنیا کو انسانیت کا سبق دینے والے ہیں۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۲۰۰۴ء میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور، قلندر پور، اعظم گڑھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سیمینار کے موقع پر کی تھی۔)

◆ ◆ ◆

(۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام

سوال: حضرت ابراہیمؑ کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: تورات میں حضرت ابراہیمؑ کا نسب نامہ اس طرح مذکور ہے: ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفکشاذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔ یہ تصریح تورات کے علاوہ کتبِ تاریخ کے بھی مطابق ہے۔

سوال: حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام کیا تھا؟

جواب: قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آزر بتایا ہے اور تاریخی کتب میں تارخ لکھا گیا ہے۔ اہل علم نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں۔ تارخ اسمی نام ہے اور آزر وصفی نام۔

آزر عبرانی زبان میں مُحِبِّ صنم کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ تارخ میں بت تراشی اور بت پرستی دونوں وصف موجود تھے اس لئے اس کو آزر کہا گیا۔ قرآن حکیم نے اس کے وصفی نام ہی کو بیان کیا ہے مشہور امام تفسیر مجاہدؒ (المتوفی 103ھ) نے لکھا ہے کہ آزر دراصل اس بت کا نام تھا جس کا وہ پجاری رہا ہے۔ اس نسبت سے اس کا نام بھی آزر پڑ گیا۔ قدیم زمانے میں بت پرست لوگ اپنے بچوں کے نام بتوں کے نام پر رکھ دیا کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کی والدہ کا نام کیا تھا؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ کی والدہ کا نام "امیلہ" تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ "بونا بنت کربنا بن کرثی" تھا۔ (البدایہ ج:1 ص:140)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش حضرت آدمؑ کے کتنے سال بعد ہوئی اور طوفان نوح کے کتنے عرصے بعد پیدا ہوئے؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ حضرت آدمؑ کے تین ہزار تین سو سینتیس (3337) سال بعد پیدا

ہوئے اور طوفان نوح کے 1263 سال بعد اور دوسرا قول یہ ہے کہ 1079 سال بعد پیدا ہوئے۔ (تاریخ الامم والملوک ج:1 ص:146)

سوال: حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کتنی عمر میں شادی کی اور وہ کس کی بیٹی تھیں؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ نے 37 سال کی عمر میں حضرت سارہ علیہا السلام سے شادی کی اور وہ حران کے بادشاہ کی لڑکی تھیں (طبری ج:1 ص:118 وج:1 ص:171) اور دوسرا قول علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت سارہ ہاران بن ناخور کی بیٹی تھیں جو حضرت ابراہیمؑ کے چچا تھے۔

(تاریخ ابن خلدون ج:1 ص:78)

سوال: حضرت ہاجرہؑ کس کی بیٹی تھیں؟

جواب: حضرت ہاجرہؑ بادشاہ مصر رقیون کی بیٹی تھیں۔ (حاشیہ تاریخ ابن خلدون ج:1 ص:78)

سوال: کیا حضرت ابراہیمؑ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ابوالانبیاء'' (نبیوں کے باپ) کے نام سے یاد فرمایا ہے؟

جواب: ہاں! حضرت ابراہیمؑ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ابوالانبیاء'' (نبیوں کے باپ) کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ قرآن کریم نے بھی حضرت ابراہیمؑ کو ملتِ اسلام کے باپ اور اسلام کو ''ملتِ ابراہیم'' قرار دیا ہے۔ بخاری کی روایت میں بھی اس قسم کی تصریح ملتی ہے۔ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ مَاھٰذِهِ الْاَضَاحِیُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ سُنَّةُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ (علیہ السلام) تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے!

سوال: قرآن کریم میں کتنی جگہ حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ ملتا ہے؟

جواب: قرآن کریم کی 25 سورتوں میں 63 آیات کے ضمن میں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ ملتا ہے۔

سوال: تاریخ عالم میں وہ کونسی پہلی قوم ہے جس کا سرکاری مذہب بت پرستی تھا؟

جواب: تاریخ عالم میں قوم ابراہیمؑ شاید یہ پہلی قوم ہوگی جس کا سرکاری مذہب بت پرستی تھا بت

سازی اور بت پرستی جس درجے اس قوم میں پائی جاتی تھی اس کی مثال بھی دشوار ہوگی۔

سوال: کیا حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ (عراقیہ) اور حضرت ہاجرہؓ (مصریہ) کے علاوہ ایک اور بھی نکاح کیا تھا۔ ان خاتون کا نام کیا تھا اور ان کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کی تعداد کیا ہے؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ نے ان دونوں کے علاوہ ایک اور بھی نکاح کیا تھا۔ ان خاتون کا نام قطورہؓ تھا ان کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کے 6 بیٹے پیدا ہوئے۔ تورات میں ان کے نام بھی لکھے گئے ہیں۔ انہی اولاد میں سے مَدْیَنْ یا مدیان کی نسل نے اپنی آبادی شہر مدین کے نام سے بسائی اور یہ بعد میں اصحابِ مدین کہلائے جن کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے پوتے وُڈان کی نسل اصحاب الایکہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ انہی دونوں قوم کی جانب حضرت شعیبؑ مبعوث کیے گئے تھے۔ مشہور مفسر قرآن حضرت قتادہؓ کی یہی رائے ہے۔

سوال: حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر کتنی تھی؟

جواب: حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر 87 سال تھی اور حضرت ✓ اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت ان کی عمر پورے 100 سال تھی اور حضرت ابراہیمؑ کی کل عمر 175 سال ہوئی۔

سوال: جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا اس وقت آپ کی عمر شریف کتنی تھی؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ اس وقت 16 سال کے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ 26 سال کے تھے۔ (صاوی ص:12 ج:3 پ:17)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کو جس آگ میں ڈالا گیا اس کے لئے کتنے دنوں تک لکڑیاں جمع کی گئی تھیں اور کتنے دنوں تک دہکایا گیا تھا؟

جواب: ایک مہینہ تک لکڑیاں جمع کی گئی تھیں، اور سات دن تک آگ کو دہکایا گیا تھا۔

(صاوی ص:82)

سوال: حضرت ابراہیمؑ آگ میں کتنے دن تک رہے؟

جواب: 7 دن، بعض نے چالیس دن اور بعض نے پچاس دن کہا ہے۔ (صاوی ص:82)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں کیا لباس پہنایا گیا کس نے پہنایا اور کہاں سے آیا تھا؟

جواب: ریشمی قمیص تھی جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہنائی تھی اور یہ جنت کا لباس تھا۔

(صاوی ص:82 ج:3)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں کس چیز میں بٹھا کر ڈالا گیا اور وہ آلہ کس نے سکھایا تھا؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں گوپیہ میں بٹھا کر ڈالا گیا اور یہ عمل شیطان نے سکھایا تھا اس لئے کہ جب قوم نمرود نے ابراہیمؑ کو ایک مکان میں بند کر دیا اور پھر آگ میں ڈالنے کے لئے باہر لائے تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ ابراہیمؑ کو کس طرح آگ میں ڈالا جائے کیونکہ آگ کی شدت کی وجہ سے آگ کے قریب آنا دشوار تھا اسی وقت شیطان آیا اور اس نے ان کو گوپیہ بنانا سکھلایا۔ (صاوی ص:82)

سوال: اس مکان کی اونچائی اور چوڑائی کتنی تھی جس میں آگ جلا کر ابراہیمؑ کو ڈالا گیا؟

جواب: اونچائی تیس ہاتھ اور چوڑائی بیس ہاتھ تھی۔ (حاشیہ جلالین ص:377)

سوال: حضرت ابراہیمؑ جس وقت آگ میں ڈالے گئے تو آپ نے آگ میں داخل ہوتے وقت کیا دعا پڑھی تھی؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ کو جس وقت آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے یہ دعا پڑھی حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ فِی السَّمَاءِ وَاحِدٌ وَّاَنَا فِی الْاَرْضِ وَاحِدٌ عَبْدُکَ۔

(کنز العمال ص:484)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کو نارِ نمرود میں جلانے کا مشورہ کس نے دیا تھا اور اسکا انجام کیا ہوا؟

جواب: اس شخص کا نام ہیزن تھا جس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک دھنستا ہی چلا جائے گا۔ (طبری ص:170 ج:1)

سوال: جب حضرت ابراہیمؑ نارِ نمرود سے صحیح سالم باہر نکل آئے تو نمرود نے کتنے جانور ذبح کرائے تھے؟

جواب: نمرود نے اللہ کے نام پر چار ہزار گائے قربان کی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے کہہ دیا تھا کہ تجھ کو کفر کی حالت میں قربانی کرنے کا فائدہ نہ ہوگا۔ (طبری ص:170 ج:1)

سوال: حضرت ابراہیمؑ جب آگ سے نکلے تو شاہ نمرود نے آپ کو کیا ہبہ کیا تھا؟

جواب: جس وقت حضرت ابراہیمؑ آگ سے صحیح سلامت باہر نکل آئے تو نمرود نے آپ کو ایک غلام ہبہ کیا تھا جس کا نام دمشق تھا۔ (تاریخ دمشق ص:44 ج:1)

سوال: حضرت ابراہیمؑ نے "ھذا ربی" کس ستارہ کو دیکھ کر کہا تھا؟

جواب: مشتری نامی ستارہ کو دیکھ کر کہا تھا۔ (حاشیہ تاریخ ابن خلدون اردو ص:70 ج:1)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کی زبان کونسی تھی؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ کی اصل زبان تو سریانی تھی مگر جس وقت حضرت ابراہیمؑ اپنے شہر سے بہ ارادۂ ہجرت نکل کر چلے ادھر نمرود کو جب اطلاع ملی تو اس نے اپنے جاسوس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑنے بھیج دیئے نمرود کے یہ قاصد حضرت ابراہیمؑ کے پاس اس وقت پہنچے کہ آپ دریا کو پار کر رہے تھے اب اگر ان کے ساتھ مادری زبان (سریانی) میں گفتگو کرتے تو وہ پکڑ لیتے خداوند تعالیٰ نے اسی وقت حضرت ابراہیمؑ کی زبان سریانی سے عبرانی میں تبدیل کر دی۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری ص:52 ج:1)

سوال: وہ کونسے نبی ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں جب کہ تمام انبیاء نے صرف ایک ہجرت کی؟

جواب: وہ حضرت ابراہیمؑ ہیں پہلی ہجرت آپ نے قصبہ کوثی سے کی جو ملک عراق کے شہر بابل کا ایک قصبہ ہے کوفہ کی طرف، اور دوسری ہجرت کوفہ سے ملک شام کی طرف۔ (کشاف)

سوال: مذبح اسماعیلؑ بیت اللہ سے کتنی دوری پر تھا، اور حضرت اسماعیلؑ کے بدن مبارک پر اس وقت کس رنگ کی قمیص تھی؟

جواب: مذبح یعنی جس جگہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا وہ جگہ بیت اللہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھی اور حضرت اسماعیلؑ اس وقت سفید رنگ کی قمیص پہنے ہوئے تھے۔ (طبری ص:174 ج:1)

سوال: کس نبی نے امت محمدیہ کو سلام کہلوایا؟

جواب: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج تشریف لے گئے اور رخصت ہونے لگے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امت محمدیہ کو سلام کہلوایا تھا۔ (مشکوۃ ص:202 ج:2)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کہاں پیدا ہوئے بوقت پیدائش والد کی عمر کیا تھی اور آپ کا لقب کیا تھا؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ صحیح قول کے مطابق بابل میں پیدا ہوئے پیدائش کے وقت آپ کے والد کی عمر 75 سال تھی اور حضرت ابراہیمؑ کا لقب ابوالضیفان تھا (چونکہ آپؑ بہت مہمان نواز تھے)۔ (البدایہ ص:140 ج:1)

سوال: حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ و یعقوبؑ کی بشارت پیدائش دینے کے لئے کون کون سے فرشتے آئے تھے؟

جواب: حضرت جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ تشریف لائے تھے ان ہی تینوں فرشتوں کے ذریعہ قوم لوط کو ہلاک کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ ص:179 ج:1)

سوال: حضرت ابراہیمؑ سے ایجاد ہونے والی چیزیں کون کون سی ہیں؟

جواب: (1) سب سے پہلے اللہ اکبر حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ (بغیۃ الظمآن)

(2) سب سے پہلے جمعہ کے لئے غسل حضرت ابراہیمؑ نے کیا۔ (محاضرہ ص:58 بحوالہ بغیۃ الظمآن ص: 23) (3) سب سے پہلے منبر پر خطبہ حضرت ابراہیمؑ نے دیا۔ (محاضرہ ص:143 بحوالہ بغیۃ الظمآن) (4) سب سے پہلے کلی و مسواک حضرت ابراہیمؑ نے کی اور بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے مسواک کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

(قصص الانبیاء بحوالہ بغیۃ الظمآن)

(5) سب سے پہلے ناک میں پانی حضرت ابراہیمؑ نے ڈالا۔ (محاضرہ بحوالہ بغیۃ الظمآن)

(6) سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ناخن تراشے۔ (محاضرہ بحوالہ بغیۃ الظمآن)

(7) سب سے پہلے بغل کے بال حضرت ابراہیمؑ نے کاٹے۔ (محاضرہ ص:58 بحوالہ بغیۃ)

(8) سب سے پہلے مونچھیں حضرت ابراہیمؑ نے کاٹیں۔ (محاضرہ ص:58 بحوالہ بغیۃ)

(9) انبیاء میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کی داڑھی سفید ہوئی۔
(محاضرہ ص:58 بحوالہ بغیۃ)

(10) سب سے پہلے زیرناف کے بال حضرت ابراہیمؑ نے کاٹے۔ (بغیۃ الظمآن)

(11) سب سے پہلے مہندی کا خضاب حضرت ابراہیمؑ نے کیا۔ (محاضرہ ص:9 بحوالہ بغیہ)

(12) انبیاء میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے بسولہ سے اپنی ختنہ کی۔
(قصص الانبیاء ص:68)

(13) سب سے پہلے پانی سے استنجاء حضرت ابراہیمؑ نے کیا۔ (محاضرہ ص:58 بحوالہ بغیۃ)

(14) سب سے پہلے مہمان نوازی اور مالِ غنیمت راہ خدا میں خرچ حضرت ابراہیمؑ نے کیا
(کامل العدی ومحاضرہ ص:57 بغیۃ الظمآن)

مکہ کے آخری صحابی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مکہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔
ان کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی۔

عشق والے حساب کیا جانیں......؟؟

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے
ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے
عشق والے حساب کیا جانیں

عشق والوں کو حساب کتاب کا کیا پتہ۔

وہ تو اللہ کی محبت میں نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

(ازافادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم)

(انمول حدیث ص: ۱۰۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت اسماعیل

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک بڑا زبردست خطرہ ہے......

نوخیز نسلوں کی تعلیم کا جو نظام اس وقت ملک میں رائج ہے، اس میں اکثریتی فرقہ کے مذہبی خیالات اور اسی فرقہ کی قدر آور شخصیتوں کو نمونہ کے طور پر پیش کرنے کا جو طرز اختیار کیا جارہا ہے، وہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور ان کی اخلاقی قدروں اور ان کی اسلامی امنگوں سے عموماً متضاد اور برخلاف ہے، اس کے اثر سے مسلمان بچے بڑے ہو کر اپنے پیشواؤں سے ناواقف رہتے ہوئے غیروں کے پیشواؤں کو اپنے لئے قابلِ تقلید نمونہ سمجھیں گے، اور عقیدہ وعبادت کے سلسلہ میں اسلامی رہنمائی کے بجائے غیر اسلامی بلکہ مشرکانہ رہنمائی میں پرورش پائیں گے، یہ ایک بڑا خطرہ ہے۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے کلیدی خطبۂ صدارت سے ایک اقتباس جو انہوں نے دینی تعلیم کونسل اتر پردیش کے اجلاس منعقدہ ۸؍ مئی ۲۰۰۵ء کو رائے بریلی میں پیش کیا تھا۔)

◆◆◆

(۷) حضرت اسماعیل علیہ السلام

سوال: اسمٰعیل کے معنیٰ کیا ہیں؟

جواب: اسمٰعیل "اِسمع" اور "اِیل" دو لفظوں سے مرکب ہے، عبرانی زبان میں "اِیل" کے معنیٰ اللہ کے ہیں اور عربی میں اِسمع کے معنیٰ ہیں سُن۔ چونکہ اسمٰعیلؑ کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سُن لی اور حضرت ہاجرہؓ کو فرشتے سے بشارت ملی اس لئے ان کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ عبرانی میں اس کا تلفظ "شماع اِیل" ہے۔ شماع کے عبرانی معنیٰ بھی سُن کے ہیں

سوال: حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر قرآن کریم میں کتنی جگہ آیا ہے؟

جواب: حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر خیر، تذکرہ حضرت ابراہیمؑ کے ضمن میں بھی بکثرت آیا ہے لیکن مستقل طور پر حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر مبارک قرآن کریم کی 7 سورتوں میں 11 آیات کے ضمن میں موجود ہے۔

سوال: جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل روانہ ہوگئے اس مرحلہ پر حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر کیا تھی؟

جواب: بعض مفسرین نے 13 اور بعض نے کچھ زیادہ لکھی ہیں لیکن کسی مستند روایت میں اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا۔

سوال: حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کی تعداد کیا تھی؟

جواب: حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کا ذکر قرآن کریم یا احادیث نبوی میں نہیں ملتا، البتہ تورات نے ان کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ تورات کے قول کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ کے 12 لڑکے تھے جو بعد میں 12 سردار کہلائے اور یہی قبائلِ عرب کے جدِّ اعلیٰ بنے ہیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی ایک لڑکی کا نام بشامہ یا محلاۃ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ تورات کی تصریح کے مطابق ان لڑکوں کے نام یہ ہیں۔

(1) نابت (2) قیدار (3) اوبئیل (4) ہشام (5) مشماع (6) رومہ (7) منشا (8) عدار (9) تیما (10) یطورا (11) نافیش (12) قیدما۔ یہ اپنی جماعتوں کے بارہ رئیس تھے۔

ان میں دو بڑے بیٹے نابت اور قیدار نے بہت شہرت پائی، عرب مؤرخین نے بھی ان کے حالات بیان کئے ہیں۔ نابت کی اولاد اصحاب الحجر کہلائی اور قیدار کی نسل اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہوئی ان ہر دو کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

سوال: حضرت اسمٰعیلؑ نے کتنی عمر میں وفات پائی اور کہاں مدفون ہیں؟

جواب: حضرت اسمٰعیلؑ نے 136 سال کی عمر میں وفات پائی، اس وقت ان کی اولاد کا سلسلہ دور دراز علاقوں میں پھیل گیا تھا۔ جس میں حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک شامل ہیں۔

عرب مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ اپنی ماں حضرت ہاجرہؓ کے پہلو میں بیت اللہ کے قریب حرم شریف میں مدفون ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تاریخ ابن خلدون ص:92 ج:1)

سوال: حضرت اسماعیلؑ کے حلقوم پر چھری کیوں نہیں چلی مینڈھا کہاں سے آیا تھا اس پر کس رنگ کی اون تھی؟

جواب: چھری چلاتے وقت رانگ کا ٹکڑا چھری اور گلے کے درمیان حائل ہو گیا تھا وہ مینڈھا جنت کا تھا جس پر سرخ رنگ کی اون تھی۔ واللہ اعلم۔ (طبری ص:195 ج:1)

سوال: حضرت اسماعیلؑ کی کل عمر کتنی ہوئی؟

جواب: حضرت اسماعیلؑ کی کل عمر 130 سال ہوئی، دوسرا قول 133 سال کا اور تیسرا قول 136 کا ہے۔ (تاریخ ابن خلدون ص:92 وص:921 طبری ص:208)

سوال: جس وقت حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ وحضرت ہاجرہ کی عمر کیا تھی؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ کی عمر 120 سال تھی اور حضرت ہاجرہ کی عمر 70 سال تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ 86 سال کے تھے۔ (الکامل فی التاریخ ص:102 ج:1)

سوال: کعبہ مشرفہ کا وجود انسانی تاریخ سے پہلے بیان کیا جاتا ہے، لیکن قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو کعبۃ اللہ کا بانی اول کہا ہے۔ وہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ اس کے معمار

اول شمار کیے گئے ہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: کعبہ مشرفہ کا وجود انسانی تاریخ سے بہت پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ زمین پیدا بھی نہ ہوئی تھی اس خطہ پر صرف پانی ہی پانی تھا اس وقت موجودہ خانہ کعبہ کی جگہ پانی پر ایک کثیف قسم کا جھاگ رہا کرتا تھا۔ یہی جگہ کعبۃ اللہ کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ **ملائکۃ اللہ** اس کے اطراف طواف کیا کرتے تھے۔ پھر جب اللہ نے زمین پیدا کرنی چاہی تو اسی جھاگ والے حصے سے زمین کا آغاز ہوا اور پانی کے 1.3 حصے پر زمین آ گئی۔ کعبۃ اللہ ویسے ہی ابھرا ہوا برقرار رہا جو چھوٹے ٹیلے کی شکل میں تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی اسی جگہ کی نشان دہی کی، حضرت آدمؑ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو کچھ اونچا کیا۔ اور وہ اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا طواف کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کعبۃ اللہ دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔ کسی عربی شاعر نے اس کو ثلاثی میں نظم کیا ہے:

بنیٰ بیت ربّ العرش عشر فَخذهم
ملائِکۃُاللّٰه الکرام واٰدمُ
فشیث فابراهیم ثم عمالِقٌ
قُصیّ وقُریش قَبْل هٰذین جُرْهَمُ
وعبداللّٰه بن الزبیر بَنی کَذا
بناه حَجّاج وهذا مُتَمِّمُ

اللہ کا یہ گھر دس مرتبہ از سر نو تعمیر کیا۔

(1) فرشتوں نے (2) حضرت آدمؑ نے (3) حضرت شیثؑ نے (4) حضرت ابراہیمؑ نے (5) قوم عمالقہ نے (6) قبیلہ جُرھُم نے (7) قصّی نے (8) قریش نے (9) عبداللہ بن زبیرؓ نے (10) حجاج بن یوسف نے۔

لیکن قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیمؑ کو کعبۃ اللہ کا بانی اول کہا ہے۔ وہ اور ان کے صاحبزادے

حضرت اسماعیلؑ اس کے معمار اول شمار کئے گئے ہیں۔ اگرچہ کعبۃ اللہ کا وجود دنیا کے روز اول ہی سے تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس کی باقاعدہ تعمیر و عمارت سازی حضرت ابراہیمؑ سے قبل وجود میں نہ آئی تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں ایک روایت نقل کی ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی بنیاد حضرت آدمؑ کے ہاتھوں رکھی گئی اور ملائکۃ اللہ نے ان کو وہ مقام بتایا جہاں کعبۃ اللہ کی تعمیر ہونی تھی مگر ہزاروں سال کے حوادث نے عرصے سے اس کو بے علامت کر دیا تھا لیکن ہر دور میں وہ ایک ٹیلہ یا ابھری ہوئی زمین کی شکل میں موجود تھا۔ یہی وہ مقام ہے، جس کو وحی الٰہی نے سیدنا ابراہیمؑ کو بتایا، انہوں نے حضرت اسماعیلؑ کی مدد سے وہاں کھودنا شروع کیا تو سابق تعمیر کی بنیادیں نظر آنے لگیں۔ انہی بنیادوں پر بیت اللہ کی پہلی باقاعدہ تعمیر کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ کعبۃ اللہ کی دیوار اٹھا رہے تھے وہ غیر محسوس طور پر بلند ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ کعبۃ اللہ کی دیواریں اپنی بلندی تک آ گئیں۔ یہی پتھر آج "مقام ابراہیمؑ" کے نام سے معروف ہے، جس کے پیچھے طواف کی دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ جب تعمیر اس حد پر پہنچی جہاں آج حجر اسود نصب ہے تو جبرئیل امینؑ نے ان کی راہنمائی کی اور حجر اسود جو قریب کی پہاڑی میں منجانب اللہ محفوظ تھا نکال کر دیا۔ یہ جنت سے نازل شدہ پتھر تھا تاکہ وہ کعبۃ اللہ میں نصب کر دیا جائے۔ □□□

مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب

□ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا ہے کہ پوری دنیا میں آج مسلمان دینی و دنیوی اعتبار سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو میری سمجھ میں اس کے دو اسباب آتے ہیں۔ ایک تو مسلمانوں کا قرآن مجید چھوڑ دینا اور دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اسلئے میں مالٹا جیل سے عزم کر کے آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں پھر قرآن مجید کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے، بچوں کیلئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اسکے معانی و مفہوم سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیلئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کسی بھی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ (شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اسحٰق

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ یہ دنیا آزمائش کے لئے بنایا ہے……

اور دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی ہے، یوں ہی نہیں پیدا کی ہے، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے تم سمجھتے ہو کہ ہم نے بیکار پیدا کیا ہے، بیکار نہیں پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نیدنیا بنائی اور اس پر انسانوں کو بسایا اور ان کو سہولتیں اور سارے وسائل دیئے تاکہ دیکھے کہ وہ ان وسائل کو کیسے استعمال کرتے ہیں، اپنے رب کی نافرمانی میں یا فرمانبرداری میں، دنیا بنائی ہے جانچنے کے لئے، امتحان کے لئے، اس میں بیماریاں بھی ہوں گی موتیں بھی آئیں گی، یہ سب چیزیں آزمائش کے طور پر ہیں۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکا کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۳۰؍نومبر ۲۰۰۸ء کو مولانا جمال احمد کے بڑے بھائی الحاج انیس احمد صاحبؒ علیگ کی اچانک وفات پر ان کی تعزیت کے سلسلے میں مولانا موصوف کے مکان ہی پر ایک وسیع ہال میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۸) حضرت اسحٰق علیہ السلام

سوال: حضرت اسحٰقؑ کی ولادت باسعادت کب ہوئی؟

جواب: حضرت ابراہیمؑ کی عمر جب سو (100) برس کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ انہیں بشارت پہنچائی کہ حضرت سارہؓ کے بطن سے بھی تمہیں ایک اور لڑکا ہوگا اس کا نام اسحٰق رکھنا۔ اس وقت حضرت سارہؓ کی عمر نوے (90) سال تھی۔ حضرت اسحٰقؑ اپنے بڑے بھائی حضرت اسمٰعیلؑ سے عمر میں تیرہ (13) سال چھوٹے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی بشارت بھی حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح ملی۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت ملی تھی تو غُلَامٌ حَلِیْمٌ (ایک بردبار لڑکا) کے الفاظ سے ملی تھی۔ اور حضرت اسحٰقؑ کی بشارت غُلَامٌ عَلِیْمٌ (علم والا لڑکا) کے الفاظ سے ملی۔

سوال: اسحٰق کے معنیٰ کیا ہیں؟

جواب: اسحٰق کا اصلی تلفظ یصحق ہے۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی ترجمہ یَضْحَکُ ہے جس کے معنیٰ (ہنستا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو سو (100) برس کی عمر اور حضرت سارہؓ کو نوے (90) سال کی عمر میں جب بیٹا ہونے کی بشارت دی تو حضرت ابراہیمؑ کو تعجب ہوا تھا اور حضرت سارہؓ ہنس پڑی تھیں اس لئے بیٹے کا نام اسحٰق تجویز ہوا۔ یا اس لئے یہ نام رکھا گیا کہ ان کی پیدائش حضرت سارہؓ کی مسرت وشادمانی کا باعث بنی۔ واللہ اعلم۔

سوال: حضرت اسحٰقؑ کا ختنہ کب ہوا؟

جواب: حضرت اسحٰقؑ جب آٹھ دن کے ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کا ختنہ کروایا۔

سوال: حضرت اسحٰقؑ کا نکاح کس سے ہوا؟

جواب: قرآن کریم میں اس تعلق سے کوئی ذکر نہیں اور نہ احادیث میں ایسا کوئی قصہ ملتا ہے جیسا

کہ حضرت اسمٰعیلؑ کا تذکرہ آیا ہے۔ البتہ تورات میں حضرت اسحٰقؑ کے نکاح کا ایک طویل قصہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کا نکاح حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے بتوئیل بن ناحور کی بیٹی رُفقہ سے ہوا۔

سوال: حضرت اسحٰقؑ کی اولاد کی تعداد کیا ہے؟

جواب: حضرت رُفقہؓ سے حضرت اسحٰقؑ کی تو اُم دو لڑکے علی الترتیب عیصو اور یعقوب پیدا ہوئے، اس وقت حضرت اسحٰقؑ کی عمر ساٹھ (60) سال تھی اور بعض نے چالیس (40) سال لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال: حضرت اسحٰقؑ حضرت اسماعیلؑ کے کتنے سال بعد پیدا ہوئے؟

جواب: حضرت اسحٰقؑ حضرت اسماعیلؑ کے 13 سال بعد پیدا ہوئے۔

(البدایہ ص:153) دوسرا قول 14 سال کا بھی ہے۔ (الاتقان ص:343)

سوال: حضرت اسحٰقؑ کی عمر کتنی ہوئی؟

جواب: حضرت اسحٰقؑ کی عمر 180 سال ہوئی۔ (تاریخ دمشق ص:27 ج:1)

عید انعام کا دن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید الفطر کا دن آتا ہے تو خدا کے فرشتے تمام راستوں کے نکڑ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ...... اے مسلمانو! رب کے پاس چلو جو بڑا کریم ہے اور جو نیکی اور بھلائی کی باتیں بتاتا اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے، پھر اس پر بہت زیادہ انعام دیتا ہے۔ تمہیں اس کی طرف سے تراویح پڑھنے کا حکم دیا گیا، تم کو دن میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تو تم نے روزے رکھے اور اپنے رب کی اطاعت گزاری کی تو اب چلو اپنا انعام لے لو...... اور جب لوگ عید کی نماز پڑھ چکتے ہیں تو خدا کا ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ "اے لوگو! تمہارے رب نے تمہاری بخشش فرمادی پس تم اپنے گھروں کو کامیاب وکامران لوٹو! یہ عید کا دن انعام کا دن ہے اور اس دن کو فرشتوں کی دنیا میں انعام کا دن کہا جاتا ہے"...... (ترغیب وترہیب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت لوط

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سائڈ ایفیکٹ سے ہمیں اپنے بچوں کو بچانا ہوگا......

آپ دیکھتے ہیں اور اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ ڈاکٹر لوگ جو دوائیں دیتے ہیں، ان سے سائڈ ایفیکٹ بھی ہوتا ہے، تو اس کو دور کرنے کے لئے بھی دوائیں دیتے ہیں، تو ہمیں بھی یہی کرنا پڑے گا کہ جو تعلیم کا نظام ہے اس سے ہم بچ نہیں سکتے، لیکن ہمیں سائڈ ایفیکٹ سے ہمیں اپنے بچوں کو بچانا ہوگا۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے دارالعلوم فرقانیہ سہسرام میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۹) حضرت لوط علیہ السلام

سوال: کس نبی کے ساتھ قیامت کے دن اس کی امت نہیں ہوگی؟

جواب: قیامت کے دن ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم وامت ہوگی مگر حضرت لوطؑ کے ساتھ ان کی امت نہ ہوگی بلکہ وہ تنہا کھڑے ہوں گے۔

(کشف الاسرار بحوالہ روح البیان ص:9 ج:8 الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ص:159 ج:6)

سوال: حضرت لوطؑ کس علاقے کے لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور کئے گئے؟

جواب: حضرت لوطؑ اُردن اور بیت المقدس کے درمیان علاقہ سدوم کے لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور کئے گئے۔ (ہدایت کے چراغ جلد:1 ص:262)

سوال: سدوم کا علاقہ کتنے شہروں پر مشتمل تھا؟ اوران کے نام کیا ہیں؟

جواب: سدوم کا علاقہ پانچ بڑے شہروں پر مشتمل تھا۔ جن کے نام یہ بیان کئے جاتے ہیں:

(1) سدوم (2) عمورہ (3) ادمہ (4) صبوبیم (5) بالع (یا) صوغر۔

ان شہروں کے مجموع کو قرآن کریم نے مُؤْتَفِکَۃٌ، مُؤْتَفِکَاتٌ (تلپٹ شدہ بستیاں) کے الفاظ سے کئی ایک جگہ بیان کیا ہے سدوم ان شہروں کا دار السلطنت اور مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ (ہدایت کے چراغ)

سوال: حضرت لوطؑ کے والد کا نام کیا تھا؟

جواب: حضرت لوطؑ کے والد کا نام ہاران تھا۔ (قصص القرآن ج:1 ص:256)

سوال: حضرت لوطؑ کا حضرت ابراہیمؑ سے کیا رشتہ تھا؟

جواب: حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے (برادرزادہ) تھے۔

سوال: کس مقام پر قوم لوط پر عذاب آیا؟

جواب: سدوم اردن کی وہ جانب جہاں آج بحرمیت یا بحرلوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جس میں

سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں، اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جواب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانے میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے، سدوم و عامورہ کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں۔ یہ مقام شروع سے سمندر نہیں تھا بلکہ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً 400 میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا، اسی لئے اس کا نام بحرمیت اور بحرلوط ہے۔

یہ صحیح ہو یا غلط بہر حال یہ مسئلہ حقیقت رکھتا ہے کہ اسی بحرمیت کے ساحل پر وہ حادثہ رونما ہوا جو قوم لوط کے عذاب سے موسوم ہے اور جو گزشتہ دو سال کی اثری تحقیق نے بحرمیت کے ساحل پر لوطؑ کی بستیوں کے بعض تباہ شدہ آثار ہویدا کر کے اس علم یقین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ جس کا اعلان ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن عزیز نے کر دیا تھا۔

سوال: قوم لوطؑ کونسے فواحش اور معصیتوں میں مبتلا تھی؟

جواب: لوطؑ نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان، الحفیظ...... دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں موجود نہ ہو اور کوئی خوبی ایسی نہیں تھی جو ان میں پائی جاتی ہو، دنیا کی سرکش، متمرد اور بد اخلاق و بد اطوار اقوام کے دوسرے عیوب و فواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی، یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کی بجائے امرد لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے، دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اس وقت تک قطعاً کوئی رواج نہ تھا، یہی بد بخت قوم ہے۔ جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی، اس عمل کا نام ''لواطت'' مشہور ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ شرارت، خباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکاری کو عیب نہیں سمجھتے تھے، اور علی الاعلان فخر و مباہات کے ساتھ اس کو کرتے رہتے تھے۔ وَلُوْطاً اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ مَاسَبَقَکُمْ بِھَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِیْنَ۔ اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَھْوَۃً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۔ (ع:10 اعراف)

اور (یاد کرو) لوط کا واقعہ جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسے فحش کام میں مشغول ہو جس کو دنیا میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا، یہ کہ بلاشبہ تم عورتوں کی بجائے اپنی شہوت کو مردوں سے پوری کرتے ہو، یقیناً تم حد سے گزرنے والے ہو، عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ میں نے عبرانی ادب کی ایک کتاب میں ان کی بعض بداعمالیوں کا حال پڑھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سدوم کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک نئے اور اچھوتے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے، چنانچہ ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور لے کر چل دیتا اور تاجر بے چارہ حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا، اب اگر اس نے اپنے ضیاع مال کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لٹیروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا ہے کہ بھائی میں تو یہ لے گیا تھا، لو تمہاری یہ چیز موجود ہے، وہ رنجیدہ آواز میں کہتا کہ میں اس کو لیکر کیا کروں گا، جہاں میرا سارا مال لٹ گیا وہاں یہ بھی سہی، جا تو ہی اپنے پاس رکھ، جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو اب دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی سی چیز دکھا کر وہی کہتا ہے جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج وغم اور غصہ میں اس سے بھی پہلی بات لوٹا کر کہہ دیتا۔ اسی طرح سب اس کا مال ہضم کر جاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگا دیتے۔

اسی کتاب میں یہ عجیب قصہ بھی نقل کیا ہے کہ ابراہیمؑ اور سارہؓ نے ایک مرتبہ حضرت لوطؑ کی عافیت وخبر معلوم کرنے کے لئے اپنے خانہ زاد الیعزر دمشقی کو سدوم بھیجا، یہ جب بستی کے قریب پہنچا تو اجنبی سمجھ کر ایک سدومی نے اس کے سر پر پتھر کھینچ مارا، الیعزر کے سر سے خون جاری ہو گیا، تب آگے بڑھ کر سدومی کہنے لگا کہ میرے پتھر کی وجہ سے یہ تیرا سر سرخ ہوا ہے لہٰذا مجھے اس کا معاوضہ ادا کر، اور اس مطالبہ کے لئے کھینچتا ہوا سدوم کی عدالت میں لے گیا، حاکم سدوم نے مدعی کا بیان سن کر کہا کہ بیشک الیعزر کو سدومی کے پتھر مارنے کی اجرت دینی چاہئے، الیعزر یہ سن کر غصہ میں آ گیا اور ایک پتھر اٹھا کر حاکم کے سر پر دے مارا اور کہنے لگا کہ میرے پتھر مارنے کی

جو اجرت ہے وہ تو اس سدومی کو دے دینا اور یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ گیا۔

یہ واقعات صحیح ہوں یا غلط لیکن اس سے یہ روشنی ضرور پڑتی ہے کہ اہل سدوم اس قدر ظلم، فحش، بے حیائی، بداخلاقی اور فسق و فجور میں مبتلا تھے کہ اس زمانہ کی قوموں میں ان کی جانب اس قسم کے واقعات عام طور پر منسوب کیئے جاتے تھے۔ ان حالات میں حضرت لوطؑ نے ان کو ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت و طہارت کی زندگی کی رغبت دلائی، اور حسن خطابت، لطافت اور نرمی کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہوسکتے تھے ان کو سمجھایا اور موعظت و نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج و ثمرات بتا کر عبرت دلائی۔

سوال: قوم لوط پر کب اور کس طرح کا عذاب آیا؟

جواب: آخر عذاب الٰہی کا وقت آپہنچا، ابتداء شب ہوئی تو ملائکہ کے اشارہ پر حضرت لوطؑ اپنے خاندان سمیت دوسری جانب سے نکل کر سدوم سے رخصت ہوگئے اور ان کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کر دیا اور راستہ ہی سے لوٹ کر سدوم واپس آگئی، آخر شب ہوئی تو اول ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا اور پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا اور وہی ہوا جو گزشتہ قوم کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا ہے۔

سوال: حضرت لوطؑ کی کتنی بیٹیاں تھیں؟

جواب: حضرت لوطؑ کی صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔

سوال: لواطت کی شرعی سزا کیا ہے؟

جواب: قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لواطت ایک بدترین گناہ ہے جس پر ایک پوری کی پوری قوم اللہ کے شدید ترین غضب میں گرفتار ہوئی۔ اس کے بعد روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کو پاک رکھنے کے لئے حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ اس جرم کے مرتکبین کو سخت ترین، عبرت ناک سزا دی جانی چاہئے۔ حدیث شریف میں مختلف سزائیں

بیان کی گئی ہیں ایک روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں:۔ اُقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِہٖ (الحدیث) ”فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو“۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ اور بھی ہے: اَحْصَنَا اَوْلَمْ یُحْصِنَا۔ (شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ) ایک اور روایت میں یہ حکم بھی ملتا ہے: فَارْجُمُوا الْاَعْلٰی وَالْاَسْفَلَ (الحدیث) اوپر والا اور نیچے والا دونوں سنگسار کر دیئے جائیں۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً ایسی کوئی سزا جاری نہیں فرمائی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایسے مجرم کو تلوار سے قتل کر دیا جائے اور دفن کر دینے کی بجائے اس کی لاش کو جلا دیا جائے۔

اسی رائے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اتفاق فرمایا تھا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی رائے یہ ہے کہ ایسے مجرم کو کسی بوسیدہ عمارت کے نیچے کھڑا کر کے وہ عمارت ان پر ڈھادی جائے۔

حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ بستی کی سب سے اونچی عمارت پر سے اس کو سر کے بل پھینک دیا جائے، اوپر سے پتھر برسائے جائیں یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے تاکہ قرآن حکیم نے اس لوطی قوم پر عذاب کی جو صورت بیان کی ہے اس سے مماثلت پیدا ہو جائے

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاعل و مفعول واجب القتل ہیں۔

امام شعبیؒ، زہریؒ، امام مالکؒ و امام احمدؒ کے ہاں اس کی سزا سنگساری ہے حضرت سعید بن مسیّبؒ، عطاءؒ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کی رائے ہے کہ اس جرم پر وہی سزا دی جائے گی جو زنا کی سزا ہے یعنی غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور جلاوطن کر دیا جائے گا اور شادی شدہ کو رجم (سنگسار) کیا جائے گا۔

سزاؤں کے اختلاف کی وہی وجہ ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے اس سلسلہ میں کوئی مخصوص حد شرعی ثابت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے جرائم ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے

نہایت قبیح اور بدترین قسم کے شمار کئے جاتے ہیں ایسے تمام جرائم پر امیر المؤمنین کو شریعت اسلامی کی جانب سے تعزیرات جاری کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور تعزیرات کے لئے کوئی خاص سزا مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ جیسے حالات وتقاضے ہوں اس لحاظ سے ایسے مجرم کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ کا ایک قول لوطی کے بارے میں یہی منقول ہے۔ (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنۡهَا)

فعل لواطت اپنی قباحت وشناعت میں جس قدر بھی شدید ہے ویسے ہی شدید سزا کا بھی مستحق ہے اس لئے ہر زمانے میں ایسے مجرموں کو مختلف سزائیں دی جاتی رہیں ہیں۔ اور اس فعل کو کسی بھی حیثیت سے کبھی روا نہ رکھا گیا۔

اس سلسلے میں یہ بات قطعی طور پر ملحوظ رکھی جانی چاہئے کہ شوہر کا اپنی بیوی سے لواطت کرنا بھی حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَلۡعُوۡنٌ مَنۡ اَتَی الۡمَرۡأَةَ فِیۡ دُبُرِهَا (ابوداؤد) ’’اپنی بیوی سے یہ فعل کرنے والا ملعون ہے‘‘۔ اور ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: لَایَنۡظُرُ اللّٰهُ اِلٰی رَجُلٍ جَامَعَ امۡرَأَتَهٗ فِیۡ دُبُرِهَا۔ (ابن ماجہ، مسند احمد) ’’اللہ اس مرد پر ہرگز نظر رحمت نہیں کرے گا جو اپنی بیوی کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے‘‘۔ جامع ترمذی کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: مَنۡ اَتٰی حَائِضاً اَوۡ اِمۡرَأَةً فِیۡ دُبُرِهَا اَوۡ کَاهِناً فَصَدَّقَهٗ فَقَدۡ کَفَرَ بِمَا اُنۡزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (الحدیث) ’’جس نے حائضہ عورت سے مجامعت کی، یا عورت کے ساتھ عمل قوم لوط کیا، یا کاہن کے پاس گیا اور اس کی پیش گوئی کی تصدیق کی اس نے ان تمام باتوں کا انکار کر دیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں ہیں‘‘۔ □□□

چار کی قدر چار ہی جانتے ہیں

❖ حاتم الزاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چار کی قدر چار ہی جانتے ہیں:

- جوانی کی قدر صرف بوڑھے جانتے ہیں۔
- عافیت کی قدر صرف مصیبت والے جانتے ہیں۔
- صحت کی قدر مریضوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
- زندگی کی قدر مردے ہی جانتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت یعقوب

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لاکھوں عربوں کے عیسائی بننے کی وجہ

برازیل میں لاکھوں عرب عیسائی مذہب اختیار کر چکے ہیں۔ اسی طرح آسٹریلیا میں ہزاروں عرب عیسائی بن چکے ہیں۔ ﴿حضرت مولانا طارق جمیل﴾

ہزاروں کی آبادی کلمہ سے محروم

بقول مولانا احمد صاحب کے‘ کہ (اس دنیا میں) لاکھوں گاؤں ایسے ہیں جہاں کوئی بھی صحیح کلمہ پڑھنے والا نہیں۔

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص: ۲۲۲﴾

◆◆◆

(۱۰) حضرت یعقوب علیہ السلام

سوال: حضرت یعقوبؑ کا نسب نامہ کیا ہے؟

جواب: حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں، اور حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے بتوئیل کے نواسے، ان کی والدہ کا نام رفقہ یا ربقہ تھا، یہ اپنی والدہ کے چہیتے اور پیارے تھے اور ان کی حقیقی بھائی عیسو والد کا محبوب اور پیارا، اور دونوں حقیقی بھائی تھے۔

سوال: حضرت یعقوبؑ کی شادی کس سے ہوئی؟

جواب: تورات کی روایت کے مطابق دونوں بھائیوں میں نااتفاقی کے باعث حضرت یعقوبؑ اپنی والدہ کے مشورہ پر جب شہر فدان آرام کو چلے گئے تو ان کے حقیقی ماموں لابان نے ان سے عہد لیا کہ وہ دس سال تک ان کے ہاں رہ کر ان کی بکریاں چرائیں تو وہ اس مدت کو مہر قرار دے کر اپنی لڑکی سے شادی کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ نے اس مدت کو پورا کیا تو لابان نے اپنی بڑی لڑکی لایہ کا نکاح ان سے کرنا چاہا مگر حضرت یعقوبؑ کی والدہ محترمہ کا رجحان چھوٹی لڑکی راحیل کی طرف تھا۔ لابان نے یہ عذر کیا کہ یہاں کے دستور کے مطابق بڑی لڑکی کے نکاح سے پہلے چھوٹی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا اس لئے تم اس رشتہ کو منظور کر لو اور یعقوبؑ کے قیام میں مزید دس سال اور اضافہ کر کے ان کو میری خدمت میں رکھو تو راحیل بھی نکاح میں دے دی جائے گی (اس شریعت میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز تھا) چنانچہ حضرت یعقوبؑ نے اس مدت کو بھی پورا کیا اور راحیل یعنی چھوٹی لڑکی سے بھی نکاح کر لیا۔ ان دونوں کے علاوہ لایہ (بڑی بیوی) کی کنیز زلفا اور راحیل کی کنیز بلہا بھی حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں آ گئیں۔ ان سب خواتین سے اولاد بھی ہوئی اور بنیامین (حضرت یوسفؑ کے چھوٹے بھائی) کے علاوہ حضرت یعقوبؑ کی تمام اولاد اپنے ماموں ہی کے ہاں زمانۂ قیام میں پیدا ہوئی۔ اور جب حضرت یعقوبؑ وطن واپس آ گئے تو یہاں بنیامین پیدا ہوئے۔

لابان نے حضرت یعقوبؑ کو اپنے ہاں بیس سال رکھنے کے بعد بہت سارا ساز و سامان دیکر رخصت کیا اور یہ وہاں اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کے دارالہجرت فلسطین میں آ کر مقیم ہو گئے اور اپنی بقیہ زندگی وہیں گزاری۔ حضرت یعقوبؑ جس زمانہ میں شہر فدان آرام اپنے ماموں کے ہاں چلے گئے تھے اس زمانے میں ان کے بھائی عیسو ناراض ہو کر اپنے چچا حضرت اسماعیلؑ کے پاس آ بسے تھے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کر کے قریب ہی کے شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ صاحب تاریخی کتب میں اَدوم کے نام سے مشہور ہیں اس عرصہ میں دونوں بھائیوں کے تعلقات استوار ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجا کرتے تھے۔

یہ تمام تفصیلات تورات اور اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ قرآن حکیم ان تمام باتوں سے یکسر خاموش ہے اور وہ صرف حضرت یعقوبؑ کے جلیل القدر نبی، صاحب صبر و استقامت رسول، اور سیدنا یوسفؑ کے برگزیدہ باپ ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسی ضمن میں نام کی صراحت کے بغیر یوسفؑ کے دوسرے بھائیوں کا بھی ذکر آ جاتا ہے۔

سوال: حضرت یعقوبؑ کا اسم گرامی قرآن کریم میں کتنی جگہ ملتا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں حضرت یعقوبؑ کا اسم گرامی دس جگہ آتا ہے اور اگرچہ سورۂ یوسف میں جگہ جگہ ضمائر اور اوصاف کے لحاظ سے بعض دوسری سورتوں مثلاً ''مؤمنون'' میں اوصاف کے اعتبار سے ان کا تذکرہ موجود ہے، مگر نام کے ساتھ صرف دو ہی جگہ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال: بنی اسرائیل کسے کہتے ہیں؟

جواب: حضرت یعقوبؑ کا عبرانی نام اسرائیل ہے قرآن کریم میں جا بجا اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اسرا کے معنیٰ (عبد) اور ایل کے معنی (اللہ) یعنی عبداللہ، اور بنی اسرائیل کے معنیٰ ''اولاد یعقوبؑ'' قرآن کریم نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو بنی اسرائیل کہہ کر مخاطب کیا ہے (یعنی اولاد یعقوبؑ) حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں حضرت یعقوبؑ کا اسم گرامی مشہور و معروف ہے۔ انہی کی نسل میں ہزارہا انبیاء و رسُل پیدا ہوئے ہیں جنہیں انبیاء بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

سوال: حضرت یعقوبؑ کی اولاد کی تعداد کیا تھی؟

جواب: حضرت یعقوبؑ کے بارہ لڑکے تھے۔ گزشتہ سطور میں آچکا ہے کہ بنیامین کے علاوہ ان کی ساری اولاد شہر فدان آرام میں ہی پیدا ہوئی تھی، صرف بنیامین (حضرت یوسفؑ کے چھوٹے حقیقی بھائی) فلسطین (ارض کنعان) میں پیدا ہوئے، حضرت یعقوبؑ کی اولاد آپکی مختلف بیویوں سے ہوئی ہے جنکی تفصیل یہ ہے:۔

زوجہ محترمہ لئیہ بنت لابان سے مندرجہ ذیل اولاد ہوئی:

(1) راؤبین (2) شمعون (3) لاوی (4) یہودا (5) ویسا کر (6) زبولون۔

زوجہ ثانیہ راحیل بنت لابان سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ (7) یوسفؑ (8) بن یمین (بن یامین)

زوجہ ثالثہ بلہا سے دو لڑکے پیدا ہوئے: (9) دان (10) نفتالی۔

زوجہ رابعہ زلفا سے دو لڑکے تولد ہوئے: (11) جاد (12) اشیر۔

یہ بارہ لڑکے اپنی اپنی قوم کے سردار بنے اور ان کی اولاد کثرت سے پھیلی۔

یہ تفصیل تورات سے منقول ہے اور دیگر تاریخی کتب میں بھی پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال: حضرت یعقوبؑ کن کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے؟

جواب: حضرت یعقوبؑ کا بیشتر تذکرہ حضرت یوسفؑ کے تذکرہ میں ہے قرآن کریم نے بھی حضرت یعقوبؑ کا تذکرہ مستقل طور پر نہیں کیا البتہ کئی ایک جگہ ان کا اسم گرامی اور ان کا اولوالعزم رسول ہونا بیان کیا ہے۔ کنعانیوں کی اصلاح و تبلیغ کیلئے حضرت یعقوبؑ کو مبعوث کیا گیا۔ ساری زندگی کنعان (فلسطین) ہی میں تبلیغ فرماتے رہے۔ البتہ آخری عمر میں اپنے عظیم المرتبت صاحبزادے حضرت یوسفؑ سے ملنے کے لئے مصر تشریف لائے اور غالباً وہیں وفات پائی۔

سوال: حضرت یعقوبؑ کا مسکن کونسا شہر تھا؟

جواب: حضرت یعقوبؑ کنعان میں رہتے تھے۔ (حاشیہ جلالین ص:190)

سوال: حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو کتنی دور سے آگئی تھی؟

جواب حضرت یعقوبؑ کو اس قمیص کی خوشبو 80 میل کے فاصلہ سے آ گئی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ص:216 ج:1 الکامل فی التاریخ ص:154 ج:1) جو اس وقت آٹھ روز کی مسافت کا راستہ تھا (البدایہ ص:216) دوسرا قول یہ ہے کہ 30 میل کی دوری سے اس قمیص کی خوشبو آ گئی تھی۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن ص:119)

سوال: حضرت یعقوبؑ مصر میں کتنے سال رہے اور آپکی کل عمر کیا ہوئی؟

جواب :حضرت یعقوبؑ مصر میں حضرت یوسفؑ کے پاس 24 سال رہے دوسرا قول 17 سال کا ہے (الکامل فی التاریخ ص:155 البدایہ ص:220 ج:1) حضرت یعقوبؑ کی عمر 160 سال ہوئی (مواہب الرحمٰن ص:136) دوسرا قول یہ ہے کہ آپ 147 سال زندہ رہے۔ (الاتقان ص:343)

سوال :حضرت یعقوبؑ کی وفات پر اہل مصر کتنے دنوں تک روئے اور آپ کو کتنے دنوں کے بعد دفن کیا گیا؟

جواب:آپ کی وفات پر اہل مصر 70 دن تک روتے رہے اور جب یعقوبؑ کا انتقال ہو گیا حضرت یوسفؑ نے (بوجہ شدت غم) اطباء وحکماء کو بلایا تو انہوں نے حضرت یعقوبؑ کے جنازہ کو دواؤں کے ذریعہ چالیس دن تک روکے رکھا چالیس روز کے بعد آپ کو مقام جبرون جو ایک گڑھا تھا جس کو حضرت ابراہیمؑ نے خرید کر کھدوایا تھا اور اس کو کھدوانے میں سات دن لگے تھے اس گڑھے میں آپ کو دفن کیا گیا یہی آپ کے آباء واجداد یعنی حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحٰقؑ کا مدفن تھا۔ (البدایہ ص:120 ج:1)

سب سے بڑا عالم

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہالت بہت بری چیز ہے اپنے علم پر عمل کرنے والا سب سے بڑا عالم ہے اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہی ہو، علم پر عمل نہ کرنے والا جاہل ہے چاہے کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت یوسف

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم ایک قندیل
اور لالٹین ہے......

علم کا ایک لالٹین ہے، جس سے راستہ چلنے کے لئے روشنی ملتی ہے، اگر روشنی نہ ہو تو آدمی ٹھوکر کھا کر گر سکتا ہے، تو جس طرح مادی اور ظاہری راستوں کو دیکھنے لئے قندیل اور لالٹین کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اخلاقی اور علمی راہوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے اپنے نبیون کے ذریعہ جو علم بھیجا ہے، اس کو حاصل کر کے اور اس سے روشنی حاصل کر کے ہم اپنی زندگی کے راستے روشن کر سکتے ہیں اور زندگی کو معقول اور کامیاب طریقے سے گزار سکتے ہیں۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ امین آباد لکھنؤ میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام

سوال: حضرت یوسفؑ کا نسب نامہ کیا ہے؟

جواب: یوسف بن یعقوبؑ بن اسحٰق بن ابراہیمؑ...... حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے ہیں اور ان کی والدہ کا نام راحیل بنت لابان ہے، حضرت یعقوبؑ کو ان کے ساتھ بے حد محبت تھی بلکہ عشق تھا، اور اس لئے کسی وقت بھی ان کی جدائی گوارہ نہ کرتے تھے۔ یہ بھی اپنے والد، دادا، اور پردادا کی طرح سن رشد کو پہنچ کر خدائے برتر کے جلیل القدر پیغمبر بنے اور ملت ابراہیمی کی دعوت وتبلیغ کی خدمت سرانجام دی، یہی وجہ ہے کہ ابتدائے زندگی ہی سے ان کی دماغی اور فطری استعداد دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں بالکل جدا اور نمایاں تھی، یعقوبؑ کے عشق ومحبت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ یوسفؑ کی پیشانی کا چمکتا ہوا نور نبوت پہچانتے، اور وحی الٰہی کے ذریعہ اس کی اطلاع پاچکے تھے۔

سوال: قرآن کریم نے حضرت یوسفؑ کا نام کتنی مرتبہ ذکر کیا ہے؟

جواب: حضرت یوسفؑ کا نام قرآن عزیز نے 26 مرتبہ ذکر کیا ہے جن میں سے 24 جگہ صرف سورۂ یوسف میں اور ایک جگہ سورۂ انعام میں اور ایک جگہ سورہ غافر میں ذکر آیا ہے، اور ان کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ پردادا حضرت ابراہیمؑ کی طرح ان کے نام پر بھی قرآن عزیز کی ایک سورت سورۂ یوسف نازل ہوئی ہے جو حضرت یوسفؑ کے واقعات سے متعلق عبرت وموعظت کا بے نظیر ذخیرہ ہے۔

سوال: قرآن کریم نے حضرت یوسفؑ کے تذکرہ کو ''احسن القصص'' کے الفاظ سے کیوں تعبیر کیا ہے؟ اور اس سورۃ کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: قرآن کریم نے حضرت یوسفؑ کے تذکرہ کو احسن القصص (نہایت عمدہ قصہ) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قصہ صرف اس ایک سورہ میں ملتا ہے۔ پورے قرآن میں کسی اور جگہ موجود

نہیں جیسا کہ دیگر انبیاء ورسل کے تذکرے بار بار اپنے خاص مقصد کے تحت ملتے ہیں۔

پورا قصہ ایک جگہ ہونے کے باعث جس قدر عبرتیں، حکمتیں اور مواعظ ونصائح اس سورہ میں یکجا ملتی ہیں کسی اور قصہ میں ایک جگہ جمع نہیں ہیں۔

قصص اور واقعات کے بیان کرنے میں صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ ہے عبرت ونصیحت، وعظ وتذکیر، سورۂ یوسف اس حیثیت سے پورا کا پورا وعظ وتذکیر ہے۔

سورۂ یوسف کے شان نزول کے بارے میں روایات حدیث کا خلاصہ یہ ہے: "مکہ مکرمہ کے مشرکین نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علماء یہود سے گفتگو کی اور اپنی عاجزی وپریشانی کا اظہار کیا کہ ہم ان کو جھوٹا ثابت کرنے میں ناکام ہوگئے ہیں، کوئی ایسی تدبیر بتائی جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ثابت کردیا جائے اور وہ عاجز ہوجائے۔

یہود کے علماء نے ان مشرکین سے کہا کہ اس مدعی نبوت کو تنگ کرنے اور جھوٹا بنانے کیلئے تم لوگ ان سے یہ سوال کرو کہ یعقوبؑ کی اولاد ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی؟ اگر یہ نبی نہیں تو ہرگز ہرگز نہ بتا سکے گا۔ کفار مکہ نے یہودی علماء کی ہدایت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا، ان کے اس مطالبہ پر سورہ یوسف نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کہانی کو سنا دیا جو سورۂ یوسف میں موجود ہے۔ (ابن کثیر)

واقعہ یہ ہے کہ یہودی علماء نے اس سوال کا اس لئے انتخاب کیا تھا کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں مشہور نہ تھا اور نہ ہی وہاں کوئی یہودی یا عیسائی عالم تھا جو کسی کو بتا سکے۔ ایسے حالات میں جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امی لقب تھے نہ کسی مکتب میں درس لیا تھا اور نہ مکہ مکرمہ میں کوئی درس گاہ تھی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے کبھی یہ واقعہ کسی سے سنا تھا۔ ان مخصوص حالات میں نہایت تفصیل اور کامل وضاحت کے ساتھ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کا طویل واقعہ بیان کردینا خود نبوت کی ایک کھلی دلیل تھی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صریح معجزہ تھا لیکن جس کی قسمت میں بے نصیبی ہو بھلا اس کو اس سے کہاں ہدایت مل سکتی تھی۔ جو ہدایت کے طالب تھے وہ تو ایمان لائے اور بقیہ عناد وسرکشی ہی میں پڑے رہے۔

سوال: حضرت یوسفؑ نے کیا خواب دیکھا اور برادران یوسفؑ نے حضرت یوسفؑ کے خلاف کیا سازش کی؟

جواب: حضرت یعقوبؑ اپنی تمام اولاد میں حضرت یوسفؑ سے بے حد محبت کیا کرتے تھے۔ خود نبی تھے، نور نبوت کے حامل تھے۔ اپنے علم و فراست سے مستقبل قریب میں حضرت یوسفؑ کی نبوت و رسالت کو دیکھ رہے تھے۔

علاوہ ازیں حضرت یوسفؑ اپنے دیگر بھائیوں سے اخلاق و عادات میں یکسر مختلف تھے۔ ماں باپ کا احترام، اطاعت شعاری، خلوص و خدمت یہ ایسے اوصاف تھے جو ایک ہونے والے نبی کے لئے ویسے بھی ضروری تھے حضرت یوسفؑ میں جمع تھے، باپ کی یہ محبت و چاہت برادران یوسفؑ کے لئے بے حد شاق اور ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے کہ کسی طرح بھی اپنے باپ کے قلب سے یوسفؑ کی محبت کو دور کر دیں یا پھر خود یوسفؑ ہی کو دور کر دیا جائے تا کہ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے۔ انہی سازشوں کے دوران حضرت یوسفؑ نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر ان کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ یہ عجیب و غریب خواب تھا جو دنیائے انسانیت نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے والد بزرگوار سے یہ خواب بیان کیا، حضرت یعقوبؑ پر خواب کی حقیقت منکشف ہو گئی۔ بیٹے سے کہا کہ یہ خواب کسی کے آگے نہ دہرا لیا جائے ایسا نہ ہو کہ اس کو سن کر تیرے بھائی برائی سے پیش آئیں۔ کیونکہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس موقع پر قرآن حکیم نے حضرت یوسفؑ کی تعبیر خواب کو بیان نہیں کیا تا آنکہ وہ خواب حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی اور شمس و قمر سے والدین مراد ہیں۔

تفسیر قرطبی میں مزید یہ وضاحت ملتی ہے کہ حضرت یوسفؑ کی والدہ محترمہ راحیل اگرچہ

اس خواب سے پہلے وفات پا چکی تھیں مگر ان کی بہن حضرت یعقوبؑ کے نکاح میں آ گئی تھیں۔ خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے خصوصاً جبکہ وہ والد کی زوجیت میں آجائے تو عرفاً اسکو ماں ہی کہا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ۔ الحدیث (خالہ ماں کے قائم مقام ہے)

اے نبی ہم اس قرآن کے ذریعہ سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے ایک نہایت اچھا قصہ تمہیں سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے (اس قصہ سے) بے خبر تھے۔

جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا اے ابا میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج وچاند کو دیکھا ہے، دیکھتا کیا ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

باپ نے کہا اے میرے بیٹے تو اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان نہ کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی خفیہ چال چل جائیں، بلاشبہ شیطان انسان کے لئے کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ کرے گا اور تجھ کو (تاویل حدیث) خواب کی تعبیریں سکھائے گا اور اپنی نعمتیں تجھ پر اور اولاد یعقوبؑ پر پوری کرے گا۔ جس طرح کہ اس نعمت نبوت کو پورا کیا تیرے اجداد پر پہلے سے یعنی ابراہیم واسحٰقؑ پر بیشک تیرا پروردگار بڑا علم والا حکمت والا ہے۔"

جامع ترمذی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ اور خواب معلق رہتا ہے جبکہ کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ جب بیان کر دیا گیا اور سننے والے نے کوئی تعبیر دیدی تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے۔ اس لئے خواب ہر کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ صرف عالم سے یا پھر اپنے خیر خواہ سے بیان کیا جائے۔

الغرض حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب حضرت یعقوبؑ سے بیان کیا اور اس کو محفوظ رکھا، اس خواب کے بعد حضرت یعقوبؑ کی محبت اور زیادہ ہوگئی۔ وہ حضرت یوسفؑ کو اپنے سے جدا

ہونے نہیں دیتے، باپ کا یہ عمل سوتیلے بھائیوں کو اور زیادہ مشتعل کر گیا، اور اب وہ اس تاک میں رہنے لگے کہ یوسفؑ کے خلاف کوئی آخری کارروائی کر دی جائے، چنانچہ حسد کی بھڑکتی ہوئی آگ نے ایک روز برادران یوسفؑ کو یوسفؑ کے خلاف سازش کرنے پر مجبور ہی کر دیا۔

سب بھائیوں نے مشورہ کیا پھر حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت خیر خواہی و محبت کے پیرایہ میں کہنے لگے ابا جان! آپ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے کیوں نہیں بھیجتے؟ آپ اسکو ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتے ہیں؟ وہ بھی بچہ ہے کھیل کود کا اسکو بھی موقع ملنا چاہئے آخر آپ کو اس کے بارے میں کیا اندیشہ ہے؟ اور ہم اتنے بھائی کیا اسکی کوئی حفاظت نہیں کر سکیں گے؟ آپ کو ہم پر اعتماد کرنا چاہئے۔

حضرت یعقوبؑ اپنی فراست نبوت سے جان گئے کہ ان سوتیلے بھائیوں کے دلوں میں کھوٹ ہے اور وہ یوسفؑ کو نقصان پہنچانے کے در پے ہیں مگر آپ نے صاف صاف لفظوں میں اس اندیشہ کو ظاہر نہیں فرمایا تاکہ کہیں وہ بگڑ کر علانیہ دشمنی پر آمادہ نہ ہو جائیں اس لئے بجائے واضح طور پر اپنا اندیشہ ظاہر کرنے کے اشارۃً ان پر یہ بات واضح کر دی کہ واقعی مجھ کو یوسفؑ کے بارے میں اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی بھیڑیا اس کو اٹھا نہ لے جائے اور تم کو اس کی خبر تک نہ ہو۔

سب بھائیوں نے بیک زبان کہا اگر ایسا ہوا تو یقیناً ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔ بھلا کہیں ایسا ممکن بھی ہے؟ ہم اتنے ہو کر اپنے ایک عزیز بھائی کی حفاظت تک نہ کر سکیں؟ ابا جان! آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور ہر طرح مطمئن رہیں، ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کی مزید انتقامی کارروائی سے بچنے کے لئے حضرت یوسفؑ کو ان کے ہمراہ جانے کی اجازت دے دی اس طرح برادران یوسفؑ نے اپنے مکر و فریب میں کامیابی حاصل کی اور یوسفؑ کو سیر و تفریح کے بہانے جنگل لے گئے اور پھر اپنے متفقہ مشورے کے مطابق ایک ایسے کنویں میں ڈال دیا جس میں پانی نہ تھا اور عرصے سے خشک پڑا تھا قرآن کریم نے اس کنویں کو ''غَیٰبَتِ الْجُبِّ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ غیابہ ہر اس چیز کو کہتے

ہیں جو دوسری چیز کو چھپالے اور غائب کردے۔ اسی لئے قبر کو بھی غیابہ کہا جاتا ہے (کیونکہ وہ لاش کو چھپا دیتی ہے) اور جبّ ایسے کنویں کو کہتے ہیں جس کی من پختہ بنی ہوئی نہ ہو یعنی ایک ایسا ویران اور بے آب گڑھا جو آبادی سے دور درختوں میں چھپا ہوا ہو۔ حضرت یوسفؑ کو جبراً وقہراً اس میں اتار دیا گیا۔ قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ اس وقت حضرت یوسفؑ نابالغ تھے اور تفسیر مظہری میں تصریح ہے کہ اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔

امام قرطبی اور دیگر مفسرین نے کنویں میں ڈالنے کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:۔

''جب ان کو کنویں میں ڈالنے لگے تو حضرت یوسفؑ کنویں کی من سے چمٹ گئے۔ بھائیوں نے ان کا کرتہ اتارا اور ان کے ہاتھ باندھے۔ اس وقت حضرت یوسف نے بھائیوں سے پھر رحم کی درخواست کی مگر وہی جواب ملا کہ گیارہ ستارے جو تجھ کو سجدہ کرتے تھے ان ہی کو بلا وہ تیری مدد کریں گے۔ حضرت یوسفؑ کا یہ خواب کسی طرح بھائیوں کو معلوم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی تھی۔ الغرض حضرت یوسفؑ کو ایک ڈول میں رکھ کر کنویں میں لٹکا دیا۔ جب درمیان تک پہنچے تو رسی کاٹ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی حفاظت فرمائی، نیچے گرنے کی وجہ سے چوٹ نہ آئی اور قریب ہی ایک چٹان نظر آئی اس پر حضرت یوسفؑ صحیح سالم بیٹھ گئے۔ بعض روایات میں یہ وضاحت ہے کہ جبرئیل امینؑ کو حکم دیا گیا تھا کہ تہہ میں گرنے سے پہلے انہیں چٹان پر بٹھا دیا جائے۔ تین یوم تک کنویں میں رہے ان کا ایک بھائی جس کا نام یہودا بیان کیا جاتا ہے اور جو اپنے بھائیوں کی اس سازش کا مخالف تھا، لیکن بھائیوں کی مخالفت کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ ہر روز روٹی اور پانی چپکے سے کنویں میں اتار دیا کرتا تھا لیکن اس کی ہمت اتنی نہ ہوئی کہ باپ حضرت یعقوبؑ کو یہ واقعہ بیان کردے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کی تسلی اور اطمینان کے لئے ان پر وحی نازل کی جس میں کسی آئندہ زمانے میں بھائیوں کی ملاقات اور ان پر بالادستی کی خوشخبری تھی اور یہ کہ وہ لوگ محتاج وفقیر بن کر آپ کے پاس آئیں گے آپ ان کو پہچان لیں گے لیکن وہ لوگ آپ کو پہچان نہ سکیں گے۔''

یہ وحی جو کنویں میں نازل ہوئی (بقول تفسیر مظہری) وحی نبوت نہ تھی کیونکہ وہ چالیس سال کی عمر میں عطا ہوتی ہے بلکہ یہ وحی ایسے ہی تھی جیسے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا تھا یا جیسے حضرت مریمؑ سے کلام کیا گیا یا شہد کی مکھی کی طرف وحی کی گئی۔ حضرت یوسفؑ پر وحی نبوت کا سلسلہ مصر پہنچنے اور جوان ہونے کے بعد شروع ہوا جیسا کہ اسی سورہ میں تصریح ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (آیت:22)

اور جب یوسفؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں علم وحکمت (نبوت) عطا کی۔ مگر دیگر مفسرین جیسے ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے اسکو وحی نبوت ہی قرار دیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی گئی۔ الغرض حضرت یوسفؑ کو کنویں میں ڈال کر واپسی کے وقت ایک جانور کے خون سے حضرت یوسفؑ کا کرتہ سرخ کیا اور عشاء کے وقت روتے پیٹتے حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچے حضرت یعقوبؑ ان کی آواز سن کر باہر آئے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے؟ کیا تمہاری بکریوں کے گلہ پر کسی نے حملہ کر دیا ہے؟ اور یوسفؑ کہاں ہیں؟

سب نے ایک زبان ہو کر کہا ہم نے آپس میں دوڑ لگائی اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اس درمیان میں بھیڑیا آیا اور یوسفؑ کو کھا لیا۔ دیکھئے یہ اس کا کرتہ ہے جو ہم کو مقام حادثہ پر ملا ہے۔ اے ابا جان! آپ کو تو یقین نہیں آئے گا خواہ ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں……؟

قرآن حکیم نے اس خون آلودہ کرتہ کا وصف بِدَمٍ كَذِبٍ (جھوٹا خون) بیان کیا ہے۔ حقیقتاً یہ جھوٹا خون تو تھا ہی لیکن صورۃً بھی جھوٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ان بھائیوں کو غافل اور بے عقل بنا دیا کہ کرتہ پر خون لگانے کے ساتھ اسکو جا بجا سے پھاڑ بھی دیتے جس سے بھیڑیے کا کھا جانا ثابت ہوتا، انہوں نے یوسفؑ کے صحیح وسالم کرتہ پر جانور کا خون لگا کر باپ کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا (لیکن جھوٹے کو عقل نہیں ہوتی) خود دھوکہ کھا گئے کرتہ کو پھاڑا نہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے صحیح وسالم کرتہ دیکھ کر فرمایا:۔ ''میرے بیٹو! یہ بھیڑیا کیسا حکیم وعقلمند تھا کہ یوسف کو اسطرح کھایا کہ کہیں سے کرتہ تک نہ پھٹنے پایا؟''

اس طرح حضرت یعقوبؑ پر ان کا مکروفریب وجعل سازی کا راز فاش ہوگیا۔ فرمایا یوسفؑ کو تو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑلی ہے۔ اب میرے لئے بہتر یہی ہے کہ میں صبر کروں اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر اللہ سے مدد طلب کروں چنانچہ حضرت یعقوبؑ سب سے الگ ہوکر یکسو ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگے اس ساری سازش اور جھوٹے خون اور مکروفریب کا تذکرہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

حضرت یعقوبؑ بیٹوں کی اس مکروفریب والی گفتگو کے بعد تھک ہار کر یکسو ہو گئے اور غالباً وحی الٰہی یا پھر الہام وفراست نبوت سے اطمینان ہوگیا کہ یوسفؑ کا فراق ایک طویل عرصہ تک برقرار رہے گا۔ سکوت اختیار کرلیا۔

سوال: حضرت یوسفؑ کو بازار مصر میں کتنی قیمت میں فروخت کیا گیا اور کس نے خریدا؟

جواب: حضرت یوسفؑ کو بازار مصر میں فروخت کرنے کا اعلان کیا۔ تفسیر قرطبیؒ میں مذکور ہے کہ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیا، یہاں تک کہ وزن یوسفؑ کے برابر سونا اور اسی کے برابر مشک اور ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی۔

یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے لئے مقدر کی تھی، مصری افواج کا ایک افسر، شاہی خاندان کا رئیس جس کا نام فوطیفار تھا۔ مصر کے بازار سے گزر رہا تھا یوسفؑ پر نظر پڑی تو صورت وشکل سے بیحد متاثر ہوگیا اور منہ بولی قیمت دیکر اپنے گھر لے آیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو اسکو عزت سے رکھنا۔ عجب نہیں کہ یہ ہم کو فائدہ بخشے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس وقت یہ رئیس لاولد تھا۔ قرآن حکیم نے اس کا نام عزیز مصر بیان کیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ شخص ملک مصر کا وزیر خزانہ تھا اور بادشاہ مصر اس زمانے میں قوم عمالقہ کا ایک شخص ریان بن اُسید تھا جو بعد میں حضرت یوسفؑ پر ایمان لایا اور حضرت یوسفؑ کی زندگی ہی میں انتقال کر گیا۔

عزیز مصر جس نے حضرت یوسفؑ کو خریدا تھا اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بیان کیا جاتا ہے اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ یوسفؑ کے ساتھ غلاموں جیسا معاملہ نہ کرنا، ان کی ضروریات

کا اچھا انتظام کرنا۔ قرآن حکیم نے اس عورت کو اِمْـرَاَتُ الْعَزِیْزِ (عزیز کی بیوی) کہا ہے۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ شاہی خاندان میں اولاد کی طرح رہنے لگے اسی ناز و نعمت میں سن شعور کو پہنچے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تین آدمی بڑے عقلمند اور قیافہ شناس ثابت ہوئے ہیں:۔

❁ **اول** عزیز مصر جس نے اپنے قیاس و اندازے سے اپنی بیوی کو یہ ہدایت دی کہ یوسف کا اکرام کرنا۔

❁ **دوم** حضرت شعیبؑ کی وہ صاحبزادی جس نے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ ابا جان ان کو ملازم رکھ لیجیے اسلئے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی اور امانتدار بھی ہو۔

❁ **سوم** حضرت ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا (قرطبی) قرآن کریم کے اندر بازار مصر میں خریداری کا تذکرہ مذکور ہے۔

سوال: حضرت یوسفؑ کی سب سے سخت ترین آزمائش کونسی ہے؟

جواب: فارسی کا ایک مقولہ ہے "مقربان رابیش بود حیرانی" بڑوں کی آزمائش بھی بڑی ہوتی ہے چاہ کنعان کی مصیبت کم نہ تھی۔ دور غلامی سے بھی سابقہ پڑا۔ بازار مصر میں غلاموں کی طرح فروخت ہوئے۔ اب جوانی کی وہ کٹھن آزمائش شروع ہوئی جس میں صرف اور صرف خدا کی حفاظت سہارا بنتی ہے۔ حضرت یوسفؑ سن بلوغ کو پہنچ گئے ہیں۔ جوانی کا عالم تھا، حسن و خوبروئی کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔ عزیز مصر کی بیوی ان پر بری طرح فریفتہ ہوگئی۔

قرآن کریم نے اس حادثہ کو اس طرح بیان کیا ہے:۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ، وَقَالَتْ هَیْتَ لَکَ (آیت:23)

"اور پھسلایا یوسفؑ کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ رہتے تھے اس کے نفس کے معاملہ میں اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آ جاؤ تم ہی سے کہتی ہوں"

اگر چہ یہ عورت عزیز مصر کی بیوی ہے جیسا کہ دوسرے موقع پر بیان کیا گیا ہے لیکن مذکورہ آیت میں اَلَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا (وہ عورت جس کے گھر میں یوسفؑ رہا کرتے تھے) کے مبہم

عنوان سے اس عورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عنوان میں نزاکت ملحوظ ہے کہ حضرت یوسفؑ کے گناہ سے بچنے کی مشکلات میں اس بات نے اور بھی اضافہ کر دیا تھا کہ وہ اسی عورت کے مکان میں اسی کی پناہ میں رہتے تھے۔ اس کے کہنے کو نظر انداز کرنا کچھ آسان نہ تھا۔

حضرت یوسفؑ خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ تھے، خود بھی منصب نبوت پر فائز ہو چکے تھے۔ بقول حسن بصریؒ اس وقت عمر شریف چالیس سال ہو چکی تھی۔ بھلا ان سے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اس ناپاکی اور فحش میں مبتلا ہو جائیں، لیکن عورت نے بے قابو ہو کر جب کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور اصرار کرنے لگی تو یہ وقت ہر ایک کے لئے سخت آزمائش کا ہو جاتا ہے۔ شاہی خاندان کی عورت، حسن و بہار سے معمور، محبوب نہیں عاشق بن کر جب کسی کا پیچھا کرے تو کونسا ذریعہ ہے جو آدمی کو گناہ سے باز رکھے۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے آپ کو چوطرف سے گھرا ہوا پایا تو پیغمبرانہ انداز میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی مَعَاذَاللّٰہِ (اللہ کی پناہ۔ یعنی اپنے عزم و ارادہ پر بھروسہ نہیں کیا) اس کے بعد حکمت و موعظت کے ساتھ زلیخا کو نصیحت کرنا شروع کیا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنے ارادے سے باز آ جائے۔ فرمایا:۔

''وہی میرا رب ہے اس نے مجھے عزت کی جگہ دی اور مجھ کو کہاں سے کہاں پہنچایا ایسے محسن و مربی کے حکم میں خیانت کروں اور اسکو نظر انداز کر دوں؟ یقیناً ظلم کرنے والوں کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہوتی''۔

سوال: حضرت یوسفؑ کو کنویں سے کس نے نکالا؟

جواب: ملک شام سے ایک قافلہ مصر جا رہا تھا۔ راستہ بھول کر اس غیر آباد کنویں پر پہنچا، پانی کی ضرورت ویسے بھی سفر میں پیش آتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ دور دور تک پانی کا نشان نہ ملتا ہو کنویں کو دیکھ کر ایک شخص نے جس کا نام مالک بن دعبر بتایا جاتا ہے ڈول کنویں میں ڈالا حضرت یوسفؑ نے خدائی قدرت کا مشاہدہ کیا۔ اس ڈول کی رسی پکڑ لی اوپر پہنچے، اس کمسن

حسین وجمیل لڑکے کو دیکھ کر وہ پکارا تھا: ۔ یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ ۔(اے بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو ایک بڑا اچھا لڑکا نکل آیا)

سوال: حضرت یوسفؑ نے جن ستاروں کو خواب میں دیکھا کہ وہ ستارے انکو سجدہ کر رہے ہیں ان ستاروں کے نام کیا تھے؟

جواب: ان ستاروں کے نام یہ تھے۔ (1) جریان (2) الطارق (3) الذیال (4) قابس (5) عمودان (6) الفلیق (7) المصبح (8) الفرع (9) الوثاب (10) ذوالکتفین۔

(حاشیہ ابن خلدون ص:96ج1)

سوال: حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں مصر پر کس کی حکومت تھی اور آپ نے وزارت میں کس کی قائم مقامی کی تھی؟

جواب: حضرت یوسفؑ قید خانہ میں تھے اس وقت مصر میں ولید بن دومع کی حکومت تھی۔ اطفیر اسکا وزیر تھا یہی عزیز مصر کے لقب سے مشہور تھا اسی کی قائم مقامی وزارت میں حضرت یوسفؑ نے کی تھی۔ (تاریخ ابن خلدون ص:158 ج:1)

سوال: حضرت یوسفؑ کی عہدہ حکومت طلبی کی درخواست کتنے دنوں میں قبول ہوئی؟

جواب: اگر حضرت یوسفؑ عہدہ کو طلب نہ کرتے تو عزیز مصر ان کی لیاقت کو دیکھ کر خود ہی تخت شاہی پر پہلے ہی سال بٹھلا دیتا مگر چونکہ آپ نے خود ہی پیش کش کر دی اس لئے ایک سال کے لئے اپنے گھر رکھا اور ایک سال بعد تخت شاہی پر بٹھلایا اس طرح کہ تاج شاہی پہنایا اور شاہی تلوار باندھی۔ (تفسیر مظہری ص:168 ج:6)

سوال: حضرت یوسفؑ جس تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے اس کا طول وعرض کتنا تھا اور اس پر کتنے بستر اور پردے تھے؟

جواب: تخت شاہی کی لمبائی 30 ہاتھ اور چوڑائی 10 ہاتھ تھی اور اس تخت پر 10 بسترے اور 60 باریک پردے زیبائش کے لئے پڑے تھے۔ (مظہری ص:168 ج:6)

سوال: حضرت یوسفؑ کو آپ کے بھائیوں نے جس کنویں میں ڈالا وہ کنعان سے کتنی دور تھا؟
جواب: یہ کنواں کنعان یعنی منزل یعقوبؑ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔

(حاشیہ جلالین ص:191 ج:13)

سوال: جس وقت حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے قمیص نکال کر کنویں میں ڈالا پھر کنویں میں ان کے پاس قمیص کہاں سے آئی تھی؟

جواب: اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ جس وقت حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈالنے کا ارادہ کیا پہلے انہوں نے آپ کی پٹائی کی پھر جب کنویں میں لٹکانے لگے تو کپڑے اتار دئے حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے کہا **يَا اِخْوَتَاهُ رُدُّوْا عَلَيَّ قَمِيْصِيْ اَتَوَارٰى بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ وَيَكُوْنُ كَفَنًا بَعْدَ مَمَاتِيْ** اے میرے بھائیو! میرا قمیص مجھ کو دیدو تا کہ اپنی زندگی میں اس سے ستر چھپائے رکھوں اور بعد مرنے کے اس کو اپنا کفن بنالوں مگر انہوں نے قمیص نہیں دی اور آپ کو بیچ سے رسی سے باندھ دیا اور ہاتھ باندھ کر کنویں میں لٹکا دیا جب آپ آدھی گہرائی کو پہنچ گئے تو رسی کاٹ دی تا کہ آپ گر کر مر جائیں آپ پانی پر گرے اس کنویں کے کنارہ میں ایک چٹان تھی آپ اس پر کھڑے ہو گئے اس سے قبل اس کنویں کا پانی کھارا تھا مگر جب آپ گرے تو شیریں ہو گیا ادھر خدائے پاک نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ میرے مقدس بندے یوسفؑ کو اپنے مبارک پروں پر لے لو اور ان کے لئے جنت سے کھانا پینا لے جاؤ اور ان کے بازو پر تعویذ کی شکل میں قمیص ابراہیمی بندھا ہوا ہے وہ کھول کر ان کو پہنا دو یہ جنت کا وہ قمیص ہے جس کو حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام جنت سے لے کر آئے تھے اور نار نمرود میں حضرت ابراہیمؑ کو پہنایا تھا اور یہ پشت در پشت حضرت یعقوبؑ تک پہنچا جس کا آپ نے تعویذ بنا کر حضرت یوسفؑ کی بازو پر باندھ دیا تھا یا گلے میں ڈال دیا تھا۔

(حاشیہ جلالین ص:190 و تفسیر مواہب الرحمٰن ص:136 ج:1)

سوال: جس وقت حضرت یوسفؑ کنویں میں ڈالے گئے تو اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟

جواب: کنویں میں ڈالے جانے کے وقت آپ کی عمر بعض نے 12 سال بیان کی ہے (الاتقان ص:343 ج:2) اور الکامل فی التاریخ ص:155 ج:1 پر 17 سال کا ذکر ہے (کذا فی البدایہ ص:220 ج:1) اور بعض نے 18 سال بیان کی ہے، حاشیہ جلالین ص: 190 اور صاحب تفسیر مواہب الرحمٰن نے ص:136 ج:4 پر پہلے قول کو صحیح کہا ہے۔

سوال: حضرت یوسفؑ کنویں میں کتنے دن رہے نکالنے والے کا نام کیا تھا وہ کہاں کا تھا؟

جواب: حضرت یوسفؑ کو مسافروں نے تیسرے دن نکالا۔ (الکامل فی التاریخ ص:140 ج:1) اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو کنویں سے نکالنے والا مالک بن دعر الخزاعی تھا اور یہ عرب کا بدوی تھا۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن ص:48-247 والبدایہ والنہایہ ص:202 ج:1)

سوال: برادرانِ یوسفؑ نے یوسفؑ کو مسافروں سے کتنی قیمت پر بیچا؟

جواب: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ کو بائیس (22) درہموں میں فروخت کیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بیس درہموں میں بیچا اور انہوں نے دو دو درہم آپس میں تقسیم کرلئے حضرت عکرمہ اور محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ آپ کو چالیس درہموں میں بیچا (البدایہ ص: 202 تفسیر مواہب الرحمٰن ص:248 وحاشیہ جلالین ص:190)

سوال: حضرت یوسفؑ کو عزیز مصر نے کس چیز کے بدلے خریدا اور عزیز مصر کا نام کیا تھا؟

جواب: مصر کے بازار میں جب یوسفؑ کی بولی لگائی گئی اور بولی ایک بھاری قیمت پر پہنچ گئی تو عزیز مصر کے نام بولی چھوڑ دی گئی عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کے برابر ریشم اور مشک (قیمتی خوشبو) اور چاندی تولی اور عزیز مصر کا نام قطفیر یا اطفیر تھا۔
(تفسیر مواہب الرحمٰن ص:148 ج:4، البدایہ ص:202 ج:1)

سوال: حضرت یوسفؑ قید خانہ میں کتنے دن رہے؟

جواب: اس سلسلے میں قرآن نے بِضْعَ سِنِیْنَ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کی تفسیر حضرت قتادہ ومجاہد فرماتے ہیں کہ لفظ بضع کا اطلاق تین سے نو تک آتا ہے اور حضرت وہاب فرماتے ہیں کہ

حضرت ایوبؑ بیماری میں سات برس رہے اسی طرح حضرت یوسفؑ قید خانہ میں سات برس رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات برس رہا۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن ص:308 ج:12)

سوال :جب حضرت یوسفؑ قید خانہ سے عزیز مصر کے سامنے لائے گئے تو آپ نے کس زبان میں گفتگو کی اور عزیز مصر کتنی زبانیں جانتا تھا؟

جواب :جب حضرت یوسفؑ عزیز مصر کے دربار میں حاضر ہوئے تو آنحضرت نے بادشاہ کو عربی زبان میں مژدۂ سلام پیش کیا بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کونسی زبان ہے آپ نے فرمایا یہ میرے چچا حضرت اسماعیلؑ کی زبان ہے اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے عبرانی زبان میں شاہِ وقت سے گفتگو کی مگر بادشاہ اس زبان کو بھی نہیں جانتا تھا پھر تعجب سے معلوم کیا کہ یہ کونسی زبان ہے آپ نے جواباً فرمایا یہ میری مادری زبان ہے عجیب بات یہ ہے کہ بادشاہ ستر زبانوں کا ماہر و جاننے والا تھا جس زبان میں وہ حضرت یوسفؑ سے سوال کرتا آپ اسی زبان میں اس کی بات کا جواب دے دیا کرتے تھے بادشاہ کو حضرت یوسفؑ کے بے باکانہ و مدبرانہ جوابات نے تعجب میں ڈال کر انگشت بدنداں بنا ڈالا اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ اتنی چھوٹی عمر کا بچہ اور اتنی زبانوں کا ماہر! (حاشیہ جلالین ص:194)

سوال: حضرت یوسفؑ جس وقت وزیر بنائے گئے اس وقت آپ کی عمر شریف کیا تھی اور حکومت کا زمانہ کتنے سال کا ہے؟

جواب: آپؑ کو 30 سال کی عمر میں وزیر بنایا گیا (البدایہ ص:210، الکامل ص:155 ج:1) اور 90 سال حکومت کی۔ (حاشیہ جلالین شریف ص:191 پ:13)

سوال :حضرت یوسفؑ کی ملاقات اپنے والدین سے کتنے سال بعد ہوئی اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر کیا تھی؟

جواب :اس بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں (1) 80 سال کے بعد ملاقات ہوئی۔ (2) 83 سال کے بعد یہ دونوں قول حضرت حسن بصریؒ کے ہیں (3) قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کی

ملاقات والدین سے 35 سال بعد ہوئی (4) اہل کتاب کا کہنا ہے کہ جدائی کا زمانہ 40 سال کا ہے۔ (البدایہ ص:217 ج:1) اور اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر شریف 120 سال کی تھی۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن ص:124 ج:1، الکامل فی التاریخ ص:166 ج:1)

سوال: جب حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ سے ملاقات کے لئے مصر کی طرف چلے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے والد محترم کا استقبال کیسے حشم و خدم کے ساتھ کیا؟

جواب: حضرت یوسفؑ نے چار ہزار خادموں کے ساتھ اپنے والدین کا استقبال کیا۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن ص:124 ج:4)

سوال: حضرت یوسفؑ کی زلیخا سے کتنی اولاد ہوئیں؟

جواب: حضرت یوسفؑ کی زلیخا سے دولڑکے پیدا ہوئے (1) افرائیم اور (2) منشاء۔

(البدایہ والنہایہ ص:210 ج:1)

سوال: اہل مصر نے حضرت یوسفؑ کے تابوت کو دریائے نیل میں کس چیز میں بند کر کے دفن کیا تھا اور کہاں دفن کیا تھا؟

جواب: جس وقت حضرت یوسفؑ انتقال فرما گئے تو اہل مصر نے آپ کے مدفن میں جھگڑا کیا آخر کار اس امر پر صلح ٹھہری کہ سنگ مرمر کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل کی بلندی میں دفن کریں اس طرح کہ تمام پانی آپ کے صندوق کے اوپر کو ہو کر مصر تک پہنچے پس تمام لوگ اس تبرک کو برابر استعمال کرتے رہیں۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن ص:136 ج:12)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے صندوق کو دریائے نیل سے کتنے سال بعد نکلوایا؟

جواب: چار سو سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے صندوق کو وہاں سے نکال کر انکے آباء واجداد کے قریب دفن کیا۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن ص:136 ج:12)

سوال: حضرت یوسفؑ کے عجیب وغریب قصہ کے اہم اخلاقی مسائل بیان کریں؟

جواب: حضرت یوسفؑ کا یہ عجیب وغریب قصہ ارباب بصیرت کے لئے اپنی آغوش میں نہایت

اہم اخلاقی مسائل رکھتا ہے دراصل یہ قصہ ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ فضائل اخلاق کی ایسی زریں داستان ہے جس کا ہر پہلو موعظت وبصیرت کے جواہر سے لبریز ہے۔ قوت ایمانی، استقامت، ضبط نفس، صبر، شکر، عفت، دیانت، امانت، عفو ودرگزر، جذبۂ تبلیغ، واعلائے کلمۃ اللہ کا عشق اور اصلاح وتقویٰ جیسے اخلاق فاضلہ اور صفات کاملہ کا ایک نادر سلسلۃ الذہب ہے جو اس قصہ کے ہر نقش میں منقش نظر آتا ہے ان میں سے یہ چند امور خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

○ اگر کسی شخص کی ذاتی سرشت عمدہ ہو اور اس کا ماحول بھی پاک، مقدس اور لطیف ہو تو اس شخص کی زندگی اخلاق کریمانہ میں نمایاں اور صفت عالیہ میں ممتاز ہوگی اور وہ ہر قسم کے شرف ومجد کا حامل ہوگا۔

حضرت یوسفؑ کی مقدس زندگی اس کی بہترین مثال ہے، وہ یعقوبؑ، اسحٰقؑ اور ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر نبیوں اور پیغمبروں کی اولاد تھے اسلئے نبوت اور رسالت کے گہوارہ میں نشوونما پائی اور خانوادۂ نبوت کے ماحول میں تربیت حاصل کی، ذاتی نیک نہادی اور فطری پاکی نے جب ایسے لطیف ماحول کو دیکھا تو تمام فضائل واوصاف حمیدہ چمک اٹھے اور بچپن جوانی اور کہولت کی زندگی کے تمام گوشے تقویٰ، عفت، صبر واستقامت، دیانت اور عشق الٰہی کے ایسے روشن مظہر بن گئے کہ عقل انسانی اس مجموعۂ کمالات ہستی کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتی ہے۔

○ اگر کسی شخص میں ایمان باللہ مستقیم ومستحکم ہو اور اس پر اس کا یقین راسخ اور مضبوط ہو تو پھر اس راہ کی تمام صعوبتیں اور مشکلات اس پر آسان بلکہ آسان تر ہو جاتی ہیں۔ اور رویتِ حق کے بعد تمام خطرات اور مصائب ہیچ ہو کر رہ جاتے ہیں، حضرت یوسفؑ کی تمام زندگی میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے۔

○ ابتلاو آزمائش مصیبت وہلاکت کی شکل میں ہو یا دولت ثروت اور خواہشات نفسانی کے خوبصورت اسباب کی صورت میں، ہر حالت میں انسان کو خدا تعالیٰ کی جانب ہی رجوع کرنا چاہئے اور اسی سے التجا کرنی چاہئے کہ وہ امر حق پر ثابت قدم رکھے اور استقامت بخشے، عزیز کی

بیوی اور حسین مصری عورتوں کی ترغیبات اور ان کی مرضیات پوری نہ کرنے پر قید کی دھمکیاں اور پھر قید و بند کے مصائب، ان تمام حالات میں حضرت یوسفؑ کا اعتماد اور ان کی دعاؤں اور التجاؤں کا مرکز صرف ایک ہی ہستی سے وابستہ نظر آتا ہے، وہ نہ عزیز مصر کے سامنے، عرض رساں نظر آتے ہیں، نہ فرعون کے سامنے ملتجی، وہ نہ ان خوبرویان مصر اور عشوہ طرازان حسن و جمال سے جی لگاتے ہیں اور نہ اپنے مربی کی خوبرو بیوی سے، بلکہ ہر موقعہ پر خدائے تعالیٰ ہی سے مدد کے طالب نظر آتے ہیں۔

”رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ . مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْ اَحْسَنَ مَثْوَایَ.

○ جب خدائے تعالیٰ کی محبت اور اس کا عشق، قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے تو پھر انسان کی زندگی کا تمام تر مقصد ہی وہی بن جاتا ہے اور اس کے دین کی دعوت و تبلیغ کا عشق ہر وقت رگ و پے میں دوڑتا رہتا ہے، چنانچہ قید خانہ کی سخت مصیبت کے وقت اپنے رفیقوں سے سب سے پہلا کلام یوسفؑ کا یہی تھا۔ یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ.

○ دیانت و امانت ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کو انسان کی دینی و دنیوی سعادتوں کی کلید کہنا چاہئے، عزیز مصر کے یہاں یوسفؑ جس طرح داخل ہوئے تھے واقعہ کی تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے، یہ حضرت یوسفؑ کی دیانت و امانت ہی کا نتیجہ تھا کہ پہلے وہ عزیز مصر کی نظروں میں بلند و باوقار اور محبوب بنے پھر مصر کی حکومت کے مالک ہو گئے۔

○ خود اعتمادی انسان کے بلند اوصاف میں سے ایک بڑا وصف ہے خدا تعالیٰ نے جس شخص کو یہ دولت بخش دی ہے وہی دنیا کے مصائب و آلام سے گزر کر دنیوی و دینی رفعت و بلندی حاصل کر سکتا ہے۔

خود اعتمادی کی مختلف اقسام میں سے ایک قسم عزت نفس بھی ہے جو شخص خودداری اور عزت نفس سے محروم ہے، وہ انسان نہیں، ایک مضغۂ گوشت ہے، حضرت یوسفؑ کی عزت نفس کے تحفظ

کا یہ عالم ہے کہ برسوں کے بعد جب قید خانہ سے رہائی کا حکم ملتا، اور بادشاہ وقت کا پیغام سربلندی حاصل ہوتا ہے تو مسرت و شادمانی کے ساتھ فوراً اس کو لبیک نہیں کہتے بلکہ صاف انکار کر دیتے ہیں کہ میں اس وقت تک قید خانہ سے باہر نہیں آؤں گا تاوقتیکہ یہ فیصلہ نہ ہو جائے کہ مصری عورتوں نے مکروفریب سے جس قسم کا معاملہ میرے ساتھ کیا تھا اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ۔

○ صبر ایک عظیم الشان خلق ہے اور بہت سی برائیوں کے لئے سپر اور ڈھال کا کام دیتا ہے، قرآن حکیم نے ستر سے زیادہ مقامات پر اس کی فضیلت کا اعلان کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے مراتب عالیہ اور درجات رفیعہ کا مدار اسی فضیلت پر رکھا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا (الاعراف)

"اور ہم نے ان میں سے مقتدا بنائے، جو ہمارے احکام کے ہادی بنے جب کہ وہ فضیلت صبر سے مزین ثابت ہوئے۔ اور پورا ہوا تیرے رب کا نیک کلمہ بنی اسرائیل پر اس وجہ سے کہ وہ صابر رہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (سورہ بقرہ)

"اور بشارت دے دو ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور بیشک ہم اسی جانب لوٹ جانے والے ہیں"

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سورہ احقاف)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اسی طرح صبر کرو جس طرح بلند عزیمت والے پیغمبروں نے صبر کیا۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ) اور اللہ سے مدد چاہو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صبر نصف ایمان ہے۔

وَسُئِلَ عَنِ الْأِيْمَانِ فَقَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ (بیہقی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ ایمان کی تعریف پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا "صبر اور دریا دلی"۔

حقیقت میں صبر ایک ایسی صفت کا نام ہے، جس کے ذریعہ انسان برائیوں سے باز رہ سکے اور نفس ان کی طرف اقدام سے رک جائے، اس لئے یہ صرف انسان ہی کا خاصہ ہے اور تمام حیوانات سے اس کو امتیاز بخشتا ہے۔

صبر کی مختلف اقسام ہیں یا یوں کہئے کہ ان اشیاء کی نسبت کے لحاظ سے جن کی جانب "صبر" کو منسوب کیا جاتا ہے وہ مختلف ناموں سے موسوم ہے۔

پس اگر پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات کے مقابلے میں صبر ہے تو اسکا نام عفت ہے، اور اگر مصائب پر ہے تو اس کو صبر ہی کہتے ہیں اور اس کی ضد کا نام "جزع و فزع" ہے اور اگر ثروت و دولت کی بہتات کی حالت میں صبر ہے تو اس کا نام "ضبط نفس" ہے اور اس کی ضد کو "بطر" (چھچھورپن) کہتے ہیں اور اگر میدان جنگ اور اسی قسم کے مہلک حالات پر صبر ہے تو وہ "شجاعت" کہلاتا ہے اور اس کی ضد کا نام "جبن" (بزدلی) ہے اور اگر غیظ و غضب کے حالات پر صبر ہے تو اس کو "حلم" کہتے ہیں اور اس کی ضد کو "تدمر" یعنی (بے قابو ہونا) کہا جاتا ہے اور اگر حوادثات زمانہ پر صبر ہے تو اس کا نام "وسعت صدر" ہے یعنی (کشادہ دلی اور حوصلہ مندی) ہے اور اس کی مخالف صفت کو "ضجر" یعنی (تنگ دلی اور بے صبری) کہتے ہیں اور اگر دوسروں کے پوشیدہ رازوں پر صبر ہے تو اس کا نام "کتمان سر" (پردہ پوشی) ہے، اور اگر بقدر کفاف معیشت پر صبر ہے تو اس کو "قناعت" کہتے ہیں اور اگر ہر قسم کی عیش پسندی کے مقابلے میں صبر ہے تو اس کا نام "زہد" ہے۔

صبر کی ان تمام اقسام کا بیان جامع ایجاز و اعجاز کے ساتھ قرآن عزیز کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔

"وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ" اور ہر قسم کی مصیبتوں اور مضرتوں اور میدان جنگ کی ہولنا کیوں میں صبر کرنے والے یہی دراصل صادق ہیں اور یہی متقی و پرہیزگار ہیں۔

اللہ نے حضرت یوسف کو صبر و رضا کے ان تمام مراحل میں وہ کمال عطا فرمایا تھا جس کو ''مثل اعلیٰ کہا جاتا ہے'' مثلاً:۔

(1) برادران یوسف کی ایذا رسانیوں پر صبر (2) آزاد ہونے کے باوجود غلام بن جانے اور ایسے ملک اور ایسی قوم کے ہاتھوں میں فروخت ہو جانے پر صبر جو معاشرت اور معیشت میں بھی مخالف اور دین و ایمان میں بھی دشمن تھی، (3) عزیز مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کی پرفریب ترغیبات پر صبر (4) قید خانہ کے مصائب پر صبر (5) عزیز مصر کی تمام دولت و ثروت کے وکیل بن جانے پر صبر یعنی خدا کی شکر گزاری کا اظہار اور شیخی سے پرہیز (6) مملکت مصر کے حاکم مطلق ہونے پر صبر یعنی ظلم، کبر، شیخی سے پرہیز (7) ہر دو حالتوں میں قناعت و زہد کی زندگی کو ترجیح۔ (8) ایذا رسا بھائیوں کی ندامت کے وقت اختیار صبر، یعنی وسعت قلب کا ثبوت ''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ '' (9) اخلاق حسنہ میں ''شکر'' بھی بہترین خلق ہے اس لئے کہ یہ اخلاق الٰہیہ میں سے بہت بلند خلق ہے، قرآن عزیز میں ہے ''وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ '' انسانی اوصاف میں ''شکر'' ایسی صفت کا نام جس کے ذریعہ منعم حقیقی کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اور اس پر مسرت و شادمانی کا اظہار ہو اور اس کو محسن و منعم کے مرغوب اور پسندیدہ طریقہ پر استعمال کیا جائے، قرآن عزیز میں ہے:

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْلِیْ وَلَاتَکْفُرُوْنَ (بقرہ)

پس تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

مَایَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (نساء) اللہ تم پر عذاب نہ لائے گا، اگر تم اس کے شکر گزار اور اس پر ایمان والے رہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم) اگر تم شکر گزار رہو تو ہم (تمہاری نعمتوں میں) اضافہ کرتے رہیں گے،

مگر افسوس یہ ہے کہ انسانی دنیا میں حقیقی شکر گزار اور سپاس گزار بہت ہی کم ہیں۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا) اور میرے بندوں میں حقیقی شکر گزار بہت کم ہیں

لیکن حضرت یوسفؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بھی بدرجہ کمال عطا فرمائی تھی، ان کی زندگی کے حالات پڑھو اور اندازہ کرو کہ کس طرح جگہ جگہ شکر اور سپاس گزاری کا مظاہرہ نمایاں نظر آتا ہے خصوصاً ختم قصہ پر ان کی جو دعا مذکور ہے وہ ان کے اس وصف کو اور زیادہ نمایاں کرتی ہے،

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف۔ ع:۱۱) اے پروردگار! بلاشبہ تو نے مجھ کو حکومت بخشی اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے مجھ کو فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لے اور خاص نیک بندوں میں شامل کر دے۔

(10) حسد اور بغض کا انجام حاسد اور بغض کرنے والے کے حق میں ہی مضر ہوتا ہے اور اگرچہ کبھی محسود و مبغوض کو بھی دنیاوی نقصان پہنچ جانا بھی ممکن ہے، لیکن حاسد کسی حال میں بھی فلاح نہیں پاتا اور خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کا مصداق ہی رہتا ہے، الا یہ کہ تائب ہو جائے اور حاسدانہ زندگی کو ترک کر دے۔

برادران یوسف کے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ان کا انجام بھی مگر چشم بصیرت شرط ہے۔

(11) صداقت، دیانت، امانت، صبر اور شکر جیسے صفات عالیہ سے متصف زندگی ہی حقیقی اور کامیاب زندگی ہے، اور اگر انسان میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تو پھر وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر۔

اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (بقرہ) یہ متمرد و سرکش انسان چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔

(12) حضرت یوسفؑ کے اخلاق کریمانہ اور صفات عالیہ کی مدحت و منقبت میں سب سے اہم وہ جملہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا "اَلْکَرِیْمُ بْنُ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ " یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم، یعنی وہ سلسلہ نسب جو چار پشتوں سے کرامت نبوت سے مستفیض ہے، یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم کا سلسلہ ہے، اور ایک روایت میں ہے:۔ "اَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰہِ بْنِ نَبِیِّ اللّٰہِ بْنِ خَلِیْلِ اللّٰہِ" (بخاری، کتاب التفسیر)

سوال: حضرت یوسفؑ کی وفات کتنی عمر میں ہوئی؟

جواب: حضرت یوسفؑ نے اپنی زندگی کے طویل حصہ عمر کو مصر ہی میں گزارا اور جب ان کی عمر ایک سو دس سال کو پہنچی تو ان کی وفات ہوگئی، حضرت یوسفؑ نے وفات سے پہلے اپنے خاندان والوں سے یہ عہد لیا کہ وہ مجھ کو مصر کی زمین میں نہ دفن کریں گے۔ بلکہ جب خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا کہ بنی اسرائیل دوبارہ فلسطین یعنی آباء واجداد کی سرزمین میں واپس ہوں تو میری ہڈیاں وہیں لے جا کر سپرد خاک کرنا، چنانچہ انہوں نے وعدہ کیا اور جب حضرت یوسفؑ کا انتقال ہوگیا تو ان کو حنوط (ممی) کر کے تابوت میں محفوظ رکھ دیا اور جب موسیٰؑ کے زمانہ میں بنی سرائیل مصر سے نکلے تو اس تابوت کو بھی ساتھ لیتے گئے اور آباء واجداد کی سرزمین میں ہی لے جا کر سپرد خاک کردیا۔ حموی کہتے ہیں کہ یوسفؑ کی قبر بلاطہ میں ہے جو فلسطین کے علاقہ نابلس کا ایک گاؤں ہے یہ قبر ایک درخت کے نیچے ہے۔ (قصص القرآن ج:1 ص:335)

سوال: زلیخا مدعی ہوئی کہ (نعوذ باللہ) حضرت یوسف علیہ السلام نے خلل اندازی کی کوشش کی

جواب: یکا یک ایک گواہ شہادت دیتا ہے...... تفسیری روایات میں ہے کہ یہ گواہی دینے والا زلیخا کا خالہ زاد بھائی تھا، جو گود کا ایک بچہ ہی تھا، اللہ جل شانہ نے اس معصوم بچہ کو قوت گویائی عطا فرما

دی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چار بچوں نے گود کی حالت میں گفتگو کی۔

○ ابن ماشطہ ○ حضرت یوسف علیہ السلام کے گواہ
○ صاحب جریج ○ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

سوال: زلیخا کے فتنہ سے ایسے نازک مرحلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام برہان رب کی بناء پر محفوظ رہ سکے۔ ”برہان رب“ کیا ہے......؟

جواب: اس بارے میں تفسیری روایات مختلف ہیں، عام مفسرین نے اس سلسلہ میں جو اقوال نقل فرمائے ہیں، ان میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ برہان رب سے مراد زنا کی حرمت و شناعت کا وہ عین الیقین جو اللہ پاک نے ان کو عطا فرمایا اور اسی عین الیقین کی بدولت جملہ اسباب و دواعی موجود رہنے کے باوجود آپ برائی سے محفوظ رہے۔ اور زلیخا کے مکر و فریب سے اللہ پاک نے آپ کو محفوظ فرمایا۔

○ دوسرا قول یہ ہے کہ جس وقت زلیخا نے آپ کو برائی کی طرف مائل کرنا چاہا، عین اسی وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھائی دی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مارا، گویا حضرت یعقوب کا دیکھنا مانع ہوا۔

○ تیسرا قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے اور وہ یہ کہ عزیز مصر کی بیوی نے اس وقت اپنے مکان میں رکھے ہوئے ایک بت پر پردہ ڈال دیا، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس پر اس عورت نے کہا کہ مجھے اپنے معبود سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس برائی کو دیکھے، اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ایسے بت سے شرم محسوس کرتی ہے جو نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا، اور کسی بھی قسم کی حس و حرکت نہیں رکھتا، تو ایسے بت سے ڈرتی ہے لیکن ایسے خدا سے خوف نہیں کرتی جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

بہر حال جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ سب سے بہتر قول اور نبی کی ذات سے قریب تر منصب نبوت کے مطابق وہی قول ہے جو سب سے پہلے ذکر کیا گیا، خلاصہ یہ کہ حضرت یوسف

علیہ السلام "برہان رب" کو دیکھ چکے تھے، اس لئے اس عورت کا خیال تک نہ جما اور وسوسہ کے درجہ میں معمولی سا خیال آیا اور گذر گیا۔ (روح المعانی، ص ۴/۲۶) □□□

پہلے اپنی فکر!

□ اس زمانے میں یہ مرض عام ہے کہ مسلمان عموماً اپنی اصلاح کی فکر سے بے نیاز رہ کر ملت کی زبوں حالی اور تباہی کا رونا روتے ہیں گو کچھ لوگوں کا جذبہ حسن لوگوں کی نیت پر مبنی ہوتا ہے مگر مرض کا ازالہ مرثیہ خوانی اور کفِ افسوس ملنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا صحیح علاج پہلے اپنی اس کے بعد دوسروں کی اصلاح ہے۔ اور جب اپنی اصلاح سے فراغت ہو جائے تو دوسروں کی فکر ہو۔ صرف دوسروں کی فکر، صرف زبان سے کرنا اور اپنے سے غافل رہنا لیڈرانہ شان ہے، میری مخلصانہ خواہش ہے کہ ہم لوگ سب سے پہلے اپنے اپنے احوال پر نظر کریں، اپنی صحتِ روحانی واخلاقی ودینی فکر کریں۔ اس کے ساتھ اپنے اہل وعیال اور اپنے خاندان کی خبر گیری کریں اور ان کی اصلاح کی فکر میں لگیں۔ انشاءاللہ اگر ہم اس طرف متوجہ ہوں گے تو سارے مسلمانوں کی حالت بدل جائے گی۔

بے شبہ امت مرحومہ کی پریشاں حالی اور پراگندگی کی کیفیت آپ کو متاثر کرتی ہو گی مگر غور کیجئے کہ اس کا علاج آپ کے ہاتھ میں ہے؟ جب آپ کی استطاعت سے وہ چیز خارج ہے تو اس کی فکر میں پڑ کر اپنا وقت آپ کیوں ضائع کرتے ہیں۔ یہ تو لیڈرانہ قسم کا ایک مرض ہے۔ آپ کو اختیار اپنے اوپر ہے اور اپنے اہل وعیال اور متبعین کے اوپر ہے۔ آپ اپنی اور ان کی اصلاح کی فکر فرمائیں کہ یہ آپ کی استطاعت میں ہے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ انسان کو پہلے اپنی پاکی کی کوشش کرنی چاہئے اس کے بعد دوسرے کی فکر کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ موجودہ سیاسی لیڈروں کی طرح دوسروں کی فکر تو ہو مگر خود اپنی فکر سے غفلت تام ہو۔ اس سے نہ اپنا ہی بھلا ہوتا ہے نہ دوسروں کا۔

(علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ماخوذ از: سلوکِ سلیمانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شعیب

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر جگہ مسلمانوں کا شعور بیدار ہو چکا ہے ......

الحمدللہ مسلمانوں میں شعور بیدار ہو چکا ہے، اور زندہ رہنے، باقی رہنے اور اپنی عظمت کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان زندہ ہیں، اور زندگی کے سبب رواں دواں ہیں، جو راستے پر چلیں گے، وہ منزل پر پہنچ جائیں گے، ہر جگہ مسلمانوں کا شعور بیدار ہو چکا ہے۔ جو اصحاب شعور اور جذبے کے مالک ہیں، وہ ماضی کی عزت وعظمت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے جامعہ اسلامیہ سلطانپور میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۱۲) حضرت شعیب علیہ السلام

سوال: حضرت شعیبؑ کی قوم پر کیا عذاب آیا، کیوں آیا اور کتنے دنوں تک رہا؟

جواب: یہ لوگ اللہ کی نافرمانی پر حد سے زیادہ آگئے تو اللہ نے ان پر گرمی کا عذاب بھیجا گویا کہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ان پر کھول دیا گیا جب یہ لوگ گرمی سے پریشان ہو گئے تو مکانوں سے باہر بھاگنے لگے اللہ نے بدلی کی ٹکڑی بھیجی جس کے نیچے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں یہ لوگ یکے بعد دیگرے سب اس بدلی کے نیچے آگئے تو اللہ نے اس بدلی کے اندر سے آگ کے انگارے ان کے اوپر برسائے جنھوں نے ان کو بھون کر رکھ دیا اور ان کو تلی ہوئی بھنی ہوئی ٹڈیوں کی طرح بنا دیا ان پر ناپ اور تول میں کمی کرنے کی وجہ سے یہ عذاب آیا اور سات دن تک یہ عذاب رہا۔ (حاشیہ جلالین ص: 315)

سوال: حضرت شعیبؑ حضرت ابراہیمؑ کے کون ہیں؟

جواب: مشہور اسلامی مؤرخ محمد بن اسحاق کے بیان کے مطابق حضرت شعیبؑ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے صاحبزادے مدین کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت لوطؑ سے بھی رشتۂ قرابت رکھتے ہیں۔ جس بستی میں ان کا قیام تھا اس کو بھی شہر مدین کہا جاتا تھا گویا مدین ایک قوم کا بھی نام ہے اور ایک شہر کا بھی۔ یہ شہر آج بھی مشرق اردن کی بندرگاہ معان کے قریب موجود ہے۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شعیبؑ کو ''خطیب الانبیاء'' کے لقب سے کیوں یاد فرمایا ہے؟

جواب: حضرت شعیبؑ کو اللہ تعالیٰ نے وعظ و نصیحت کا معجزانہ انداز عطا کیا تھا۔ اسی حسن خطابت کی وجہ سے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خطیب الانبیاء'' کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

سوال: حضرت شعیبؑ کا اسم گرامی قرآن کریم میں کتنی جگہ آیا ہے؟

جواب: حضرت شعیبؑ کا اسم گرامی قرآن حکیم میں دس جگہ آیا ہے۔

سوال: حضرت شعیبؑ کی بعثت کس مقام میں ہوئی؟

جواب: حضرت شعیبؑ کی بعثت مدین میں ہوئی۔ مدین کسی مقام کا نام نہیں ہے بلکہ قبیلہ کا نام ہے۔ یہ قبیلہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا جو ان کی تیسری بیوی قطورا رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوا تھا اسلئے حضرت ابراہیمؑ کا یہ خاندان بنی قطورا کہلاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں۔ سارہؓ۔ ہاجرہؓ۔ قطوراؒ۔

حضرت سارہؓ کے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے ان کے دو بیٹے تھے حضرت یعقوبؑ جو بنی اسرائیل کے باپ قرار پائے، دوسرے عیسو جن کا لقب ادوم تھا۔ سیدہ ہاجرہؓ کے بطن سے ایک بیٹا ہوا جن کا نام اسماعیل علیہ السلام ہے۔

سیدہ قطوراؒ کے بطن سے کئی ایک بچے ہوئے جن میں ایک کا نام مدین تھا۔ عرب ہی میں ان کے باپ نے ان کو بسایا تھا۔

انہی تینوں ازواج سے حسب ذیل مشہور زمانہ قومیں پیدا ہوئیں۔

- بنو قطوراؒ میں سے اہل مدین اور اہل ودان (اصحاب الایکہ) حضرت شعیبؑ کی قوم۔
- بنو سارہؓ میں سے ادوم۔ (یعنی حضرت ایوبؑ اور ان کی قوم)
- بنو ہاجرہؓ میں سے حضرت اسماعیلؑ، اصحاب الحجر، قیدار، قریش، مدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسماعیلؑ کے پہلو میں حجاز آکر آباد ہوگئے تھے۔ پھر یہی خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا۔ حضرت شعیبؑ بھی چونکہ اسی نسل سے تھے اس لئے ان کی بعثت کے بعد یہ قوم، قوم شعیب کہلائی۔

سوال: حضرت شعیبؑ جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ قوم کس گناہ و معصیت میں مبتلا تھی؟

جواب: حضرت شعیبؑ جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ قوم خدا بیزاری اور معصیت کاری کا شکار تھی۔ یہ صرف افراد کی حد تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ساری قوم اسی گرداب ہلاکت میں مبتلا تھی۔ ایک

لمحہ کیلئے بھی ان کو یہ احساس نہ تھا کہ یہ سب کچھ گناہ و معصیت ہے بلکہ وہ اپنے ان اعمال پر فخر کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لا کر جہاں حقوق اللہ کی خلاف ورزی کر رہے تھے وہاں خرید و فروخت میں ناپ تول گھٹا کر لوگوں کے حقوق بھی ضائع کر رہے تھے۔ مزید یہ کہ راستوں اور سر راہ بیٹھ کر آنے جانے والے مسافروں کو ڈرایا دھمکایا کرتے اور لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

یہ ان کے شدید جرائم تھے جن کی اصلاح کیلئے حضرت شعیبؑ کو بھیجا گیا تھا۔ اللہ کی توحید اور شرک بیزاری کا اعتقاد تو تمام انبیاء کرام کی مشترکہ تعلیم ہے جو حضرت شعیبؑ کے حصہ میں بھی آئی مگر قوم کی مخصوص بداخلاقیوں پر توجہ دلانے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے انہوں نے اس قانون کو بھی اہمیت دی کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں ہمیشہ یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو جس کا حق ہے وہ پورا پورا اس کو ملے۔ اپنی اس قوم کی اصلاح کے لئے حضرت شعیبؑ نے تین باتیں خصوصیت سے فرمائی ہیں۔

☜ اول یہ کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ یہی وہ دعوتِ توحید ہے جو تمام انبیاء کرام دیتے آئے ہیں اور جو تمام عقائد اور اعمال کی بنیاد ہے۔ چونکہ یہ قوم بھی مخلوق پرستی میں مبتلا تھی اس لئے ان کو سب سے پہلے یہی پیغام دیا۔

☜ دوم یہ بات فرمائی کہ ناپ اور تول میں کمی زیادتی نہ کرو ٹھیک معاملہ کرو۔

☜ سوم یہ کہ تم لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے راستوں پر نہ بیٹھا کرو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ عام شاہراہوں پر بیٹھ کر حضرت شعیبؑ کے پاس آنے والوں کو ڈراتے دھمکاتے تھے اور اجنبی اور مسافروں کے مال و اسباب بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔ علامہ قرطبیؒ نے ان کا یہ عمل بھی نقل کیا ہے کہ وہ لوگ عام مسافروں سے ناجائز، ٹیکس بھی وصول کیا کرتے تھے۔

حضرت شعیبؑ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی، حسن خطابی، ادائے بیان اور

طاقت لسانی میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اپنی قوم کو نرم وگرم ہر طریقے سے رشد وہدایت کے کلمات ارشاد فرمائے مگر بے نصیب قوم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، چند ضعیف اور کمزور انسانوں کے علاوہ کسی نے بھی ان کے پیغام حق پر کان نہیں دھرا، وہ خود بھی اسی طرح بدعمل رہے اور دوسروں کی راہ بھی مارتے تھے، لیکن حضرت شعیبؑ کی دعوت حق جاری رہی۔ قوم کے سربرآوردہ افراد نے جن کو اپنی شوکت وطاقت پر غرور تھا حضرت شعیبؑ کو دھمکایا کہ یا تجھ کو اور تیری قوم کو اپنی اس بستی سے نکال باہر کردیں گے یا پھر تم کو ایسا مجبور کردیں گے کہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

سوال: قوم شعیبؑ کو کتنی قسم کے عذاب نے گھیرا؟

جواب: آخر وہی ہوا جو قانون الٰہی کا ابدی وسرمدی فیصلہ ہے۔ یعنی حجت وبرہان کی روشنی آنے کے بعد بھی جب باطل پر اصرار ہو اور اس کی صداقت کا مذاق اڑایا جائے اور اس کی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالی جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب اس مجرمانہ زندگی کا فیصلہ اور خاتمہ کردیتا ہے اور آنے والی نسل کے لئے اس کو عبرت وموعظت بنادیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں قوم شعیبؑ کو دو قسم کے عذاب سے دوچار کردیا۔ ایک زلزلہ کا عذاب اور دوسرا آگ کی بارش کا عذاب۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ یعنی ان کو سخت اور عظیم زلزلے نے آ پکڑا۔

اَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ سایہ کے دن والے عذاب نے انہیں پکڑلیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ان پر گہرے بادل کا سایہ آیا جب سب اس کے نیچے جمع ہوگئے تو اسی بادل سے ان پر آگ برسائی گئی۔ ”حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ان دونوں آیتوں کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ حضرت شعیبؑ کی قوم پر پہلے دن ایسی سخت گرمی مسلط ہوئی گویا جہنم کا دروازہ ان کی طرف کھول دیا گیا ہو جس سے ان کا دم گھٹنے لگا نہ کسی سایہ میں چین آتا تھا نہ پانی میں۔ یہ لوگ گرمی سے گھبرا کر تہہ خانوں میں گھس گئے تو وہاں اوپر سے بھی زیادہ سخت گرمی پائی، پریشان ہوکر

شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔ وہاں اللہ نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی یہ سب لوگ گرمی سے بدحواس تھے دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے اس وقت یہ سارا بادل آگ ہو کر ان پر برس پڑا اور اس کے بعد زلزلہ بھی آیا جس سے یہ پوری قوم راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی"۔ (بحر محیط)

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے قوم شعیبؑ کے مختلف حصے ہوں بعض پر زلزلہ آیا اور بعض عذاب ظلہ سے ہلاک کر دیئے گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

قرآن حکیم نے اس عذاب کی نوعیت کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ الخ (اعراف آیات 91 تا 93)

"پس انہیں ایک دہلا دینے والی آفت نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے"۔

سوال: حضرت شعیبؑ کی قبر شریف کہاں ہے؟

جواب: یمن کے علاقہ حضر موت میں ایک قبر جو زیارت گاہ خاص و عام ہے وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ حضرت شعیبؑ کی قبر شریف ہے۔ حضرت شعیبؑ اہل مدین کی ہلاکت کے بعد حضر موت ہجرت کر آئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوئی ۔ صاحب قصص الانبیاء علامہ عبدالوہاب نجارؒ کی رائے ہے کہ یہ بات کچھ صحیح نہیں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت شعیبؑ قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ مکرمہ آ گئے تھے اور وہیں وفات ہوئی۔ وہ اور ان کے ساتھیوں کی قبریں مکہ مکرمہ میں دارالندوہ کے قریب ہیں۔ (دارالندوہ زمانہ جاہلیت میں اہل مکہ کا مشورہ گاہ تھا، جہاں قوم کے فیصلے اور معاملات طے کئے جاتے تھے)

سوال: حضرت شعیبؑ کی قوم کے واقعہ سے ہم کیا نتائج اخذ کر سکتے ہیں؟

جواب: پچھلی امتوں اور قوموں کے یہ واقعات کہانیاں نہیں ہیں بلکہ عبرت بیں نگاہوں کے لئے سرمایۂ صد ہزار عبرت ہیں، اگر زیادہ غور و فکر سے بھی کام نہ لیا جائے تب بھی با آسانی مسطورۂ بالا

واقعات سے ہم حسب ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

○ سورۂ اعراف میں مذکور ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی حجت وبینہ آ چکی "قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" مگر قرآن عزیز نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت شعیبؑ کے کسی معجزہ "آیت اللہ" کا ذکر نہیں کیا، علماء نے اس سے دو نتیجے نکالے ہیں، ایک یہ کہ اگر نبی اور پیغمبر کسی قسم کا معجزہ نہ بھی لائے اور صرف خدا کے پیغام کے لئے روشن دلائل وبراہین کی حجت ہی پیش کرے تو یہ روشن برہان ہی اس کا سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ ہے دوسرے یہ کہ اس مقام پر "بینہ" کی تفصیلات کو خدا کے سپرد کرنا چاہئے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ شریعت کے روشن دلائل کے علاوہ حضرت شعیبؑ کو بھی خدا کی جانب سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی نشان (آیت اللہ) بطور معجزہ عطا کیا گیا ہو اور اگرچہ قرآن نے اس جگہ اس کی تصریح نہیں کی مگر شعیبؑ کے اس خطاب میں اسی جانب اشارہ ہو۔

○ ہماری غلطیوں میں سب سے بڑی مہلک غلطی عرصہ سے یہ رہی ہے کہ ہم قرآن عزیز کی تعلیم سے یکسر غافل ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے کہ اسلامی زندگی کے ارکان میں صرف "عبادات" ہی اہم رکن ہیں اور معاملات میں درست کاری اور اصلاحی معاشرت کو اسلام میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں فساق امت کا تو ذکر ہی کیا اکثر اتقیاء اور پرہیزگار بھی حقوق العباد اور معاملات میں بے پروا نظر آتے ہیں، مگر حقوق العباد کی حفاظت معاشرتی درست کاری اور معاملات میں دیانت وامانت کو اسلام میں کس درجہ اہم شمار کیا گیا ہے وہ اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ اللہ نے ایک جلیل القدر پیغمبر کی بعثت کا مقصد اسی کو قرار دیا اور ان کو انہی کی اصلاح کیلئے رسول بنا کر بھیجا۔

○ خرید وفروخت میں دوسروں کے حق کو پورا ادا نہ کرنا انسانی زندگی میں ایسا روگ لگا دیتا ہے کہ یہ بداخلاقی بڑھتے بڑھتے تمام حقوق العباد کے بارے میں حق تلفی کی خصلت پیدا

کردیتی، اور اس طرح انسانی شرافت اور باہمی اخوت ومودت کے رشتہ کو منقطع کر کے لالچ، حرص، خود غرضی اور خست ودنائت جیسے رذائل کا حامل بنادیا کرتی ہے اسی لئے خدائے برتر کا ارشاد ہے۔ ”وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ. اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ. وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ.“ (مطففین ع:1)

ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو دوسروں سے جب لیتے ہیں تو پورے پیمانے سے لیتے ہیں اور جب خود اپنی چیز دیتے ہیں تو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں اور کم تولتے ہیں۔

پس اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (ہود ع:8) کہہ کر اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ ناپ تول میں انصاف صرف اشیاء کی خرید وفروخت ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ انسانی کردار کا یہ کمال ہونا چاہئے کہ خدا اور اس کے بندوں کے تمام حقوق وفرائض میں اس ایک اصل کو بنیاد کار بنائے اور کسی موقع اور کسی حالت میں بھی عدل وانصاف کے ترازو کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور خرید وفروخت کے درمیان ناپ تول میں کمی نہ کرنا اور انصاف کو برقرار رکھنا گویا ایک کسوٹی ہے جو انسانی زندگی کے معمولی لین دین میں عدل وانصاف نہیں برتتا اس سے کیا توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اہم معاملات دینی ودنیوی میں عدل وقسط کو کام میں لائے گا؟

○ اصلاح حال کے بعد خدا کی زمین میں فساد پیدا کرنے سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں ہے اس لئے کہ ظلم، کبر، قتل اور عصمت ریزی جیسے بڑے بڑے جرائم کی بنیاد اور اصل یہی رذیلہ ہے۔

○ باطل کی ایک بڑی شناخت یہ ہے کہ نہ وہ اپنے لئے دلائل کی روشنی رکھتا ہے اور نہ روشن دلائل کو برداشت کرتا ہے بلکہ جب اس کے سامنے روشنی آتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا، اور آنکھیں بند کرلیتا ہے اور اس کی موجودگی کو برداشت نہ کرتے ہوئے دلائل کا جواب غصہ، دھمکی اور قتل سے دینے پر آمادہ ہوجاتا ہے تم انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروان حق کی زندگی اور پھر ان کے مقابل اور مخالف باطل پرستوں کی زندگی کا موازنہ کرو اور تاریخ کے اوراق سے واضح شہادت لو تو تم کو قدم قدم پر یہ حقیقت آشکارا اور روشن نظر آئے گی کہ انبیاء علیہم السلام روشن دلائل

دے رہے ہیں، آیات اللہ اور خدا کی نشانیاں دکھا رہے ہیں، محبت اور رحم کے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں اور اپنی دعوت و تبلیغ پر مخاطبین پر مالی دباؤ نہ ڈالنے کا اطمینان دلا رہے ہیں مگر ان تمام باتوں کے باوجود دوسری جانب سے اُن کو کہا جا رہا ہے کہ ہم تمہارا دیس نکالا کر دیں گے۔ ہم تم کو سنگسار کر دیں گے، ہم تم کو قتل کر دیں گے، اور اگر خدا کے پیغمبر آخری طور پر یہ کہتے ہیں کہ اگر تم ہماری آواز پر لبیک نہیں کہتے تو کم از کم ہمارے وجود کو برداشت کرو اور اتنا تو صبر کرو کہ خدا تمہارے اور ہمارے درمیان حق و باطل کا خود ہی فیصلہ کر دے تو دوسری جانب سے اس کے جواب میں بھی انکار، تمسخر اور یہ مطالبہ پیش ہوتا ہے کہ بس اب اپنی نصیحت ختم کرو اور اگر سچے ہو تو جس عذاب سے ڈراتے ہو اسے ابھی لے آؤ، ورنہ تو ہم ہمیشہ کیلئے تمہارا اور تمہارے مشن کا خاتمہ کر دیں گے۔

○ حق و باطل کا یہی وہ آخری مرحلہ ہے جس کے بعد خدائے تعالیٰ کا وہ قانون جس کو قانون پاداش عمل کہا جاتا ہے ایسی سرکش اور متکبر قوموں کے لئے دنیا ہی میں نافذ ہو جاتا ہے اور ان کو ہلاک و تباہ کر کے آنے والی نسلوں اور قوموں کے لئے سامان عبرت و موعظت مہیا کر دیتا ہے۔ □□□

حضرت لیّا علیہا السلام

(زوجۂ نبی ایوب علیہ السلام)

- وہ ان عورتوں میں سے تھیں کہ جو اپنے اخلاص اور شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری اور مصیبتوں پر صبر کے معاملے میں عورتوں کے لئے ایک قابل اقتدا نمونہ ہوتی ہیں۔
- وہ ایک عبادت گزار اور شکر گزار بندی تھیں۔
- انہوں نے سخت آزمائش کے وقت بھی اپنے شوہر کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ صبر کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی اطاعت کی حلاوت سے نوازا۔
- حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے نام کے بارے میں بعض نے لیّا بنت یعقوب بعض نے لیّا بنت منشا بن یعقوب اور بعض نے رحمت بنت افرائیم رافراثیم کہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت موسیٰ و ہارون

علیہما السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مساوات کے سلسلے میں مغربی اصول اور اسلامی اصول کے درمیان فرق کے نتائج ......

مساوات کے سلسلے میں مغربی تصور نے جو اصول دیا، اس کا یہ مفہوم ہے کہ کوئی دوسرا شخص ہم سے بڑا نہیں ہے اور اسلام نے جو اصول دیا، اس سے یہ تصور بنا کہ ہم دوسروں سے بڑے نہیں ہیں، اب آپ دیکھئے دونوں تصوروں کے درمیان فرق کے نتیجے میں کتنا بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے، اسلامی اصول و مساوات کے لحاظ سے ہر آدمی دوسرے کو اپنے سے بہتر سمجھے گا، اور دوسرے کے ساتھ تواضع اختیار کرے گا، اپنے کو بہتر بنانے کی کوشش کرے گا، اور مغربی اصول و مساوات سے یہ اثر پڑے گا کہ آدمی دوسرے کو اپنے سے کمتر سمجھے گا، اور اس کے مقابلے میں بڑا بننے کی کوشش کرے گا، اور اس سلسے میں ظلم و جبر تک جب بات پہنچے گی تو خود غرضی کا چلن عام ہوگا جیسا کہ مغربی معاشرے میں ہو رہا ہے کہ بچہ بھی اپنے بڑے کو بڑا نہ سمجھے، اور بڑا اپنے بچے کو اپنی طرح بڑا سمجھنے پر مجبور ہو۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریر سے ایک اقتباس جو انہوں نے ۲۳؍اپریل ۲۰۱۹ء کو خدا بخش اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ میں کی تھی۔)

◆◆◆

(۱۳) حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد کتنا تھا؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک تیرہ ہاتھ لمبا تھا۔

(حیات آدم ماخوذ از طبقات ابن سعد)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک کتنے سال ہوئی؟

جواب: ایک سو بیس برس کی ہوئی۔ (حاشیۂ جلالین ص:138 پ:9)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ اور ان کی اہلیہ کا نام کیا تھا؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام سے متعلق چار اقوال ملتے ہیں (1) محیانہ بنت یصہر بن لاوی (2) بازخت (3) بارخا (4) یوحانذ، چوتھا قول صحیح ہے (قال السیوطی فی الاتقان) اور آپ کی اہلیہ کا نام بعض نے صفورا اور بعض نے صفوریا اور بعض نے صفورہ بتلایا ہے۔

(حاشیہ جلالین ص: 261 ماخوذ از جمل)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ جن جادوگروں سے ہوا تھا ان کی تعداد کیا تھی اور وہ کس چیز پر بیٹھے تھے ان کے ہاتھوں میں کیا تھا؟

جواب: جادوگروں کی تعداد ستر ہزار تھی ہر جادوگر کرسی پر بیٹھا تھا اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک رسی تھی۔ (جلالین شریف ص:263 ج:2 پ:16)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا نام کیا تھا؟

جواب: حضرت مقاتل نے اس کا نام نبعہ ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباس نے ماشا کہا ہے۔

(ابن کثیر)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ عصا کہاں سے آیا تھا اور یہ کس درخت کا تھا؟

جواب: یہ وہ عصا تھا جس کو حضرت آدمؑ جنت سے لے کر آئے تھے یہ واسطہ در واسطہ حضرت

شعیبؑ کے پاس پہنچ گیا تھا اور حضرت شعیبؑ نے بکریاں چرانے کیلئے موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمایا تھا اور یہ جنت کے درخت ریحان کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ (روح المعانی ص:174) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جنت کے درخت آس کی لکڑی کا تھا۔ (حیات آدم)

سوال: اس عصا کی لمبائی کتنی تھی؟

جواب: بعض نے دس ہاتھ اور بعض نے بارہ ہاتھ بیان کی ہے۔ (روح المعانی ص:174)

سوال: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عصا جادوگروں کے سامنے ڈالا تھا تو اسکی کیفیت کیا تھی؟

جواب: وہ سانپ بلکہ ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا تھا اس کے نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا جبڑا فرعون کے محل کے منڈیر پر رکھا تھا اس وقت اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ (حیاۃ الحیوان عربی)۔ (حاشیہ جلالین ص:138 پ:9 پر 80 ہاتھ کے فاصلہ کا ذکر ہے)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے دریائے قلزم میں ڈالنے سے قبل کتنے دنوں تک دودھ پلایا اور دریا میں کس دن ڈالا؟

جواب: دریائے قلزم میں ڈالنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے تین مہینہ تک دودھ پلایا اور جمعہ کے دن دریا میں ڈالا۔ (حیاۃ الحیوان ص:26 ج:2)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے تو راستہ کیوں بھول گئے تھے؟

جواب: اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ جب اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے ملک شام جانے کا حکم دیا تو یہ بھی فرمایا تھا کہ تم جاتے وقت حضرت یوسفؑ کی نعش مبارک کو اپنے ساتھ ملک شام لے جانا، مگر موسیٰ علیہ السلام کو یاد نہ رہا اور نعش مبارک ساتھ نہیں لی جس کی وجہ سے راستہ بھول گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے اور راستہ بھول گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کیا بات ہے؟ ہم راستہ کیوں بھول گئے؟ تو بنی اسرائیل کے علماء نے بتلایا کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے ہمیں یہ وصیت کی تھی کہ جب تم مصر سے جاؤ تو میری نعش بھی نکال

لینا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم کو معلوم ہے یوسفؑ کی قبر کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ایک بڑھیا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا سے معلوم کیا کہ حضرت یوسفؑ کی قبر کہاں ہے؟ تو اس نے یوسفؑ کی قبر اس شرط کے ساتھ بتلائی کہ آپ جنت میں مجھ کو اپنے ساتھ رکھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی یہ شرط منظور کر لی۔ تب اس بڑھیا نے حضرت یوسفؑ کی نعش کا پتہ دیا۔ (حاشیہ جلالین شریف ص: 382)

اور تیسرا قول یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو چاند کی روشنی پھیکی پڑنے لگی حتیٰ کہ اندھیرا ہو گیا جس کی وجہ سے راستہ نہ ملا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بڑے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ کیا ہوا ہم تو راستہ بھول گئے تو انہوں نے کہا کہ دراصل وجہ یہ ہے کہ یوسفؑ نے اپنی وفات کے قریب ہم کو یہ وصیت کی تھی کہ جب تم مصر سے جانے لگو تو میری نعش کو بھی لے لینا، جب تک نعش ساتھ نہیں ہوگی راستہ نہیں ملے گا چنانچہ ایک بڑھیا نے آپ کی قبر اس شرط پر بتلائی کہ جنت میں آپ (موسیٰ علیہ السلام) کے ساتھ رہوں گی جب یوسفؑ کا جنازہ لے کر چلے تو چاند اس طرح نکل پڑا جس طرح سورج نکل جاتا ہے۔

(حاشیہ جلالین ص: 382)

سوال: جس عورت نے یوسفؑ کی قبر بتلائی اس کا نام کیا ہے اور وہ کتنے سال زندہ رہی؟

جواب: اس عورت کا نام مریم بنت ناموسیٰ ہے اور یہ سات سو سال زندہ رہی۔

(حاشیۂ جلالین ص: 382)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم یوشع بن نون نے حضرت خضرؑ کے پاس جاتے وقت جو مچھلی ساتھ لی تھی اس کی لمبائی چوڑائی کتنی تھی؟

جواب: اس مچھلی کی لمبائی ایک ذراع سے زیادہ اور چوڑائی ایک بالشت تھی۔

(حیاۃ الحیوان ص: 383 ج: 1)

سوال: اس مچھلی کا حلیہ کیسا تھا؟

جـــواب: اس مچھلی کی ایک آنکھ تھی اور آدھا سر اور دونوں جانب میں کانٹے تھے اس مچھلی کی نسل اب تک باقی ہے۔ (حیاۃ الحیوان ص:383)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام موسیٰ کس نے رکھا؟

جواب: فرعون کی اہلیہ محترمہ حضرت آسیہ نے رکھا جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ جب فرعون مع حشم وخدم دریا کے کنارے گھوم رہا تھا یہ سب لوگ پانی سے دل بہلا رہے تھے اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تابوت (چھوٹا سا صندوق) پانی کی سطح پر لکڑیوں کے درمیان بہتا ہوا نظر آیا انہوں نے اس صندوق کو نکال کر کھولا تو اس میں چاند جیسے چہرے والا ایک بچہ لیٹا ہوا تھا حضرت آسیہ کو کہا گیا کہ اس کا نام رکھ دو تو حضرت آسیہ نے آپ کا نام اس مناسبت سے کہ آپ پانی اور لکڑیوں کے درمیان بہتے ہوئے آئے تھے موسیٰ رکھا اس لئے کہ ”مو“ بمعنی پانی اور ”سیٰ“ قبطی زبان میں لکڑی کو کہتے ہیں۔ (تفسیر خان ص:225)

سـوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کے تابوت کو دریائے نیل میں ڈال دیا پھر کتنے دنوں بعد آپ کی صورت دیکھی؟

جواب: آپ کی والدہ نے آپ کی صورت تین دن بعد دیکھی اس لئے کہ یہ تابوت جب بہتا ہوا فرعون کے محل کے قریب آیا فرعونیوں نے اس کو نکال لیا اور کھول کر دیکھا تو اس میں آپ لیٹے ہوئے تھے جب دودھ پلانے کی نوبت آئی آپ نے کسی دوسری عورت کا دودھ قبول نہیں کیا جب آپ کی والدہ آئیں تو آپ نے ان کا دودھ پیا۔ فراق کا زمانہ تین یوم کا تھا۔

(الکامل فی التاریخ ص:173 ج:1)

سـوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مدین جاتے وقت کیا تھی مدین کتنے دنوں میں پہنچے راستہ میں کیا کھانا کھایا اور مدین میں کتنے سال رہے؟

جـواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر اس وقت تیس سال تھی سات دن میں مدین پہنچے اور راستہ میں بجز ہری گھاس کے کوئی چیز کھانے کو میسر نہ آئی اور دس سال مدین میں رہ کر

مصر تشریف لائے۔ (حاشیہ جلالین ص: 328)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تو آپ کے بدن پر کیا لباس تھا اور جوتے کس جانور کی کھال کے تھے؟

جواب: آپ کے بدن پر ایک اون کا جبہ تھا۔ (الکامل ص: 179 ج: 1) چادر ٹوپی اور پائجامہ یہ سب کپڑے بھی اون کے تھے۔ اور آپ کے نعلین مردہ گدھے کی (غیر مدبوغ) کھال کے تھے۔

(کنز العمال ص: 509 ج: 11)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والا کون شخص اور کس قوم کا تھا؟

جواب: خربیل تھا جو فرعونیوں میں سے ہی تھا۔ (الکامل فی التاریخ ص: 175 ج: 1)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو لاٹھی تھی اس کی خصوصیات کیا کیا تھیں؟

جواب: خصوصیات عصا موسیٰ علیہ السلام ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

- جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر میں ہوتے تو یہ لاٹھی ان سے بات کرتے ہوئے چلتی تھی۔
- جب آپ کو بھوک ستاتی اور کوئی چیز کھانے کو نہ ہوتی تو عصا کو زمین پر مارتے تھے اس سے ایک دن کا کھانا نکل جاتا تھا۔
- جب پیاس لگتی تو عصا کو زمین میں گاڑ دیتے اس سے پانی ابلنا شروع ہو جاتا تھا جب اٹھا لیتے تو ختم ہو جاتا۔
- جب پھل کھانے کی خواہش ہوتی تو اس لاٹھی کو گاڑ دیتے یہ درخت بن جاتا پتے لگ جاتے اور پھل بھی آ جاتے۔
- جب کنویں سے پانی کھینچنے کی نوبت آتی تو یہ عصا ڈول کا کام دیتا اور اتنا لمبا ہو جاتا جتنی اس کنوئیں میں گہرائی ہوتی اور اس میں دو شاخیں تھیں وہ ڈول کی طرح بن جاتیں۔
- رات کے وقت اس میں روشنی پیدا ہو جاتی۔
- جب کوئی دشمن سامنے پڑتا اس سے خود بخود لڑ کر اس پر یہ عصا غالب آ جاتا۔ (حاشیہ جلالین ص: 261)

سوال: سامری نے بچھڑا کتنے دنوں میں بنا کر تیار کیا تھا؟

جواب: تین دن میں بنا کر تیار کیا تھا۔ (الکامل فی التاریخ ص:189 ج:1)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر پر عصا مارا تھا اس پتھر کی لمبائی و چوڑائی کیا تھی؟

جواب: اس پتھر کی لمبائی و چوڑائی ایک ایک ہاتھ تھی۔ (حاشیۂ جلالین ص:10)

سوال: وادیٔ تیہ کس جگہ واقع تھی اور اس کا طول کتنا تھا؟

جواب: وادیٔ تیہ ملک شام اور مصر کے درمیان میں پڑتی تھی جس کی لمبائی نو میل تھی۔

(حاشیۂ جلالین شریف ص:10)

سوال: اس وادیٔ تیہ میں بنی اسرائیل کیا کھانا کھاتے تھے؟

جواب: اس وادی میں اللہ نے بنی اسرائیل پر من اور سلویٰ نازل فرمایا تھا من یہ ترنجبین ہے جو برف کی طرح سفید اور شہد کی طرح میٹھا ہوتا تھا اور سلویٰ یہ یمن کی طرف کا ایک پرندہ ہوتا ہے چڑیا سے بڑا اور کبوتر سے چھوٹا ہمارے یہاں ہندوستان میں اس کو لاوا یا بٹیر کہتے ہیں یہ بھنا ہوا آتا تھا اور بعض نے کہا کہ خود بھونتے تھے۔ (حاشیۂ جلالین ص: 10 ج:1)

سوال: من و سلویٰ کس دن نہیں نازل ہوتا تھا؟

جواب: شنبہ یعنی بار کا دن بنی اسرائیل کا خاص عبادت کا دن تھا اس دن یہ نہیں اترتا تھا بنی اسرائیل جمعہ کے دن دو دن کا توشہ جمع کر کے رکھ لیا کرتے تھے اس سے زیادہ دن کا جمع کر کے رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ (حاشیۂ جلالین ص: 10 ج:1)

سوال: بنی اسرائیل نے جس گائے کو ذبح کیا تھا اس کا نام کیا تھا اور مقتول یعنی جس کی وجہ سے گائے ذبح کرائی گئی تھی اس کا نام کیا تھا؟ اس کو کس نے قتل کیا تھا؟

جواب: اس گائے کا نام مُذَهَّبَةُ تھا اور مقتول کا نام عامیل تھا جس کو اس کے چچا کے لڑکوں نے قتل کر دیا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ بھائی کے لڑکوں نے میراث حاصل کرنے کی غرض سے قتل کر دیا تھا۔ (خازن ص:60 ج:1 و حاشیۂ جلالین ص: 11)

سوال: حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کتنے سال بڑے تھے؟

جواب: تین سال بڑے تھے۔ (حاشیۂ جلالین ص:14)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کتنے سال کا فاصلہ ہے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ہزار نو سو پچھتر سال کا عرصہ گزرا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ایک ہزار سات سو سال کا زمانہ گزرا ہے۔
(حاشیۂ جلالین ص: 51 وص:97)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی عرصہ میں کتنے انبیاء تشریف لائے اور کس نبی کی شریعت پر عامل تھے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو عرصہ گزرا اس میں ستر ہزار انبیاء مبعوث ہوئے دوسرا قول یہ ہے کہ چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے جو سب کے سب شریعت موسویہ (توریت) پر عامل تھے۔ (حاشیۂ جلالین ص:13)

سوال: وہ پہاڑ کونسا ہے، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دیدار خداوندی کی درخواست کی تھی؟

جواب: بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ سیناء پہاڑ تھا جس کو طور سیناء سے یاد کیا جاتا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس پہاڑ کا نام زبیر تھا اور وہ مدین کے پہاڑوں میں سے سب سے بڑا پہاڑ تھا۔
(تفسیر بغوی ص:196 ج:2)

سوال: جس پہاڑ پر اللہ نے تجلی فرمائی اس کے کتنے ٹکڑے ہو گئے تھے اور کہاں کہاں جا کر گرے تھے؟

جواب: بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ جب اللہ نے طور سیناء یا زبیر پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس پہاڑ کے چھ ٹکڑے ہو گئے تھے تین مکہ میں جا کر گرے اور تین مدینہ میں جو ٹکڑے مکہ میں جا کر گرے وہ یہ ہیں (1) جبل ثور (2) جبل ثبیر (3) جبل حراء اور مدینہ والے یہ ہیں (4) جبل احد (5) جبل ورقان (6) جبل رضوی، ان کے مستقل پہاڑ بن گئے۔ (المجالس السنیہ فی الکلام علی الاربعین النوویہ ص:126 ج:1)

سوال: کوہ طور پر ہم کلامی کے وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوسرا کون تھا؟

جواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے مگر جبرئیل علیہ السلام نے ہم کلامی کے دوران جو باتیں ہوئیں وہ نہیں سنیں۔ (تفسیر بغوی ص:196 ج:1)

سوال : تورات کی تختیوں میں کتنا وزن تھا کتنے سال میں ایک تختی پڑھی جاتی تھی اور اس وقت ان کو کون پڑھتا تھا؟

جواب: تورات کی تختیوں میں اتنا وزن تھا جس کو 70 اونٹ اٹھا سکیں اور تورات کے تختیوں کی شکل میں اجزاء بنے ہوئے تھے ایک تختی یعنی ایک جزء ایک سال میں پڑھا جاتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشعؑ، حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان چاروں کے علاوہ کوئی ان کی تلاوت نہ کرتا تھا۔ (تفسیر بغوی ص:199 ج:2)

سوال : فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے کتنے بچوں کو کہاں جادو سیکھنے کے لئے بھیجا تھا اور سکھانے والا کون تھا؟

جواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے کے لئے فرعون نے جہاں جادوگروں کو اکٹھا کیا وہاں بنی اسرائیل کے 70 یا 72 بچوں کو (جن میں دو قبطی تھے) نینوا مقام پر بھیجا تھا، نینوا کے رہنے والے دو مجوسی ان کو جادو سکھلاتے تھے۔ مفسرین نے ان بچوں کی تعداد میں اختلاف کیا۔ (1) بارہ ہزار تھے (2) امام سدی فرماتے ہیں کہ بچے تیس ہزار کے قریب تھے (3) عکرمہ فرماتے ہے کہ 70 ہزار تھے (4) محمد بن المنکدر رفرماتے ہیں کہ ان بچوں کی تعداد 80 ہزار تھی۔

(تفسیر بغوی ص:187 ج:2)

سوال: جادوگروں کے سردار کا نام کیا تھا؟

جواب : حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ جادوگروں کے سردار کا نام شمعون تھا اور ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کا نام یوحنا تھا۔ (تفسیر بغوی ص:187 ج:2)

سوال : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے فرعون نے کتنے جادوگروں کو جمع کیا اور ان

میں پیش پیش کون تھا؟

جواب: جادوگروں کی تعداد پندرہ ہزار تھی ان میں آگے آگے یعنی ان سب کے سردار چار تھے۔ (1) سابور (2) عادور (3) حطوط (4) شمعون یہی ان سب کا بڑا تھا جب انہوں نے اللہ کی دلیل کو دیکھا تو پہلے یہ چاروں جادوگر سجدہ میں گرے پھر سب کے سب سجدے میں گر گئے اور سب کے سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

(تاریخ الامم والملوک ص:287ج:1)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ کی وفات کہاں ہوئی اور ان کی وفات کے کتنے عرصہ بعد کس نبی کے ہاتھ پر ملک شام فتح ہوا؟

جواب: جمہور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارونؑ کی وفات وادی تیہ میں ہوگئی تھی ان کی وفات کے تین ماہ بعد حضرت یوشعؑ کے ہاتھ پر ملک شام فتح ہوا۔

(تفسیر بیضاوی ص:76)

سوال: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو تھپڑ مار کر قتل کر دیا تو فرعون کے ارادۂ قتل کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس نے خبر دی تھی کہ فرعون آپ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا ہے؟

جواب: اس شخص کا نام حزبیل بن نوحابیل تھا یہ فرعون کا خازن تھا اور مؤمن تھا 100 سو سال سے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ (تاریخ دمشق ص:311ج:25) اور صاحب زاد المسیر ص:77ج:7 نے اس شخص کے نام میں پانچ اقوال ذکر کیے ہیں۔ (1) حزبیل (2) سمعون (3) حبیب (4) شمعان (5) جبریل۔ اور صاب بحر المحیط نے ص:110ج:7 پر اسکا نام جبریل بن شمعون یا شمعون بن اسحاق نقل کیا ہے۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے مقابلہ کس دن کیا اور اور ان کی تعداد کیا تھی اور کتنی صفیں تھیں؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کی عید کے دن جس کو وہ نیروز کہتے تھے مقابلہ کیا

تھا اور اتفاق سے وہ اس سال کا پہلا دن ہفتہ کا تھا اور چاشت کا وقت تھا، بعض نے کہا کہ وہ عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا۔ اور جادوگروں کی تعداد پندرہ ہزار تھی اور ہر جادوگر ایسا جادو جانتا تھا کہ دوسرے کے پاس وہ جادو نہیں تھا ان میں ایک ہزار بڑے جادوگر تھے جب وہ صف لگا کر کھڑے ہوئے تو ایک صف میں ایک ہزار جادوگر تھے تو کل صفیں پندرہ تھیں، دوسرا قول یہ ہے کہ سب جادوگروں کی صفیں پچیس تھیں۔ (تاریخ دمشق ص: 331 ج: 25)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ سے کس جگہ ملاقات کی اور وہ دریا کونسا تھا؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ سے بحر جیلان پر ملاقات کی یہ وہی جگہ تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مچھلی بھول گئے تھے یہ چٹان روحاء کی چٹان تھی اس چٹان پر 70 انبیاء علیہم السلام کا گزر ہوا اور یہ جگہ شہر شروان کے قریب تھی۔

(معجم البلدان ص: 339 ج: 3، تاریخ دمشق ص: 389 ج: 25)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا میں سے نکالے جانے کے بعد کتنے دنوں تک والدہ کا دودھ نہیں پیا؟

جواب: جب فرعون نے دریا سے تابوت نکال کر کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک چھوٹا سا بچہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی بیوی حضرت آسیہ کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی فرعون نے دودھ پلانے والیوں کو بلوایا آپ نے آٹھ دن تک کسی عورت کا دودھ نہیں پیا یعنی پستان کے منہ نہ لگایا فرعون کے دل میں رقت طاری ہوگئی اور مزید دودھ پلانے والیوں کو بلایا۔

(تاریخ دمشق ص: 303 ج: 25)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے کی وجہ سے دریا میں کتنے راستے بنے اور کیوں بنے اُن راستوں کی لمبائی و چوڑائی کیا تھی؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی جب دریائے نیل میں عصا مارا تو بنی اسرائیل کے بارہ فرقے ہونے کی وجہ سے بارہ راستے بن گئے تھے اور ان کا طول یعنی لمبائی دو میل

اور چوڑائی ایک میل تھی۔ (تاریخ دمشق ص: 341 ج: 25)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غلبہ پانے کے بعد فرعونیوں میں کتنے دن ٹھہرے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غلبہ پانے کے بعد ان میں 20 سال ٹھہرے۔ (تاریخ دمشق ص: 333 ج: 25)

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب کیا ہے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلۂ نسب چند واسطوں کے بعد حضرت یعقوبؑ تک پہنچتا ہے۔ ان کے والد محترم کا اسم گرامی عمران اور والدہ محترمہ کا نام یوکابد بیان کیا جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

موسیٰ بن عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوبؑ، حضرت ہارونؑ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بڑے بھائی ہیں جو عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین چار سال بڑے تھے۔ حضرت عمران کے گھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایسے زمانے میں ہوئی جبکہ فرعون مصر اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کا سلسلہ عملاً جاری تھا۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ کونسی صدی کا ہے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ سولہویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ اثری تحقیقات کے مطابق آپ کا سن ولادت 1520ء قبل مسیح اور سال وفات 1400ء قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جس دور حکومت میں پیدا ہوئے اس فرعون کا نام بعض مؤرخین ولید بن مصعب بن ریان اور دوسرے مصعب بن ریان بتاتے ہیں۔ اور بعض اہل تحقیق نے صرف ریان یا ریان ابا لکھا ہے۔ ابن کثیرؒ کی رائے ہے اسکی کنیت ابو مرّہ تھی۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ فرعون شاہانِ مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں۔ ان شاہان مصر کا سلسلہ تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر 332 قبل مسیح تک اکتیس خاندان ملک مصر پر حکمراں رہے ہیں

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس فرعون مصر کے زمانے میں ہوئی جبکہ "قتل اولاد" کا قانون مصر میں سختی کے ساتھ نافذ تھا۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارونؑ اور بنی اسرائیل اور فرعون کا واقعہ قرآن کریم کی کتنی سورتوں اور آیتوں میں ملتا ہے؟

جواب: قرآن کریم کی (27) سورتوں کی 514 آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارونؑ اور بنی اسرائیل اور فرعون کا واقعہ ملتا ہے۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارونؑ کے اسمائے گرامی قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں کتنی جگہ ملتے ہیں؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن کریم کی (26) سورتوں میں (107) جگہ ملتا ہے۔ اور حضرت ہارونؑ کا اسم گرامی قرآن حکیم کی (11) سورتوں میں (14) جگہ موجود ہے۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کا نام کیا تھا؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کا نام "صفورہ" بیان کیا جاتا ہے۔

سوال: سورہ بنی اسرائیل میں نو نشانیوں کا ذکر ملتا ہے "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ" اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانات دیئے۔ ان نو واضح نشانات سے کیا مراد ہیں؟

جواب: حضرت ابن عباسؓ نے تسع آیات کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس کی وضاحت مفسرین کرام نے اس طرح بیان کی ہے:۔

○ **عصا**: اس لکڑی کا نام ہے جو عام طور پر چلتے پھرتے سہارے کا کام دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خاص لکڑی جو جنت سے اتاری گئی، اس کی خاصیت یہ تھی کہ اگر اسکو پتھر پر مارا جائے تو اس کے ضرب سے پتھر میں پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے تھے۔ یہ لکڑی حسب ضرورت دراز بھی ہو جاتی تھی جس کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جانوروں کے لئے اونچے درختوں سے پتے جھاڑ لیا کرتے تھے۔ اس لکڑی کو سحر کے مقابلے میں ڈال دیا جاتا تو وہ اژدھا بن کر جادو کے

سارے کرتبوں کو ہضم کر جاتا تھا۔ فرعونی جادوگروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی لکڑی کو پھینک کر وہ عظیم الشان مظاہرہ کیا کہ جادوگر حیران رہ گئے اور اپنے جادو سے توبہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

○ **ید بیضا**: جس کا ترجمہ روشن ہاتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ داہنا ہاتھ تھا جو معجزے ظاہر کرنے کے کام میں آتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ نصف النہار کے سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی تھیں۔ اس وقت ہاتھ کو دیکھنے کی تاب نہ رہ سکتی تھی۔ پھر جب اسکو دوبارہ گریبان میں ڈال لیتے تو وہ عام ہاتھ کی طرح ہوجاتا تھا۔ اس معجزے سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی اور فرعون کے دربار میں بھی اس کا کئی بار مظاہرہ فرمایا تھا۔

○ **سنین**: (قحط سالی) فرعون اور اہل فرعون کی مسلسل بغاوت وسرکشی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ایک ہولناک قحط سالی کی پیشین گوئی فرمائی جس کو قوم نے مزاح اور دھمکی سے تعبیر کیا لیکن جب وہ شروع ہوا تو بلبلا اٹھے تفسیری روایات کے مطابق یہ قحط ان کے شہروں پر مسلسل سات سال تک رہا حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؓ کی روایت کے مطابق قحط اور خشک سالی کا عذاب گاؤں کیلئے تھا اور پھلوں کی کمی کا عذاب شہروں پر مسلط تھا اس طرح غلہ اور پھلوں کی کمی کے باعث پوری قوم کا عرصہ حیات تنگ ہوچکا تھا۔

○ **نقص ثمرات**: (یعنی پھلوں کی کمی کا عذاب) جیسا کہ بیان کیا گیا قحط سالی میں جہاں ہر قسم کی پیداوار بند ہوگئی اسی طرح ایک عذاب پھلوں کی کمی کا بھی آیا جس کی وجہ سے شہر کے باغات اجڑ گئے اور پورا ملک ویران سا ہوگیا دراصل کسی بھی شہر کی خوبصورتی کے لئے درخت اور باغات ضروری ہیں کوہستانوں میں اس لئے وحشت برستی ہے کہ وہاں سرسبزی کا نام ونشان نہیں ہوتا اور اگر یہی کیفیت شہروں میں قصبوں میں پیدا ہوجائے تو انسانی آبادی کیلئے بدترین مصیبت پیدا

ہو جاتی ہے اہل فرعون کی مسلسل نافرمانی وظلم کے نتیجے میں ایک عذاب اس قسم کا آیا۔

○ **طوفان**: اکثر مفسرین کرام نے اس طوفان سے پانی کا طوفان مراد لیا ہے، جس میں اولے بھی برستے تھے۔ اگرچہ طوفان دوسری چیزوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ قوم فرعون کے سب گھروں زمینوں کو پانی کے طوفان نے گھیر لیا نہ کہیں بیٹھنے لیٹنے کی جگہ رہی نہ زمین میں کاشت کرنے کا موقع رہا۔

○ **جراد**: (ٹڈیوں کا عذاب) اس سے مراد ٹڈی دل ہے جو غول بیابانی کی شکل میں کھیتوں اور باغات پر ٹوٹ پڑتا ہے اور آناً فاناً میلوں لمبے چوڑے کھیتوں کو چٹ کر جاتا ہے۔ اگر یہ ایک مرتبہ بھی آ جائے تو پوری فصل تباہ ہو جاتی ہے جبکہ یہ بطور عذاب ان پر مسلط کر دیا گیا تھا جب کبھی کھیت اور باغات سرسبز ہوئے یہ دل ٹوٹ پڑتا اور سب چٹ کر جاتا تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ یہ ٹڈیاں لکڑی کے دروازوں اور چھتوں اور گھریلو سامان سب کو کھا گئیں۔

○ **قمل**: جس کے معنی جوں کے ہیں اس کا اطلاق جوں، چھوٹی مکھی، مچھر، سُرسُری وغیرہ پر کیا جاتا ہے۔ قمل کا یہ عذاب بھی وبائی شکل میں آیا۔ اناج اور غلے میں بھی یہ اتنی کثرت سے پیدا ہو گئے کہ کسی محفوظ ذخیرہ کو بھی تباہ کئے بغیر نہ چھوڑا۔ ملک کے سارے گودام بھوس کی طرح مغز سے خالی ہو گئے۔ دوسری طرف انسانی سروں اور کپڑوں میں بھی بکثرت پیدا ہو گئے۔ سروں کے بال اکھڑ گئے اور چہرے بے رونق ہو گئے۔ اس عذاب نے بھی ساری زندگی تلخ کر دی۔

○ **ضفادع**: (مینڈکوں کا عذاب) مینڈک کی پیدائش اور رہائش عموماً پانی میں ہوا کرتی ہے اور یہ مخلوق کا دراصل پانی کے جانوروں میں شمار ہوتا ہے لیکن جب اللہ کے عذاب کے طور پر مسلط ہو جائے تو ان مینڈکوں نے انسانی گھروں کا رخ کیا۔ اس کثرت سے گھروں میں پیدا ہونے لگے کہ کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی جہاں مینڈکوں نے اپنا ٹھکانا نہ بنا لیا ہو۔ بستروں میں، کپڑوں میں، کھانے پینے کے برتنوں میں، حتیٰ کہ پکی ہوئی غذاؤں تک میں پیدا ہو گئے۔

اس حیرت ناک عذاب سے سب رو پڑے اور ہر دفعہ کی طرح وعدہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ

علیہ السلام کی پیروی کریں گے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب دور ہوا تو پھر وہی مخالفت وسرکشی شروع کردی۔

○ **الدم**: (خون کا عذاب) اس سے مراد ایسا عذاب تھا جو ہر کھانے پینے کی چیزوں کو خون میں تبدیل کردیا کرتا تھا۔ جب کوئی غذا تیار کی جاتی تو تیار ہونے کے بعد معاً خون بن جاتی۔ کنویں، حوض، نہر سے کسی بھی ذریعہ سے پانی نکالا جائے تو وہ خون کی شکل میں برآمد ہوتا بھوک وپیاس سے عاجز ودرماندہ ہوگئے۔ نجات کی کوئی صورت نہ تھی جو انہیں میسر آتی اور مفسرین کرام یہ عجیب وغریب بات بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر ایک اسرائیلی (قوم موسیٰ) اور ایک فرعونی کھانا کھاتے تو جو لقمہ اسرائیلی اٹھاتا وہ اپنی حالت پر کھانا ہوتا تھا اور جو لقمہ یا پانی کا گھونٹ فرعونی اسی دسترخوان سے منہ میں لیتا، خون بن جاتا۔ یہ عذاب بھی بدستور سات دن تک باقی رہا۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہوا لیکن قوم پھر وہی بغاوت پر اتر آئی۔

ابن منذر نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ان میں سے ہر عذاب قوم فرعون پر سات روز تک مسلط رہتا تھا۔ ہفتہ کے دن شروع ہوتا پھر دوسرے ہفتے کو دور ہوجاتا پھر تین ہفتے کی انہیں مہلت دی جاتی تھی تاکہ وہ توبہ کرلیں لیکن جونہی وہ عذاب رفع ہوتا سرکشی وبغاوت پر اتر آتے۔

امام بغوی نے ان ہی حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ جب پہلی مرتبہ قوم فرعون پر قحط کا عذاب آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہوگیا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگار یہ ایسے سرکش لوگ ہیں کہ عذاب قحط سے بھی متاثر نہیں ہوئے اور معاہدہ کرکے پھر گئے۔ اب ان پر کوئی ایسا عذاب مسلط فرمادیجئے جو ان کے لئے دردناک ہو اور میری قوم کے لئے وعظ کا کام بھی دے اور بعد میں آنے والوں کے لئے درس عبرت بنے تو اللہ نے ان پر یکے بعد دیگرے عذاب کا سلسلہ جاری فرمادیا۔ تسع سنین کی تفصیلات اور فرعون اور قوم فرعون کا ظلم ونافرمانی کی تفصیلات سورۂ

نمل کی آیات میں مذکور ہیں۔

سوال: کیا آج بھی فرعون موسیٰ علیہ السلام کی نعش موجود ہے؟

جواب: جدید تحقیقات کی روشنی میں قاہرہ کے عجائب خانہ میں (رئیس ثانی) فرعون موسیٰ علیہ السلام کی نعش موجود ہے۔ یہ سمندر میں تھوڑی دیر غرق رہنے کی وجہ سے اس کے ناک کے کچھ حصہ کو مچھلی نے کھالیا تھا آج بھی تماشا گاہ خاص وعام ہے۔

سوال: قارون کون تھا اور اس کو زمین کیوں نگل گئی؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن مخالف طاقتوں سے سابقہ پڑا ان میں قارون کا نام بھی شہرت رکھتا ہے قرآن حکیم نے مستقل ایک رکوع میں اس کا واقعہ بیان کیا ہے اس قصہ کا آغاز ہی اس نسبت سے کیا گیا کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تعلق رکھتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی چچازاد بھائی تھا (قرطبی) روح المعانی نے محمد بن اسحاق کی ایک روایت نقل کی کہ قارون توریت کا حافظ اور عالم تھا مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جن ستر افراد کو کلام الٰہی سنانے کو طور پر لے گئے تھے ان میں یہ بھی شامل تھا۔ حضرت عطاءؒ سے روایت ہے کہ اس کو حضرت یوسفؑ کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا جس کی وجہ سے دولت کے انبار حاصل ہو گئے تھے اور وہ اپنے مال ودولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم وستم کیا کرتا تھا، اس کے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ ان کی کنجیاں اتنی تعداد میں تھیں کہ ایک طاقتور جماعت بھی اس کو اٹھائے تو بوجھ سے جھک جائے، اور ظاہر ہے کہ قفل کی کنجی بہت ہلکے وزن کی ہوتی ہے جس کا اٹھانا اور پاس رکھنا مشکل نہیں مگر کثرت عدد کے سبب اتنی ہو گئیں تھیں کہ ان کا وزن ایک طاقتور جماعت کے لئے بھی بھاری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے ایک مرتبہ اس کو نصیحت کی کہ اللہ نے تجھے بے شمار دولت وثروت بخشی ہے، لہٰذا اس کا شکر ادا کر اور مال کا حق زکوٰۃ وصدقات دے کر غرباء ومساکین کی مدد کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی

لوگوں پر احسان کر، اپنا وہ حصہ جو تو دنیا سے لے جائے گا فراموش نہ کر (یعنی صرف کفن) مگر اس کو نصیحت پسند نہ آئی نہایت متکبرانہ لہجہ میں جواب دیا۔

''میری یہ دولت وثروت اللہ کی عطا کردہ نہیں ہے یہ تو میری محنت وقابلیت اور عقل و ہنر کا نتیجہ ہے یہ کوئی فضل وکرم نہیں جو استحقاق کی بجائے احسان کے طور پر دیا جاتا ہو''۔ اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو برابر نصیحت کرتے اور راہ ہدایت کی تلقین کرتے رہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرح باز نہیں آئے تو ان کو اور ان کی قوم کو مرعوب کرنے کے لئے ایک دن بڑے کروفر سے نکلا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں پیغام الٰہی سنا رہے تھے کہ قارون ایک بڑی جماعت اور خاص شان وشوکت اور خزانوں کی نمائش کے ساتھ سامنے سے گزرا۔ بنی اسرائیل نے جب قارون کی اس شان وشوکت کو دیکھا تو ان میں سے کچھ آدمیوں کے دلوں کو انسانی کمزوری کا یہ جذبہ بے چین کر دیا، ان کی زبانوں سے یہ الفاظ نکل گئے ''اے کاش! یہ دولت وثروت، شان وشوکت ہم کو بھی نصیب ہوتی''۔ اسی وقت قوم کے بعض اہل علم افراد نے مداخلت کی اور ان سے کہا ''خبردار خبردار! اس دنیوی زیب وزینت پر نہ جانا اور اس کے حرص میں نہ گرنا تم عنقریب دیکھو گے کہ اس غرور ونخوت کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ تمہارے لئے ایمان وعمل وصالح ہی بہترین ذخیرہ ہیں۔''

قارون کی اس شان وشوکت کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان کیا ہے

''بنی اسرائیل کا ایک شخص (قارون) اپنے لباس کی شان وشوکت کے ساتھ اکڑتا چلا جا رہا تھا اچانک زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک اسی طرح دھنستا جائے گا۔ (بخاری) ابن عباسؓ کی ایک روایت سے اس کے دھنسائے جانے کی یہ کیفیت ملتی ہے۔ ایک دفعہ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام اور ذلیل کرنے کے لئے ایک بدکار عورت کو کثرت سے مال دیا اور اس کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگائے۔ اس بدکار عورت نے ایسا ہی کیا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مجمع کو خطاب کر رہے

تھے، اس الزام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع سے علیحدہ ہوئے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے عورت تو اس بات پر اللہ کی قسم کھا اور اللہ سے ڈر۔ عورت پر اس خطاب سے کچھ ایسی ہیبت طاری ہوگئی کہ اس نے اعتراف کیا کہ قارون نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا ہے اور اب وہ اللہ کی جناب میں توبہ کرتی ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ ریز ہوگئے اور بارگاہ الٰہی میں فریاد کی، اللہ نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ میں نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قارون اور اسکے ساز و سامان کو نگل لے، زمین نے نگلنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ اور اس کا مکان زمین میں دھنس گیا۔ (قصص الانبیاء ، ابن کثیر) یہ سارا واقعہ بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے ہوا اس پر جن لوگوں نے کل تک حسرت و تمنا ظاہر کی تھی، ان لوگوں نے اس ہولناک منظر کو دیکھ کر توبہ کی کہنے لگے کہ اے بربادی اگر ہم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہم بھی ایسے ہی دھنسائے جاتے اور بے شک ناشکری کرنے والے فلاح نہیں پاتے"۔

قارون کا یہ واقعہ قرآن حکیم کی سورۃ قصص آیات 76 تا 84 میں موجود ہے۔

سوال : حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کہاں ہوئی؟

جـــواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری زندگی اپنی قوم کے ساتھ بڑے صبر آزما حالات و واقعات میں بسر ہوئی حتیٰ کہ موت بھی غربت و مسافرت کی حالت میں جبکہ قوم کے ساتھ وادئ تیہ میں مقیم تھے پیش آئی۔ وفاتِ موسیٰ علیہ السلام کا جو واقعہ بخاری و مسلم میں موجود ہے اس میں چند امور وضاحت طلب ہیں۔

یہ تو ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان اگر نبوت و رسالت جیسے عظیم الشان الٰہی منصب پر بھی فائز ہو تب بھی بشریت سے خارج نہیں ہوتا اور نہ تقاضائے بشریت سے خالی۔ موت اپنی ظاہری شکل میں کسی بھی بشر کو مطلوب نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے گریز کرتا ہے البتہ جب اللہ

تعالیٰ کسی بندے پر موت کی حقیقت منکشف کر دیتا ہے تو اس کے مقرب بندوں کے لئے وہی موت سب سے زیادہ محبوب شئی بن جاتی ہے اور اس کے لئے وہ بے قرار ہو جاتا ہے۔ موت کسی کے نزدیک خواہ محبوب شئی ہو یا غیر محبوب بہر حال ایک نہ ٹلنے والا حکم ہوتا ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں، اس لئے تمنا یہ نہ ہونی چاہئے کہ عمر دراز حاصل ہو جائے بلکہ یہ آرزو ہونی چاہئے کہ زندگی کا لمحہ جو بھی میسر ہو جائے وہ پاکی و نیکی میں گزرے تا کہ جب موت آئے تو یہ حقیقی و ابدی زندگی بن جائے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ موت میں فرشتہ موت کو طمانچہ رسید کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جس کو بخاری نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ کوئی امر محال یا ناممکن بات نہیں ہے۔ انبیاء کرام کی سیرتوں میں اس سے بھی عجیب تر واقعات رونما ہوتے ہیں۔ گفتگو صرف اس میں ہونی چاہئے کہ آیا یہ واقعہ سند صحیح کے ساتھ نقل ہوتا آیا ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات ثابت ہے تو پھر روایات کو من وعن طریقہ پر قبول کرنا چاہئے یا اس میں تاویل و تمثیل کا پہلو اختیار کرنا چاہئے۔ یہ ایک علمی و وصولی بحث ہے۔ بعض اہل علم نے ایسی صورتوں میں تاویل و تمثیل کا پہلو اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ محدث ابن قتیبہؒ نے اس واقعہ میں اختیار کیا ہے ان کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کا یہ واقعہ حقیقت کے ساتھ وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ تخیلی و تمثیلی واقعہ ہے۔ بہر حال ایسے حضرات کا احترام اپنے مقام پر، لیکن اکثر اہل علم جن میں اہل تحقیق کی کثرت ہے پہلے مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ کسی واقعہ کا عجیب تر ہونا یا عقل و قیاس سے ماوراء ہونا اس کے قبول یا عدم قبول کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ ثبوت یا عدم ثبوت کا محتاج ہے تو اب حدیث کے الفاظ کی تعبیر اس طرح ہونی چاہئے۔ اور یہ ممکن بھی ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں فرشتہ پیغام اجل لے کر آیا تو وہ بشری شکل و صورت میں تھا جیسا کہ عام طور پر انبیاء کرام کی زندگیوں میں سابقہ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس فرشتے کو اس حالت میں اس طرح پہچان نہ سکے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت لوطؑ عذاب کے فرشتوں کو ابتداءً نہ پہچان سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو یہ ناگوار گزرا کہ ایک اجنبی شخص اچانک ان کے خلوت کدہ میں گھس آیا اور موت کا پیغام دینے لگا بشری تقاضہ ابھر آیا طیش میں ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ چونکہ فرشتہ بھی بشری شکل میں تھا بشری اثرات مرتب ہو گئے اور آنکھ مجروح ہو گئی، مگر جس طرح عذاب کے فرشتوں نے آہستہ آہستہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام و حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا، موت کے فرشتے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ نہ کیا اور فوراً غائب ہو گیا اور بارگاہ الٰہی میں فریاد رس ہوا۔ حدیث کے یہ الفاظ بڑے ہی دلچسپ ہیں:۔

اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ (بخاری) ''اے رب آپ نے مجھے ایسے بندے کی جانب بھیجا جو موت نہیں چاہتا'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو ملکوتی ہیئت پر واپس کر دیا اور اس طرح وہ اس عیب سے بری ہو گیا جو بشری شکل میں آنکھ مجروح ہونے سے پیدا ہو گیا تھا۔ موت کے فرشتے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیالات سے واقف ہوئے بغیر خود ہی سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موت کے نام سے خفا ہو گئے اور وہ موت نہیں چاہتے، اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کی اس غلط فہمی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت شان دونوں کے اظہار کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا حکم دیا کہ دوبارہ جاؤ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمارا پیغام پہنچاؤ۔

ادھر فرشتہ پیغام حاصل کر رہا تھا اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجنبی شخص کے غائب ہو جانے پر فوراً یہ محسوس کر لیا کہ درحقیقت یہ معاملہ انسانی معاملات سے جدا دوسرے عالم کا ہے۔ چنانچہ جب فرشتۂ اجل نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغام الٰہی سنایا تو ان کا لہجہ اور طرز گفتگو دوسرا ہو گیا اور پھر انجام کار وہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

فَصَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مجمع البحرین پر جن بندے سے ملاقات ہوئی وہ کون تھے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مجمع البحرین پر جن بندے سے ملاقات ہوئی قرآن کریم نے ان کا اسم گرامی ظاہر نہیں کیا ہے بلکہ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کہا

ہے۔ البتہ صحیح بخاری کی تفصیل حدیث میں ان کا نام خضر ظاہر کیا گیا ہے (خضر کے معنیٰ سرسبز و شاداب کے ہیں) اہل تفسیر جن میں امام بخاری بھی شامل ہیں، نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ جس جگہ بیٹھ جاتے تو وہاں سرسبز گھاس اُگ جاتی تھی اور زمین سرسبز ہو جاتی۔ (قصص الانبیاء ابن کثیر) قرآن کریم نے یہ بھی واضح نہیں کیا ہے کہ وہ دیگر انبیاء کرام کی طرح کوئی نبی تھے یا رسول؟

اس سلسلہ میں تین باتیں تفصیل طلب ہیں:

(1) خضر نام ہے یا لقب (2) وہ ولی ہیں یا نبی و رسول (3) انہیں حیات ابدی حاصل ہے یا وفات پا چکے؟ اہل تفسیر کی کتابوں میں ان سوالات کے جوابات میں بہت سے اقوال ہیں اور اس بارے میں چھوٹی بڑی کتابیں اور مضامین کثرت سے لکھے گئے ہیں جن کا خلاصہ تقریباً یہی ہے کہ......

○ پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ خضر نام ہے لیکن اکثر اہل علم نے اسکوان کا لقب بتایا ہے اور نام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بلیا بن ملکان، ایلیا بن ملکان، خضرون، معمر، الیاس، الیسع میں سے کوئی ایک نام تھا۔ محدث ابن عساکر اور امام دار قطنی کی رائے ہے کہ وہ قابیل بن آدمؑ کی اولاد سے ہیں۔ ابن قتیبہ نے وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سام بن نوحؑ کی اولاد سے ہیں۔ اور بعض دیگر مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ حضرت اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں اور جن لوگوں نے انہیں فرشتہ کہا ہے نہایت ضعیف قول ہے جس کی تائید نہ مروی روایات کرتی ہیں نہ تاریخ و سیرت کی کتابیں۔ جس قدر بھی روایات ہیں وہ سب کی سب اولاد آدم ہی قرار دیتی ہیں البتہ سلسلۂ نسب میں مختلف ہیں۔

○ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ فقط عبد صالح (نیک بندے) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے۔ مگر اکثر اہل تفسیر نے ان کو نبی قرار دیا ہے۔

○ تیسرے سوال کے جواب میں بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کو حیات ابدی حاصل ہے اور وہ

اب تک زندہ ہیں۔ اس بارے میں کثرت سے حکایات اور روایات بھی نقل کی جاتی ہیں جن کی حیثیت تاریخی روایات سے زیادہ اہم نہیں ہے۔

محدثین کی ایک بڑی جماعت کی تحقیق ہے کہ ان کے لئے حیات ابدی کا ثبوت نہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے۔ لہٰذا وہ بھی عام انسانوں کی طرح اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر وفات پا گئے۔ صوفیاء کرام کی ایک بڑی تعداد ان کے حیات کی قائل ہے اور اس بارے میں وہ حضرات اپنے مشاہدات تک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے اور ملاقات بھی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

چونکہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث سے متعلق ہے اور انہیں دو ذریعہ سے ہمیں انکا علم بھی ہوا ہے اس لئے قرآن وحدیث ہی سے اسکا فیصلہ کرنا چاہئے اور یہی عقل ودانش کا بھی تقاضہ ہے۔ ان ہر سہ مسائل میں حقیقت یہ ہے کہ پہلی بات کے متعلق قرآن کریم میں کوئی تذکرہ نہیں ہے نہ حضرت خضر کا نام موجود ہے نہ لقب بلکہ قرآن حکیم نے عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کہہ کر ان کا واقعہ بیان کیا ہے۔ البتہ بخاری ومسلم کی صحیح روایات میں ان کا نام خضر بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ وہ عبد صالح حضرت خضر تھے۔ البتہ ان کے لقب وغیرہ کی بحث اس سلسلے میں تاریخی روایات اور اقوال اس درجے مختلف ہیں کہ ان کے ذریعہ کسی نتیجہ پر پہنچنا یقیناً دشوار ہے اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔

لہٰذا ہمارے علم کے لئے ان کا اتنا تعارف کافی ہے کہ وہ اللہ کے خاص بندوں میں سے ایک بندے تھے جنہیں اللہ نے اپنے علم سے خصوصی طور پر سرفراز کیا تھا۔ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی خدمت میں چند حقائق کے انکشاف کے لئے روانہ کیا گیا تھا جس کی تفصیل قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ (کہف آیات 71 تا 82)

دوسری بات کے تعلق سے حقیقت سے قریب تر یہی ہے کہ وہ ”نبی“ تھے۔ کوئی صاحب کتاب یا صاحب شریعت رسول نہیں تھے۔ قرآن وحدیث میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے کہ وہ

کسی قوم کی جانب مبعوث کیے گئے ہوں۔ جیسا کہ دیگر انبیاء کے بارے میں وضاحتیں اور اشارے ملتے ہیں۔ ان کے لئے نبوت کا ثبوت بھی اگرچہ قطعی طور پر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن قرآن کریم نے ان کا جس انداز سے ذکر کیا ہے وہ انداز کلام نبیوں پر ہی صادق آتا ہے۔ غیر نبی کے لئے ایسا کوئی عنوان قرآن کریم نے اختیار نہیں کیا اس لئے حقیقت سے قریب تر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے جنہیں اللہ کی طرف سے وحی (جو صرف انبیاء و رسل ہی کے لئے مخصوص ہے) کی گئی۔ اس کے لئے دو بڑی وجہ قرآن کریم سے ملتی ہیں۔

پہلی وجہ :۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کا تعارف اس طرح کروایا ہے

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۔ (کہف آیت 65) پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔ آیت میں تین لفظ خصوصی طور پر ذکر کئے گئے ہیں ایک ان کا خاص بندہ ہونا دوسرے اللہ نے انہیں اپنی رحمت خاص سے کچھ حصہ عطا کیا تھا۔ تیسرے اپنے پاس سے انہیں علم خاص دیا۔

یہ انداز کلام اور عنوان خاص قرآن کریم میں صرف انبیاء کرام کے لئے استعمال ہوا ہے اور اس عنوان سے ایک خصوصیت نمایاں ہوتی ہے جو عام انسانوں کے لئے چسپاں نہیں ہوتی۔ ویسے اللہ نے عام انسان کو علم بھی عطا کیا ہے رحمت سے بھی سرفراز کیا ہے لیکن کسی خاص فرد کے لئے ایسا عنوان نہیں ملتا جیسا کہ اس واقعہ میں اس بندے کے لئے اختیار کیا گیا ہے اس لئے حضرت خضر علیہ السلام کا نبی ہونا حقیقت سے قریب تر ہے۔

دوسری وجہ :۔ حضرت خضر علیہ السلام نے قتل ولد کی وجہ بیان کی ہے اس میں یہ صراحت بھی موجود ہے۔ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ (کہف۔ آیت 82) یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وحی الٰہی کا امر تھا جس کے تحت لڑکا قتل کیا گیا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کسی بھی مذہب میں کسی عام انسان کو یا ولی کو اس کی اجازت نہیں رہی

کہ وہ اپنے وجدان یا الہام سے کسی کو قتل کرے اور خاص طور پر ہماری اس شریعت میں جس کا ماخذ یہی قرآن کریم ہے۔ اس میں کوئی اجازت نہیں ملتی کہ بے گناہ قتل کیا جائے۔ لہٰذا کسی کا بے گناہ قتل صرف وحی الٰہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ رائے، قیاس، وجدان، الہام وغیرہ سے کچھ مشتبہ جوانب واضح ہوسکتے ہیں لیکن قتل جیسا قبیح اور بڑا جرم جائز نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام کا آخر میں یہ فرمانا کہ میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیا ہے واضح دلیل ہے کہ وحی الٰہی ان کو نصیب تھی اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ انسانوں میں صرف انبیاء ورسل ہی کو وحی کی جاتی ہے۔ مسائل سہ گانہ میں تیسرا مسئلہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات ابدی سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں تمام اہل تحقیق محدثین ومفسرین کی قطعی رائے ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حیات ابدی حاصل نہیں ہے اور وہ عام انسانوں کی طرح اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر وفات پاگئے۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ایسی کوئی وضاحت نہیں کہ وہ فرشتوں کی طرح زندہ ہیں اور اپنا مفوضہ کام انجام دیتے ہیں۔ امام بخاری ان کے حیات کے قائل نہیں ہیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس کی تائید کے لئے احادیث بھی نقل کئے ہیں۔ اسی طرح امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں حدیث نقل کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ وفات پاچکے ہیں۔

دیگر ائمہ حدیث سے پوچھا گیا کہ کیا خضر زندہ ہیں؟ تو انہوں نے قرآن کریم کی اس آیت سے اس کی تردید کی۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو حیات ابدی نہیں دی۔ (انبیاء آیت: 34) نیز قرآن کریم نے انبیاء سابقین کی موت کا اعلان کیا ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران آیت: 144)

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو رسول ہی ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ چونکہ خضر بھی نبی ہیں وہ بھی اس آیت میں شامل ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا تھا کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

جواب دیا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات میں شریک ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طرح تعاون کرتے جیسا کہ صحابہؓ نے کیا ہے۔ صوفیاء کرام میں سے ایک مشہور بزرگ ابوالفضل مرسیؒ نے بھی ان کی وفات کا ذکر کیا ہے۔

مشہور ناقد حدیث ابن الجوزیؒ نے حضرت علی بن موسیٰ رضاؒ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ وفات پاچکے ہیں۔ (قصص الانبیاء ابن کثیرؒ)

نیز قرآن کریم کی یہ آیت بھی اس نظریہ کی تردید کرتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بقید حیات ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (آل عمران آیت: 81)

”اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد و پیمان لیا کہ میں نے جو کچھ تم کو کتابیں اور علم دیا ہے پھر آئے تمہارے پاس رسول (محمدؐ) جو تصدیق کرنے والا ہے تمہارے پاس والی کتاب کی تو اس رسول پر تم ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے؟ اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا؟ سب بولے ہم نے اقرار کیا! ارشاد فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں“۔ اہل تحقیق لکھتے ہیں کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے خواہ وہ نبی ہوں یا ولی تو ان کا فرض تھا کہ وہ علی الاعلان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور تمام غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کرتے مگر کسی بھی صحیح روایت سے ان باتوں میں کسی ایک بات کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ غزوۂ بدر اور حنین وغیرہ میں جبرئیل امین علیہ السلام اور ملائکہ کی آمد اور اعانت تک کی

تصریحات قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم کی اس آیت میثاق سے ان کا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی دلیل کا ماخذ یہی آیت میثاق ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بھی آیت میثاق کی تفسیر میں یہی مضمون بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی ورسول کو مبعوث کیا ہے مبعوث کرنے سے پہلے اس سے عہد و پیمان لیا کہ اگر تمہارے زمانے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو تم ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اسی طرح ہر نبی وفات سے قبل اپنی اپنی امت کو یہ تلقین کر گئے ہیں کہ اگر تم لوگ زندہ رہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی ہر طرح نصرت کرنا۔ (ذکر البخاری عن ابن عباسؓ) قرآن کریم کی ان آیات کے علاوہ بخاری و مسلم کی یہ صحیح روایت بھی اس عقیدہ کی تردید کرتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ و موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کیا تم نے آج رات کچھ دیکھا؟ پھر فرمایا یہ حقیقت ہے کہ آج جو شخص بھی روئے زمین پر موجود ہے ایک صدی گزرنے پر ان میں سے ایک بھی زمین پر زندہ باقی نہیں رہے گا۔

(بخاری، مسلم کتاب الفضائل)

اس حدیث صحیح کی پیشین گوئی کے مطابق بھی حضرت خضر علیہ السلام کی حیات ابدی کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکلتی اور نہ ان کا کوئی استثناء کسی روایت سے ثابت ہے۔ حالانکہ یہ روایت بخاری و مسلم کے علاوہ اور کتب حدیث میں بھی منقول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور محدث ابن القیمؒ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کتب احادیث میں ایک صحیح روایت ایسی موجود نہیں ہے جس سے حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا ثبوت ملتا ہو۔ مشہور مفسر ابن حیان اندلسیؒ نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ امت کا سواد اعظم اس بات کا قائل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ جس مسئلہ کا تعلق قرآن وحدیث سے ہو اس کو اسی ذریعہ سے حل کرنا چاہئے۔ تاریخی روایات، واقعات، مشاہدات، اقوال مشائخ وغیرہ سے نہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ کوئی قطعی حکم

جاری کیا جا سکتا ہے۔ حیات خضر علیہ السلام کے سلسلے میں جتنی بھی روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب کی سب ضعیف، غریب، مرسل، منقطع، موضوع قسم کی ہیں جس کے نقل کرنے والوں کے لئے محدثین نے مجہول، مجروح، متروک، غیر معروف، حتیٰ کہ اس کے بعض راویوں کو کذابین کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ مشہور ناقد الحدیث ابن الجوزیؒ نے اس مضمون پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''عجالة المنتظر فی شرح حال الخضر '' ہے۔ اس میں وہ ساری روایات جمع کر دی ہیں جو ان کے حیات کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں اور ان سب پر محدثانہ کلام بھی کیا ہے اور ان کا ضعف اور غیر صحیح ہونا ثابت کیا ہے۔ اسی طرح مشہور محدث و مفسر ابن کثیرؒ نے بھی اپنی کتاب ''قصص الانبیاء'' میں بھی ان تمام روایات کو نقل کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے اور اکثر روایات موضوع ہیں۔ مزید معلومات اور علمی بحث کے لئے البدایہ والنہایہ ج:1، روح المعانی ج:15، عینی شرح البخاری ج:7، فتح الباری ج:6، اصابہ ج:1 قابل مطالعہ ہیں۔ ان میں وہ ساری تفصیلات موجود ہیں جس کا خلاصہ ہم نے سطور بالا میں لکھا ہے۔

البتہ ایک روایت امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ایک اجنبی شخص آئے اور صحابہ کرام کو ان کلمات سے تسلی دی۔

''اللہ کی بارگاہ میں صبر ہی ہر مصیبت کا عوض اور ہر فوت ہونے والی شئی کا بدلہ ہے، اللہ ہی پر بھروسہ کرو اور اسی کی طرف رجوع ہو کیونکہ محروم وہ شخص ہے جو مصیبت کے ثواب سے محروم ہو جائے''۔ یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ امام بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مسند شافعی کی اس روایت میں قاسم بن عبداللہ العمری متروک الحدیث ہے۔ امام احمدؒ اور یحییٰ بن معین جیسے ناقدین حدیث نے کہا کہ یہ شخص جھوٹ بولتا تھا۔ امام احمدؒ نے یہ بھی کہا کہ وہ احادیث گھڑ لیا کرتا تھا۔

روایت بیہقی میں عباد بن عبدالصمد راوی کے بارے میں خود بیہقی فرماتے ہیں کہ ضعیف

ہے۔ ابن حبانؒ اور عقیلیؒ لکھتے ہیں کہ اس کی روایات اکثر موضوع ہوتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتمؒ نے کہا کہ یہ نہایت ضعیف الحدیث ہے۔ ابن عدیؒ نے کہا کہ یہ غالی قسم کا شیعی مسلمان تھا جو حضرت علیؓ کی شان میں احادیث گھڑتا تھا۔

الغرض حیات خضر علیہ السلام کے بارے میں جس قدر بھی روایات ہیں ان کا یہی حال ہے کہ یا تو وہ سنداً ضعیف ہیں یا پھر متناً منکر اور غریب ہیں۔ ابن کثیر نے ساری روایات کو جمع کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب احادیث مرفوعہ ضعیف الاسناد ہیں ان سے کوئی حجت قائم نہیں کی جاسکتی اور نہ دین میں ان کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ (قصص الانبیاء ص: 462)

ان ُ البتہ بخاری و مسلم میں ایک روایت امام زہریؒ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے قریب دجال نکلے گا اور ساری زمین کا چکر لگائے گا لیکن مدینہ منورہ میں اس کا داخلہ نہ ہوسکے گا وہ باہر مقیم رہے گا اس کے مقابلہ کے لئے ایک شخص مدینہ منورہ سے نکل کر آئے گا جو اس زمانے کا سب سے بہترین انسان ہوگا وہ دجال سے مخاطب ہوکر کہے گا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ دجال لوگوں سے کہے گا کہ اے لوگو! اگر میں اس کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کردوں تو کیا تم میرے بارے میں پھر بھی شک کروگے؟ لوگ کہیں گے نہیں! پھر دجال اس خیر الناس کو قتل کردے گا اور دوبارہ زندہ بھی کردے گا، (لوگ یقین کرلیں گے) لیکن وہ مقتول کہے گا کہ میں اب پوری بصیرت کے ساتھ شہادت دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ پھر دجال ان کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا لیکن عاجز و بے بس ہوجائے گا اور قتل نہ کرسکے گا۔

'خیر الناس'' کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگوں نے اس حدیث کی یہی تفسیر کی ہے اور اس سے ثابت کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بقید حیات ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

لیکن اسی روایت کے ایک راوی ابواسحاق ابراہیم الفقیہ کہتے ہیں کہ یہ معمر کا قول ہے جو اس روایت کو زہری سے نقل کرتے ہیں۔ (قصص الانبیاء ابن کثیر ص:463)

اس حدیث میں رَجُلٌ مِّنْ خَیْرِ النَّاسِ اور دوسری روایت میں شَابٌ مُمْتَلِیٌٔ شَبَابًا، (ایک نوجوان جس کی جوانی بھرپور ہوگی) کے الفاظ ہیں۔ بعض راویوں نے اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام سمجھا ہے لیکن حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام کی کوئی تصریح نہیں فرمائی۔ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اور بھی بہت سی عجیب وغریب روایات تفسیر وتاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں جو محققین، اہل علم کی نگاہ میں سب موضوع اور بے اصل ہیں اور یہودی روایات سے ماخوذ ہیں اس لئے ناقابل اعتماد ہیں۔

مشہور مفسر ابوحیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں متعدد بزرگوں کے واقعات نقل کیے ہیں جن کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے مگر آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے۔ وَالْجَمْهُوْرُ عَلٰی اَنَّهٗ مَاتَ (البحر المحیط ص:147 ج:6) لیکن جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ وفات پاگئے۔ واللہ اعلم

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کون ہیں؟

جواب: قرآن عزیز نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مدین کے شیخ کے متعلق جو واقعات بیان کئے ہیں ان میں کسی ایک جگہ بھی اس شیخ کا نام نہیں بتایا، اس لئے تاریخی حیثیت سے شیخ مدین کے نام میں مؤرخین ومفسرین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ جن میں سب سے مشہور قول حسب ذیل ہے۔

(1) مفسرین اصحاب سیر اور ادباء عرب کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں، یہ قول بہت مشہور اور شائع ذائع ہے۔

سوال: حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کہاں ہوئی؟

جواب: جب بنی اسرائیل نے ارض مقدس میں داخل ہونے سے انکار کردیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کو یہ اطلاع کردی تھی کہ چالیس سال تک اب تم کو اسی سرزمین میں بھٹکنا پڑے گا اور سرزمین مقدس میں ان افراد میں سے کوئی بھی داخل نہ ہوسکے گا، جنہوں نے داخل ہونے سے اس وقت انکار کردیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کو یہ بھی بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارونؑ بھی تمہارے پاس ہی رہیں گے کیونکہ ان کی آنے والی نسل کی رشدوہدایت کے لئے ان دونوں کا یہاں موجود رہنا ضروری ہے، چنانچہ جب بنی اسرائیل ’’تیہ‘‘ کے میدان میں گھومتے اور پھرتے پھراتے پہاڑ کی اس چوٹی کے قریب پہنچے جو ’’ہور‘‘ کے نام سے مشہور تھی تو حضرت ہارونؑ کو پیغام اجل آپہنچا، وہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے ’’ہور‘‘ پر چڑھ گئے اور وہیں کچھ روز عبادت الٰہی میں مصروف رہے اور جب حضرت ہارون علیہ السلام کا وہاں انتقال ہوگیا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی تجہیز و تکفین کے بعد نیچے اترے اور بنی اسرائیل کو ہارونؑ کی وفات سے مطلع کیا۔ تورات میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

’’اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت قادس سے روانہ ہوکر کوہ ’’ہور‘‘ پہنچی اور خداوند نے کوہ ہور پر جو ادوم کی سرحد سے ملا ہوا تھا، موسیٰ علیہ السلام اور ہارون سے کہا، ہارونؑ اپنے لوگوں میں جا ملے گا کیونکہ وہ اس ملک میں جو میں نے بنی اسرائیل کو دیا ہے جانے نہیں پائے گا اس لئے کہ مریبہ کے چشمہ پر تم نے میرے کلام کے خلاف عمل کیا لہٰذا تو ہارونؑ اور اس کے بیٹے الیعزر کو اپنے ساتھ لیکر کوہ ہور کے اوپر آجا اور ہارونؑ کے لباس کو اتار کر اس کے بیٹے الیعزر کو پہنا دینا، کیوں کہ ہارونؑ وہیں وفات پاکر اپنے لوگوں میں جا ملے گا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کے حکم کے مطابق عمل کیا اور وہ ساری جماعت کی آنکھوں کے سامنے کوہ ہور پر چڑھ گئے اور موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کے لباس کو اتار اس کے بیٹے الیعزر کو پہنا دیا اور ہارونؑ نے وہیں پہاڑ کی چوٹی پر رحلت کی تب موسیٰ علیہ السلام اور الیعزر پہاڑ پر سے اتر آئے، جب جماعت نے دیکھا کہ ہارونؑ نے وفات پائی تو اسرائیل کے سارے گھرانے کے لوگ ہارونؑ پر تیس دن تک ماتم کرتے رہے۔ ❑❑❑

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت یوشع بن نون
علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم مسلمانوں کو شیطان دھوکہ تو نہیں دے رہا ہے!......

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت واطاعت اور ان کے اعمال و اخلاق کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ بنانا ہی اللہ پاک و برتر سے محبت اور مقبولیت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔

اس لئے ہم مسلمانوں کو اپنی اپنی زندگی کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعی محبت کرتے ہیں یا ہم کو شیطاب دھوکہ دے رہا ہے، اور ہم سب انسانوں کو ہمارے پروردگار نے حکم دیا کہ اس عظیم اور رحمۃ للعالمین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں اس میں ہماری کامیابی اور نجات ہے۔

(مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے خطبہ سے ایک اقتباس جو انہوں نے ایک عظیم الشان جلسہ میں پیش کیا تھا۔)

◆◆◆

(۱۴) حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

سوال: حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا سلسلۂ نسب بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء کرام کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ مؤرخین نے انہیں اسباط یوسف (اولاد یوسفؑ) میں شمار کیا ہے اور سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے :۔ یوشع بن نون بن فراہیم بن یوسفؑ بن یعقوبؑ بن سیدنا ابراہیم علیہ السلام۔

سوال: حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا تعارف کرائیں؟

جواب: قرآن حکیم میں یوشع علیہ السلام کا نام مذکور نہیں ہے البتہ سورہ کہف میں دو جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق سفر (نوجوان) کا ذکر موجود ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تھے تو اپنے ساتھ بطور رفیق سفر ایک نوجوان کو لے لیا تھا جو حضرت خضرؑ کی ملاقات تک ہمسفر رہے۔ یہی نوجوان حضرت یوشع علیہ السلام ہیں جن کا ذکر ان آیات میں ملتا ہے

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ۔ الآیۃ (کہف آیت:60) اور وہ وقت یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَ نَا الخ (الکہف آیت:62) پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا ہمارا ناشتہ لاؤ فتیٰ نوجوان کو کہتے ہیں اور خادم عموماً ایسے ہی رکھے جاتے ہیں۔ یہ خادم جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا رفیق سفر بنایا تھا۔ بخاری کی روایت کے مطابق ان کا نام یوشع بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابی بن

کعبؓ سے منقول ہے۔ اس لحاظ سے حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن حکیم میں آجاتا ہے اس وجہ سے اکثر مفسرین نے ان نوجوان کا نام یہی بیان کیا ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ میں آپؑ کے خادم تھے اور حضرت ہارونؑ و حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ کتاب تورات میں بھی حضرت یوشعؑ (یشوع) کا بکثرت ذکر موجود ہے۔ اہل کتاب انکی نبوت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت بھی ان کو نبی قرار دیتی ہے اور یہی اسلامی مؤرخین کی بھی تحقیق ہے۔ اور بعض دیگر مفسرین کرام کی رائے کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا تو اس سے پہلے ارض مقدس کے جابر و ظالم لوگوں کی تحقیق حال کے لئے جن دو شخصوں کو روانہ کیا تھا ان میں ایک یہی حضرت یوشع علیہ السلام ہیں جنہوں نے آکر یہ بیان کیا تھا کہ قوم اگر چہ زبردست ڈیل ڈول کی ہے لیکن ان کے دل کمزور اور بے قوت ہیں، مقابلہ ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے چالیس سال بعد انہی کی قیادت میں بنی اسرائیل اپنے آبائی وطن ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہوئے اور جہاد کرتے کرتے کنعان، شام، اردن سے تمام ظالم طاقتوں کو نکال باہر کیا۔

سوال: حضرت یوشع علیہ السلام بن نون کے واقعات میں ہمارے لئے کیا بصیرت و عبرت ہے؟

جواب: حضرت یوشعؑ اور بنی اسرائیل کے ان واقعات میں سب سے زیادہ جو بات جاذب توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان کا انسانی اور اخلاقی فرض ہے کہ جب اس کو کسی مصیبت یا امتحان سے نجات ملے اور وہ کامیاب اور فائز المرام ہو کر اپنی مراد کو پہنچے تو غرور و نخوت کے جال میں پھنس کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ میری ذاتی استعداد و قابلیت کا نتیجہ ہے بلکہ خدائے برتر کا شکر گزار بنے اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے سر نیاز جھکا دے تا کہ رحمت الٰہی اس کو اپنے دامن میں چھپا لے اور دنیا کی طرح آخرت میں بھی وہ بامراد اور شادکام ہو۔

(2) سخت سے سخت ناامیدی کی حالت میں بھی انسان کو خدا سے ناامید نہیں ہونا چاہئے

، کیونکہ اگر وہ مظلوم ہے اور ستم رسیدہ، تو خدا کا فضل اس کو بھی محروم نہیں چھوڑتا البتہ دقیق اور دور رس حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے تاخیر ضرور ہو جاتی ہے۔

(3) جس قوم پر خدا کا فضل و احسان اور انعام و اکرام کھلی ہوئی نشانیوں کے ذریعہ ہوتا ہے وہ اگر شکر و اطاعت کی بجائے ناسپاسی اور نافرمانی پر اتر آتی ہے تو پھر جلد ہی خدا کی بطش شدید اور سخت گرفت کا شکار بھی ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی سرکشی و بغاوت مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہے اور بے شبہ سخت سزا کی مستوجب ہے۔ □□□

حضرت ایشاع علیہا السلام

(زوجۂ نبی زکریا علیہ السلام)

- ایک نبی کریم کی اہلیہ...... ایک نبی کی والدہ...... اور ایک نبی کی خالہ۔
- بانجھ تھیں، ان کے یہاں اولاد نہیں ہوتی تھی مگر بفضل خدا ان کے یہاں اولاد ہوئی۔
- اللہ عزوجل نے انہیں وہ پیاری خوشخبری عطا فرمائی جس پر ہر عورت فخر کرتی ہے (ممتا کی خوشخبری)۔
- وہ اللہ عزوجل کی اطاعت اور اخلاص میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھیں۔

والہہ

(زوجۂ لوط علیہ السلام)

- جو اپنے شوہر کے خلاف اپنی قوم کی مددگار اور ان کی جاسوس تھی اور اپنے شوہر کے راز افشا کرنے اور ان کی دعوت میں رکاوٹ ڈالنے والی تھی۔
- بداخلاق، بدخصلت اور بگڑی فطرت والی تھی۔
- اپنی گمراہ قوم کے ساتھ ہلاک ہو گئی۔ (نساء الانبیاء)

آج وہ محبت نظر نہیں آتی......

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

اعمال تو ہیں اعمال کے اندر جان نہیں ہیں۔ وہ جو اللہ کی محبت تھی جس میں ڈوب کر ہمارے اکابر زندگی گزارا کرتے تھے آج وہ محبت نظر نہیں آتی۔ اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بڑھا لیجئے پھر دیکھئے اللہ رب العزت کیا مہربانی فرماتے ہیں۔

(از افادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم)

(انمول حدیث ص: ۱۰۵)

* * *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت حزقیل

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت میں اثر پیدا کرنے کے پانچ نسخے...

جو داعی یہ چاہتا ہے کہ اس کی دعوت میں اثر پیدا ہو، اسے چاہئے کہ درج ذیل پانچ کام کرے۔

﴿۱﴾ ضروری علم حاصل کرے۔

﴿۲﴾ تقویٰ اکتیار کرے۔

﴿۳﴾ سنت کا اہتمام کرے۔

﴿۴﴾ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے بھیجا ہوا سمجھے اور امت کا درد سینے میں ہو۔ کیونکہ اس وقت بہت سے اہل علم کے اندر پہلی ۳ صفات تو ہیں لیکن امت کا درد نہیں ہے۔ اس وجہ سے وہ دردر پھرنے کو ذلت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی سنتوں میں سے ایک ہے۔

﴿۵﴾ اپنے نفس کی اصلاح کرے، یعنی روح کی بیماریوں کی بھی اصلاح کرے۔

﴿تبلیغ بالیقین کارنبوت ہے، حصہ دوم، ص: ۲۴۱﴾

◆◆◆

(۱۵) حضرت حزقیل علیہ السلام

سوال: حضرت حزقیلؑ کا نام یا نسب اور بعثت کا واقعہ تحریر فرمائیں؟

جواب: طبری کہتے ہیں کہ جس ہستی نے بنی اسرائیل کی روحانی اور دنیوی قیادت و راہنمائی کا فرض انجام دیا ہے وہ حزقیلؑ ہیں۔ تورات میں ہے کہ وہ بوذی کاہن کے بیٹے ہیں اور ان کا نام حزقی ایل ہے۔ عبرانی زبان میں ایل اسم جلالت ہے اور حزقی کے معنی قدرت اور قوت کے ہیں، اس لئے عربی زبان میں اس مرکب نام کا ترجمہ ''قدرت اللہ'' ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت حزقیلؑ کے والد کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا اور جب ان کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو ان کی والدہ بہت ضعیف اور معمر ہو چکی تھیں، اس لئے اسرائیلیوں میں یہ ''ابن العجوز'' (بڑھیا کا بیٹا) کے لقب سے مشہور تھے (تاریخ ابن کثیر ج:2 ص:93)

حضرت حزقیلؑ عرصہ دراز تک بنی اسرائیل میں تبلیغ حق کرتے اور ان میں دین و دنیا کی راہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے۔ تاہم ان کا اسم مبارک قرآن حکیم میں موجود نہیں البتہ سورۂ بقرہ میں ایک بیان کردہ واقعہ کے متعلق عام مفسرین کا خیال ہے کہ وہ واقعہ انہی سے منسوب ہے

سوال: کیا قرآن مجید میں حضرت حزقیلؑ نبی کا نام مذکور ہے؟

جواب: قرآن کریم میں حزقیلؑ نبی کا نام مذکور نہیں ہے لیکن سورۂ بقرہ میں بیان کردہ ایک واقعہ کے متعلق سلف صالحین سے جو روایات منقول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق حضرت حزقیلؑ کے ساتھ ہی ہے۔

کتب تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بہت بڑی جماعت سے جب ان کے بادشاہ یا ان کے پیغمبر حزقیلؑ نے یہ کہا کہ فلاں دشمن سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض ادا کرو تو وہ اپنی جانوں کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور یہ یقین کر کے کہ اب جہاد سے بچ کر موت سے

محفوظ ہو گئے ہیں تو دور ایک وادی میں قیام پذیر ہو گئے۔

اب یا تو پیغمبر نے ان کے اس فرار کو خدا کے حکم کی خلاف ورزی یا قضا و قدر کے فیصلہ سے روگردانی سمجھ کر اظہار ناراضی کرتے ہوئے ان کے لئے بددعا کی اور یا خود اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ حرکت ناگوار ہوئی بہرحال اس کے غضب نے ان پر موت طاری کر دی اور وہ سب کے سب آغوش موت میں چلے گئے ایک ہفتہ کے بعد ان پر حضرت حزقیلؑ کا گزر ہوا تو انہوں نے ان کی اس حالت پر اظہار افسوس کیا اور دعا مانگی کہ الہ العالمین ان کو موت کے عذاب سے نجات دے تاکہ ان کی زندگی خود ان کے لئے اور دوسروں کے لئے عبرت و بصیرت بن جائے، پیغمبر کی دعا قبول ہوئی وہ زندہ ہو کر نمونہ عبرت و بصیرت بنے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد:2 ص:134)

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ اسرائیلی جماعت داوردان کی باشندہ تھی جو شہر واسط سے چند کوس پر اس زمانہ کی مشہور آبادی تھی اور یہ فرار ہو کر اُفیح کی وادی میں چلے گئے تھے، وہیں ان پر موت کا عذاب نازل ہوا۔ قرآن عزیز میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ. فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ. اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ-

(بقرہ پارہ:22 رکوع:16)

(اے مخاطب) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے، پھر اللہ نے فرمایا کہ مرجاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ☐☐☐

حسین لمحات

کتنے حسین ہوتے ہیں وہ لمحات جو انسان ایمان، عبادت اور مناجات کی ٹھنڈی چھاؤں تلے گزارتا ہے، اس کا وجود ہلکا پھلکا ہو کر آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرنے لگتا ہے!!

حضرت الیاس

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عورت اصلاح معاشرہ کی اصل بنیاد ہے۔۔۔

زمانہ جاہلیت میں عورت کی پیدائش ہی منحوس سمجھی جاتی تھی اور اس کا وجود ہی معاشرے میں باعثِ شرم تھا۔ مگر اسلام نے نہ صرف یہ کہ اس کو مظالم سے نجات دلائی۔ بلکہ اس کو وہ جملہ حقوق بھی عطا کئے۔ جن سے وہ محروم رکھی جاتی تھی دین اسلام نے عورت کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی۔ اور معاشرے کے اندر اس کی قدر و منزلت اور اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس کو باعزت مقام بخشا۔ عورت معاشرے کا اہم جزء ہے۔ بلکہ اگر غور کی نظر سے دیکھا جائے۔ تو عورت ہی معاشرے کی اصل بنیاد ہے۔ کیونکہ عورت کے زیرِ سایہ نئی نسل پروان چڑھتی ہے۔ اور گھر کے اندرونی ماحول کی اصلاح عورت کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اگر عورت کا جذبہ دینی ہو۔ اور اس کی فکر آخرت کی فکر ہو تو اس کی وجہ سے گھر کا پورا ماحول دینی بن سکتا ہے۔ بچوں اور بچیوں کا نیک و صالح دین دار و تقویٰ دار بننا آسان ہو سکتا ہے۔ اور اگر کسی عورت کا ذہن آزاد بے لگام اور آخرت سے غافل ہو۔ تو اس کی گھر کے اندر اسلامی فضاء اور دینی ماحول بنانا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔

اس لئے مستورات کی دینی تعلیم و تربیت، ان کی اصلاح اور ان کے دلوں میں فکر آخرت پیدا کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص: ۵۴۶/۵۴۷﴾

◆ ◆ ◆

(۱۶) حضرت الیاس علیہ السلام

سوال: حضرت الیاسؑ کا اسم گرامی اور سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارونؑ کے بعد قرآن حکیم میں سب سے پہلے جس نبی کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے وہ حضرت الیاسؑ ہیں۔ یا حزقیلؑ کے جانشین اور بنی اسرائیل میں ایلیا نبی سے مشہور ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کا نام الیاس بتایا ہے اور انجیل میں ان کو ایلیا نبی کہا گیا ہے، حضرت الیاسؑ کا ذکر خیر قرآن حکیم میں صرف دو مقام پر آیا ہے اور ایک سورۂ انعام میں دوسرے سورۂ صٰفّٰت میں، سورۂ انعام میں تو صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک فہرست میں آپ کا اسم گرامی موجود ہے اور کوئی واقعہ یا تفصیل موجود نہیں البتہ سورۂ صافات میں آپ کی دعوت و تبلیغ کا مختصر تذکرہ ملتا ہے۔

کتب تفسیر میں آپؑ کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں جن میں بیشتر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت الیاسؑ اور ادریسؑ ایک ہی رسول کے نام ہیں لیکن اہل تحقیق نے ان اقوال کی تردید کی ہے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت ادریسؑ اور حضرت الیاسؑ کا تذکرہ جدا جدا کیا ہے اور دونوں کی نوعیت دعوت کو بھی مختلف بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں تمام مؤرخین نے حضرت ادریسؑ کا جو سلسلۂ نسب بیان کیا ہے وہ حضرت الیاسؑ کے سلسلۂ نسب سے بالکل مختلف ہے اور پھر تاریخی لحاظ سے دونوں میں صدیوں کا تفاوت بھی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' ص:339 پر تمام اقوال نقل کرنے کے بعد صحیح اسی کو قرار دیا ہے دونوں حضرات مستقل رسول ہیں۔ حضرت ادریسؑ سیدنا نوحؑ و سیدنا ابراہیمؑ کے درمیانی دور میں مبعوث ہوئے ہیں اور حضرت الیاسؑ اسرائیلی نبی ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے مؤرخ طبری نقل کرتے ہیں کہ حضرت الیاسؑ حضرت الیسعؑ کے چچازاد بھائی تھے اور ان کی بعثت حضرت حزقیلؑ کے بعد ہوئی اور یہ کہ حضرت

الیاسؑ، حضرت ہارونؑ کی اولاد سے ہیں۔ سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ الیاس بن یاسین بن فنحاص بن عیزار بن ہارونؑ۔

سوال: حضرت الیاسؑ کی بعثت کہاں اور کس قوم میں ہوئی؟

جواب: حضرت الیاسؑ کی بعثت کے متعلق مفسرین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ شام کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور بعلبک کا مشہور شہر ان کی رسالت و ہدایت کا مرکز تھا۔

حضرت الیاسؑ کی قوم مشہور بت بعل کی پرستار اور توحید سے بیزار، شرک میں مبتلا تھی۔ خدا کے برگزیدہ پیغمبر نے ان کو سمجھایا اور راہ ہدایت دکھائی۔ صنم پرستی اور کواکب پرستی کے خلاف وعظ و پند کرتے ہوئے توحید خالص کی جانب دعوت دی۔

یہ مشرق میں آباد سامی اقوام کا مشہور اور سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔ یہ بت مذکر تھا اور زحل یا مشتری کا مثنی سمجھا جاتا تھا۔ □□□

ابراهیم علیه السلام کی بیویاں

(الف)...... حضرت سارہ علیہا السلام (ب)...... حضرت ہاجرہ علیہا السلام

○ اسحاق علیہ السلام کی والدہ اور یعقوب علیہ السلام کی دادی ○ روئے زمین کی حسین ترین اور غیرت مند خاتون ○ بانجھ تھیں...... اور پھر انہوں نے وہ بشارت سنی جو فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو دی تھی، نیک و صالح اولاد کی ○ مومن، متقی، اللہ تعالیٰ نے شاہ مصر کے شر سے ان کی حفاظت فرمائی ○ اپنے شوہر ابراہیم علیہ السلام کی فرماں بردار، ان سے شدید محبت کرنے والی بیوی ○ مصری تھیں شاہ مصر نے سارہ علیہا السلام کی خدمت کیلئے انہیں ہدیہ کے طور پر پیش کیا تھا ○ مومن، متقی، عبادت گزار، راضی برضا رہنے والی خاتون تھیں جن کا دل یادِ خدا سے معمور رہتا تھا ○ سارہ نے انہیں اپنے شوہر ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دیا تھا تو ان سے نیک صالح فرزند پیدا ہوئے ○ ام العرب...... اور اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ○ اپنے شوہر کی اطاعت گزار بیوی، جو اطاعت خدا میں اپنے شوہر کی معاون و مددگار تھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت الیسع

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

تبلیغ کی محنت کی مثال

○ ایک شخص کسی کو نماز یا سورۂ فاتحہ سکھائے اور وہ سیکھنے والا ۷۰ سال زندہ رہے اور نماز بھی پڑھتا رہے تو اس سکھانے والے کو ۷۰ سال کی نماز کا ۷۰ سال کی سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ثواب ملے گا' اس سے بڑھ کر اور کیا نفع ہو سکتا ہے کسی انفرادی عمل میں۔

○ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علی وسلم صحابہ سے کبھی تین چلہ نہیں کہا' وہاں تو موت تک تشکیلیں ہوا کرتی تھیں۔

○ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کام چلہ ۳ چلہ کا نہیں ہے، بلکہ موت تک کا ہے۔

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص:۲۳۳﴾

دعوت و تبلیغ کی حقیقت و اہمیت

اپنے یقین و عمل کو درست کرنے اور سارے انسانوں کو صحیح یقین و عمل پر لانے کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقہ محنت کو سارے عالم میں زندہ کرنے کی کوشش کرنا۔

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص:۲۳۳﴾

◆◆◆

(۱۷) حضرت الیسع علیہ السلام

سوال: حضرت الیسعؑ کا تعارف کرائیں؟

جواب: حضرت الیسعؑ بنی اسرائیلی پیغمبر ہیں۔ قرآن کریم میں اور انبیاء کی طرح ان کا کوئی مستقل تذکرہ موجود نہیں البتہ انبیاء کرام کی فہرست میں ان کو شمار کیا ہے اور صرف نام کی حد تک تذکرہ موجود ہے۔ اسرائیلی روایات میں بھی آپ کا اسم گرامی الیسع بیان کیا گیا ہے۔ کتب تاریخ میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ آپ حضرت الیاسؑ کے چچازاد بھائی تھے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے اور آپ کو حضرت یوسفؑ کی اولاد میں شمار کیا ہے۔: الیسع بن عدی بن شوتم بن افرائیم بن یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ۔

سوال: حضرت الیسعؑ کی بعثت کا واقعہ کیا ہے؟

جواب: حضرت الیسعؑ حضرت الیاسؑ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ بچپن ہی سے آپ کی رفاقت میں رہتے تھے۔ تعلیم و تربیت بھی حضرت الیاسؑ سے پائی۔ اور جب حضرت الیاسؑ کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لئے حضرت الیسعؑ کو نبوّت سے سرفراز کیا۔ آپؑ نے حضرت الیاسؑ ہی کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی قیادت فرمائی اور آخر عمر تک یہی خدمت انجام دیتے رہے۔

مزید تفصیلات سے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ ساکت ہیں۔

سوال: قرآن مجید میں حضرت الیسعؑ کا ذکر کتنے مقام پر ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں دو مقام پر حضرت الیسعؑ کا اسم گرامی ملتا ہے اور صرف ذکر اسم پر اکتفا کیا گیا ہے اور آپ کو انبیاء کرام کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۂ انعام آیت: 86 اور سورۂ ص آیت: 48 میں ذکر موجود ہے۔

حضرت الیسعؑ کی زندگی کا یہ اہم نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت الیاسؑ کی صحبت نے انہیں خلافت

اور پھر اس کے بعد نبوت سے سرفراز کیا۔ نیکوں کی صحبت حصول خیر کے لئے نہایت موثر ثابت ہوتی ہے۔ نیکوں کی صحبت کے چند لمحات بسا اوقات انقلاب زندگی کا ذریعہ بنے ہیں۔

عارف رومی کہتے ہیں:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

◆

وہ سات صحابہ……

☐ وہ سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت روایات نقل کی ہیں (۱) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ جنہوں نے (۵۳۷۴) احادیث روایت کیں۔ (۲) حضرت ابن عمرؓ جنہوں نے (۲۶۳۰) احادیث روایت کیں۔ (۳) حضرت انس بن مالکؓ جنہوں نے (۲۲۸۶) احادیث روایت کیں۔ (۴) حضرت عائشہ ام المومنینؓ جنہوں نے (۲۲۱۰) احادیث روایت کیں۔ (۵) حضرت عبداللہ بن عباسؓ جنہوں نے (۱۶۶۰) احادیث روایت کیں۔ (۶) حضرت جابر بن عبداللہؓ جنہوں نے (۱۵۴۰) احادیث روایت کیں۔ (۷) حضرت ابوسعید الخدریؓ جنہوں نے (۱۱۷۰) احادیث روایت کیں۔ (نساء من عصر التابعین)

ناقابل فراموش کردار

☐ زمانہ قدیم سے ہی عورت کا ناقابل فراموش کردار رہا ہے! خاص کر اگر اسے صحیح دیکھ بھال کرنے والا مل جائے تو وہ عورت ایک ایسے درخت کی مانند ہوتی ہے جس سے بہترین پھل آتے ہیں اور جس کا پتہ پتہ کل کائنات کے لئے محبت، سلامتی اور بھلائی کا نمائندہ ہوتا ہے۔ (نساء الانبیاء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شموئیل

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور فکر امت

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہزاروں آدمی اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ کے جنازے میں ۲۵ لاکھ آدمی شریک ہوئے اور ۲۵ ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے حصہ دوم، ص: ۱۸۸﴾

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اور فکر امت

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی صرف ایک بیان میں ہزاروں آدمی تائب ہوتے اور آپ کے ہاتھوں ۲۲ ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔

﴿آنسوؤں کا سمندر﴾

شیخ زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور فکر امت

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شیخ زکریا صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ۸۰ ہزار آدمی ایمان لائے۔

﴿خطبات محمود ج ۲ ص: ۲۴۵﴾

◆◆◆

(۱۸) حضرت شموئیل علیہ السلام

سوال: حضرت شموئیلؑ کی بعثت کا پس منظر اور نام کیا ہے؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد تقریباً ساڑھے تین سو سال بنی اسرائیل میں نہ کوئی بادشاہ پیدا ہوا نہ پوری قوم کا کوئی ایک سردار تھا۔ خاندانوں اور قبائل میں چھوٹے چھوٹے سردار حکومت کرتے تھے اور ان کے مناقشات و معاملات کے فیصلے مقرر کردہ قاضی انجام دیتے تھے اور موجودہ نبی ان تمام امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت یوشعؑ نے بھی اپنی آخر عمر تک یہی خدمت انجام دی اور قوم کے معاملات اور باہمی مناقشات کے فیصلوں کے لئے قاضیوں کو مقرر کیا تاکہ وہ آئندہ بھی اسی طرح اپنا نظام قائم رکھیں، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قاضی کو منصب نبوت عطا ہو جاتا اور وہ دونوں خدمتیں انجام دیتے تھے۔ چونکہ پوری قوم کا کوئی ایک حکمراں یا سردار نہ ہوتا تھا اسلئے ہمسایہ اقوام ان پر اکثر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں اور بنی اسرائیل ان کا نشانہ بنتے رہتے تھے۔ کبھی قوم عمالقہ چڑھ آتے اور کبھی فلسطین۔ کبھی مدیانی قوم حملہ آور ہوتی تو کبھی آرامی قوم چھاپہ مارتی۔ آئے دن کی اس لوٹ مار، غارت گری سے پوری قوم بنی اسرائیل منتشر اور بے قوت ہو گئی تھی یہاں تک کہ چوتھی صدی موسوی کے آخر جبکہ عیلی کاہن کا دور تھا۔ فلسطینی قوم نے ان پر زبردست حملہ کیا اور شکست دے کر متبرک صندوق ‘‘تابوت سکینہ’’ بھی چھین لے گئے جس کی حفاظت بنی اسرائیل صدیوں سے کرتے چلے آرہے تھے۔ اس متبرک صندوق میں تورات کا اصلی نسخہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارونؑ کے عصا اور پیرہن اور من و سلویٰ کا برتن محفوظ تھا۔ فلسطینیوں نے اس صندوق کو اپنے مشہور مندر ‘‘بیت دجون’’ میں رکھ دیا یہ مندر ان کے سب سے بڑے دیوتا ‘‘دجون’’ کے نام سے موسوم تھا۔ اس بت کا چہرہ انسانی شکل کا اور جسم مچھلی کا تھا۔ قصص الانبیاء کے مؤلف نجار مصری کہتے ہیں کہ فلسطین کے مشہور شہر رملہ کے قریب آج بھی بستی بیت

دجون کے نام سے پائی جاتی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ تورات میں دجون کے جس مندر کا ذکر ہے وہ یہیں واقع ہوگا اور اسی نسبت سے بستی کا نام ''بیت دجون'' رکھدیا گیا ہو۔

عیلی کاہن کی وفات کے بعد قضا میں سے ایک قاضی شموئیل کو جو تقویٰ وطہارت میں ممتاز تھے منجانب اللہ منصب نبوت عطا ہوئی اور وہ بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لئے مامور ہوئے۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ جب حضرت الیسعؑ کی وفات ہوگئی اس وقت مصر اور فلسطین کے درمیان بحر روم کے خطہ پر آباد عمالقہ قوم میں سے جالوت نامی جابر وظالم حکمراں نے بنی اسرائیل کو مغلوب کر کے ان کی آبادیوں پر قبضہ کرلیا اور ان کے بہت سے سرداروں اور قبیلہ کے معزز لوگوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا اور تورات کو بھی جلا کر رکھ دیا۔ بنی اسرائیل کے لئے یہ ایسا نازک دور تھا کہ ان میں نہ کوئی نبی ورسول موجود تھا اور نہ کوئی سردار اور امیر۔ خاندان نبوت میں سے صرف ایک حاملہ عورت کے اور کوئی باقی نہ تھا۔ ایسی بے سروسامانی کی حالت میں اللہ نے قوم پر کرم فرمایا اور اس خاتون کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شموئیل رکھا گیا اور اس بچے کی تعلیم وتربیت کے لئے بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کو مقرر کیا گیا۔ شموئیل نے ان بزرگ سے تورات حفظ کی اور دینی تعلیم حاصل کی۔ جب سن رشد کو پہنچے تو تمام بنی اسرائیل میں ممتاز اور نمایاں تھے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور قوم کی رشد وہدایت پر مامور کیا۔ کسی بھی قوم میں نبی ورسول کا مبعوث ہونا اس کی نشاۃِ ثانیہ کا باعث ہوتا ہے اور خدا کی تائید ونصرت اس نبی کے لئے شامل حال ہوجاتی ہے۔ یہاں سے پھر بنی اسرائیل کے عروج واقبال کا آغاز ہوا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت شموئیل علیہ السلام حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھے اور سلسلۂ نسب یہ ہے:

شموئیل بن حنہ بن عاقر...... بن عاقر سے اوپر کی کڑیاں مذکور نہیں ہیں۔

شموئیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی میں ترجمہ اسمٰعیل سے کیا جاتا ہے اور کثرت استعمال سے شموئیل ہوگیا۔ □□□

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت داؤد

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان میں اسلام کیسے پھیلا......؟

معزز حضرات! جس طرح اسلام وسط ایشیا وغیرہ میں اپنی حقانیت اور علماء صلحاء کی مساعی کی بناء پر پھیلا۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی اسلام اسی قسم کی مساعی اور اپنی سچائی کی بناء پر مقبول عام ہوا۔ ۳۹۵ھ میں سید اسماعیلؒ لاہور بخارا سے تشریف لائے۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی، علم فقہ و تفسیر وغیرہ میں امام وقت تھے۔ سب سے پہلے اسلامی واعظین میں سے آپ یہاں آئے۔ آپ کی مجلس وعظ میں ہزاروں آدمی آتے اور فیض یاب ہوتے تھے، آپ کا بیان اس قدر موثر ہوتا تھا کہ ہر روز سینکڑوں آدمی مشرف بااسلام ہوتے تھے۔ جب یہ پہلے لاہور میں تشریف لائے ہیں اور پہلے جمعہ کو آپ نے ممبر پر بیان کیا تو دو سو پچاس آدمی مشرف بااسلام ہوئے۔ دوسرے جمعہ کو پانچ سو آدمی مشرف بااسلام ہوئے۔ تیسرے جمعہ کو ایک ہزار کفار و مشرکین زمرہ اہل توحید میں داخل ہوئے اس طرح آپ کے ذریعہ نہایت کثرت سے لوگ داخل اسلام ہوتے رہے۔ آپ کی وفات ۴۴۵ھ میں لاہور میں واقع ہوئی۔

﴿تاریخ اولیاء جلد اول ص: ۳۳۳﴾

◆◆◆

(۱۹) حضرت داؤد علیہ السلام

سوال: حضرت داؤدؑ کا حلیہ کیا تھا؟

جواب: آپ کا چہرہ سرخ، سر کے بال سیدھے اور نرم تھے رنگ گورا تھا داڑھی لمبی تھی اور داڑھی میں کسی قدر خم وپیچ (گھونگھریالہ پن) پایا جاتا تھا آپ خوش خلق اور خوش لحن (اچھی آواز والے) تھے۔ (الاتقان ص:346 ج:2)

سوال: حضرت داؤد علیہ السلام کتنی آوازوں میں زبور کی تلاوت کیا کرتے تھے؟

جواب: حضرت داؤدؑ زبور کی تلاوت 70 آوازوں میں کیا کرتے تھے۔

(البدایہ ص:16) ج:2)

سوال: حضرت داؤدؑ کا انتقال کس دن ہوا اور آپ کی مرتے وقت کتنی اولادیں تھیں؟

جواب: حضرت قتادہؒ نے حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا انتقال اچانک بدھ کے دن ہوا، حضرت امام سدیؒ وابو مالک اور وہ سعید بن جبیرؒ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کا انتقال ہفتہ کے روز ہوا۔ (ایک تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت قتادہؒ حضرت حسنؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کا انتقال منگل کے دن ہوا۔ البدایہ والنہایہ ص: 17 ج:2 اور آپ کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں 19 لڑکے تھے۔

(الکامل ص:228 ج:1، البدایہ ص:17 ج:2)

سوال: حضرت داؤدؑ کے جنازہ کے ساتھ کتنے علماء تھے؟

جواب: آپ کے جنازہ کے ساتھ 40000 علماء راہبین تھے۔ (البدایہ ص:17 ج:2)

سوال: حضرت داؤدؑ کی کل عمر کتنی ہوئی اور حکومت کتنے سال تک کی؟

جواب: آپ کی کل عمر 100 سال ہوئی اور آپ نے 40 سال حکومت کی۔

(البدایہ ص:16 ج:2، الکامل ص:228 ج:1)

سوال: حضرت داؤدؑ کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت داؤدؑ کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

داؤدؑ بن ایشا بن عوید بن عامر بن سلمون بن نحشون بن عوینادب بن ارم بن حصرون بن فرص بن یہودا بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ۔ تورات میں مذکور ہے کہ ایشا کے بہت سے لڑکے تھے۔ اور حضرت داؤدؑ ان میں سب سے چھوٹے تھے محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نسبتاً پست قد، نیلگوں آنکھیں، جسم پر بال بہت کم تھے، چہرہ اور جسم سے نفاست طبع اور طہارت قلب ظاہر ہوتی تھی۔

سوال: حضرت داؤدؑ کا ذکر قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

جواب: قرآن کریم کی نو سورتوں میں آپ کا ذکر خیر آیا ہے کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں مختصر طور پر اسم گرامی سولہ جگہ موجود ہے۔

سوال: حضرت داؤدؑ کی نبوت و رسالت سے پہلے بنی اسرائیل میں عرصہ دراز سے نبوت وحکومت کے بارے میں کونسا سلسلہ قائم تھا؟

جواب: حضرت داؤدؑ سے پہلے بنی اسرائیل میں عرصہ دراز سے یہ سلسلہ قائم تھا کہ ایک خاندان کے ساتھ ہمیشہ حکومت وابستہ تھی اور دوسرے خاندان سے نبوت و رسالت کا سلسلہ چلتا تھا۔ اولاد یعقوب میں سے یہودا کے گھرانے میں نبوت کا سلسلہ تھا اور افرائیم کے خاندان میں حکومت و سلطنت تھی۔ حضرت داؤدؑ پہلے شخص ہیں جن کے اندر یہ دونوں نعمتیں یکجا کر دی گئیں تھیں وہ اللہ کے پیغمبر و رسول بھی تھے اور صاحب تخت و تاج بھی۔ علاوہ ازیں انبیاء کرام کی جماعت میں حضرت آدمؑ کے علاوہ کسی اور نبی کو ''خلیفۃ اللہ'' کے لقب سے قرآن حکیم نے یاد نہیں کیا۔ حضرت داؤدؑ دوسرے نبی و رسول ہیں جن کو یہ لقب دیا گیا۔

سوال: تسخیر حیوانات اور تسبیح جبال وطیور کس نبی کو عطا کیا گیا تھا اور کیا بے زبان مخلوقات اور جمادات کا تسبیح پڑھنا کوئی تمثیل یا مجاز تھا یا حقیقت تھی؟

جواب: یوں تو سب ہی رسول خصوصی شرف و امتیاز کے حامل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بے شمار انعام و اکرام سے نوازتا ہے تاہم درجات کے لحاظ سے "فرق مراتب" بھی ہیں اور یہی امتیازی درجات و مراتب ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ ان رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کے متعلق بھی قرآن حکیم نے چند خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ خصوصیات نبیوں میں بہت کم نبیوں کو دیے گئے ہیں۔

حضرت داؤدؑ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں بہت زیادہ مشغول رہتے تھے۔ اور اس قدر خوش الحان تھے کہ جب زبور شریف کی تلاوت کرتے یا اللہ کی حمد و ثنا فرماتے تو ان کے دل نشین لحن سے نہ صرف انسان و جن بلکہ چرند و پرند بھی بے خود ہو جاتے اور آپ کے گرد جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح شروع کر دیتے قرآن حکیم نے اسکی بھی تصریح کی ہے کہ پہاڑ بھی حضرت داؤدؑ کی حمد و ثنا میں شریک ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد میں گونج اٹھتے۔ چرند و پرند اور پہاڑوں کا اپنی اپنی زبانوں سے تسبیح کرنا ایک حقیقت تھی جو بطور معجزہ حضرت داؤدؑ کو عطا کی گئی تھی۔

بے زبان مخلوقات اور جمادات کا تسبیح پڑھنا کوئی تمثیل یا مجاز نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ جس کو قرآن حکیم نے سورہ بنی اسرائیل آیت 44 میں بیان کیا ہے۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ " ساتوں آسمان اور زمین ان کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ سب مخلوقات جو ان کے درمیان ہیں اور کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کا فہم و ادراک نہیں کر سکتے"۔

آیت بالا میں خود اس شبہ کا جواب موجود ہے کہ جب ہر چیز تسبیح کرتی ہے تو پھر ہم اس کو کیوں نہیں سن پاتے جبکہ سننے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں کان دیئے ہیں؟ شبہ کا جواب قرآن حکیم یہ دیتا ہے کہ ان مخلوقات کی تسبیح کا فہم انسانوں کو میسر نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حیات شہداء کا

ادراک عام انسانوں کو نہیں ہے وہ زندہ ہیں مردہ نہیں ہے۔ مشہور محدث ابن حزمؒ نے اپنی کتاب ''الفصل'' میں اس موقع پر ایک شبہ پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام تو یہ بیان کرتا ہے کہ کائنات کی ہر شئی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن ایک دہری (اللہ تعالیٰ کا منکر) انسان بھی شئی میں داخل ہے۔ حالانکہ وہ کسی لمحہ اللہ کی تسبیح نہیں کرتا لہٰذا آیت کا عموم کیسے باقی رہے گا۔

علامہ ابن حزمؒ کا یہ شبہ دراصل کوئی حقیقی وزن رکھتا ہے اور نہ اتنا اہم ہے۔ شاید شبہ بیان کرتے وقت ان کی نظر قرآن حکیم کے اس مطلب ومراد سے اوجھل ہوگئی جو اس مقام پر قرآن کے پیش نظر ہے۔

قرآن حکیم یہ خود بیان کر رہا ہے اور اس کا مقصد بیان بھی یہی ہے نافرمان انسان کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے اور یہ انسان ہی ہے جو انکار اور بغاوت کر رہا ہے۔ قرآن حکیم کا سیاق وسباق خود اس کا اظہار کر رہا ہے۔

الغرض قرآن حکیم کا یہ ارشاد کہ کائنات کی ہر شئی اللہ کی حمد وثنا کرتی ہے۔ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے۔ اور زبان حال کے ساتھ اس کی تاویل کرنا عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے البتہ انکی یہ تسبیح وتحمید انسانوں کے عام فہم وادراک سے بالاتر رکھی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیئت کے تحت کبھی کبھی انبیاء ورسل کو اس کا فہم وادراک عطا ہو جاتا ہے۔ جو ان کے لئے بطور معجزہ ودلیل کے ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب وہ صبح وشام اللہ کی حمد وثنا کرتے تو چرند وپرند اور پہاڑ بھی بلند آواز سے اللہ کی تسبیح وتحمید میں ان کی ہمنوائی کرتے اور حضرت داؤدؑ انکی تسبیح کو ظاہری کانوں سے سنتے اہل عقل کا اس پر اتفاق ہے کہ گفتگو اور قول کیلئے ''نطق وزبان'' شرط نہیں۔ اگر کسی شئی میں حیات اور صوت (آواز) موجود ہیں تو اس کی جانب قول کی نسبت درست وصحیح ہے لہٰذا جانوروں کا تسبیح کرنا کچھ بعید نہیں، جدید سائنس کے دور میں تو یہ مشاہدہ ہو رہا ہے کہ نباتات کے اندر بھی ''حیات واحساس'' دونوں موجود ہیں، ''چھوئی موئی'' کا درخت ہاتھ لگانے سے مرجھا جاتا ہے۔ اور ہاتھ

الگ ہونے سے پھر شاداب ہوجاتا ہے۔ ''مردم خور درخت'' انسان یا حیوان کے قریب ہونے پر اس کا احساس کرتا ہے۔ اور فوراً اپنی شاخیں دراز کر کے اس کو اپنی گرفت میں کر لیتا ہے۔ یہ تورات دن کے مشاہدات ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، اسطوانہ حنانہ کا رو پڑنا، حیوانات کا آپ سے کلام کرنا اس قدر مشہور و معروف ہے کہ اس کا انکار سورج کے انکار کے مساوی ہے۔

سوال: حضرت داؤدؑ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟

جواب: حضرت داؤدؑ کی حکومت و سلطنت وسیع تر تھی باوجود اس کے مملکت کے مالیہ سے ایک درہم بھی نہیں لیتے اور اپنا اور اہل و عیال کی معاش کا بارِ بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بنایا تھا۔ حضرت داؤدؑ کے اسی وصف معاش کو حدیث شریف میں سراہا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے۔ (بخاری کتاب التجارۃ) علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ دعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی ایسی صورت پیدا فرمادے کہ میرے لئے ہاتھ کی کمائی آسان ہوجائے میں بیت المال پر اپنی معاش کا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا، چنانچہ حضرت داؤد کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا فرمادیا کہ ان کے ہاتھ میں لوہے اور فولاد کو نرم کر دیا جب وہ کوئی چیز بنانا چاہتے تو بغیر کسی آلات و اوزار کے فولاد کو جس طرح چاہتے کام میں لاتے۔ اور وہ ان کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہوجاتا تھا۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو سورۂ انبیاء میں بیان کیا ہے۔

سوال: حضرت داؤدؑ کا حلیہ مبارک کیا تھا؟

جواب: محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہؒ کے واسطے سے حضرت داؤدؑ کا حلیۂ مبارک اس طرح نقل کیا ہے۔ پست قد نیلگوں آنکھیں، جسم پر بال بہت کم تھے چہرہ اور بشرے سے طہارت

قلب اور نفاست طبع جھلکتی تھی۔

سوال: حضرت داؤدؑ کی وفات کب اور کتنی عمر میں ہوئی؟

جـــواب: مشہور محدث حاکمؒ نے اپنی کتاب مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے جو کتب صحاح ستہ میں بھی منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے عالم بالا میں حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی تمام اولاد کو نکال کر ان کے سامنے پیش کیا۔

حضرت آدمؑ نے اپنی ان اولاد میں ایک خوبصورت چمکتی ہوئی پیشانی والے لڑکے کو دیکھا اور دریافت کیا کہ پروردگار یہ کون لڑکا ہے؟ جواب ملا تمہاری اولاد میں بہت بعد میں آنے والا تمہارا لڑکا داؤد ہے۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا یاالٰہی میں اپنی عمر کے چالیس سال اس لڑکے کو بخشتا ہوں۔

مگر جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت آیا تو حضرت آدمؑ نے ملک الموت سے کہا ابھی تو میری عمر میں چالیس سال باقی ہیں فرشتہ نے جواب دیا آپ بھول گئے کہ آپ نے اپنی عمر کا یہ حصہ اپنے بیٹے داؤد کو بخش دیا تھا، پس حضرت آدمؑ بھولے ان کی ذریت بھی بھولنے لگی، اس روایت سے معلومات ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی عمر شریف سو سال کی ہوئی، تورات اور کتب تواریخ میں ہے کہ حضرت داؤدؑ نے پیرانہ سالی میں انتقال کیا اور اسرائیلیوں پر چالیس سال حکومت کی۔

جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے 70 سال حکومت کی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کا انتقال یوم السبت (ہفتہ کے) دن اچانک ہوا جب کہ وہ اپنے عبادت والے دن ذکر الٰہی میں مشغول تھے اور پرندوں کی ٹکڑیاں پرے باندھے ان پر سایہ فگن تھیں۔ (مستدرک، فیض الباری ج)

◆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت سلیمان

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

ہارون رشید
اور فکر امت....

حیاۃ الحیوان میں علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانہ میں علماء نے مشورہ کیا کہ دنیا میں کوئی ایسی جگہ ڈھونڈی جائے جہاں دین اسلام نہ پہنچا ہو۔ چنانچہ ایک جگہ جماعت بھیجنے کا مشورہ ہوا اور وہ جماعت اس جگہ تین سال تک سفر کر کے پہنچی تو دیکھا کہ وہاں اذان ہو رہی ہے۔ وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اسلام کیسے آیا؟ وہ لوگ ایک قبر پر لے گئے اور کہا کہ یہ ”صاحب قبر“ یہاں آئے تھے۔ پھر انہوں نے اونٹ کی ہڈیاں اور کچھ قرآن کا حصہ دکھایا تو جسے وہ صحابی لکھ کر یا لکھا ہوا لائے تھے۔

میرے دوستو! قربان جائیں صحابہ کتنی دور دور تک انہوں نے اس کلمہ کو پہنچایا، نہ گھر کو دیکھا' نہ بیوی بچوں کو دیکھا، نہ کاروبار کو دیکھا، دیکھا تو صرف اللہ کے دین کو دیکھا۔ بس ہر موقع پر دین کے تقاضے کو مقدم رکھا۔ ﴿حیاۃ الحیوان﴾

◆◆◆

(۲۰) حضرت سلیمان علیہ السلام

سوال: ارشاد باری وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ میں حضرت سلیمانؑ کا امتحان کس وجہ سے لیا گیا؟

جواب: امتحان کی وجہ یہ پیش آئی کہ حضرت سلیمانؑ نے سمندر کے ایک جزیرے کے بادشاہ سے جنگ کی اس جزیرے کو فتح کر کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی اس لڑکی کا باپ (بادشاہ) لڑائی میں مارا گیا تھا اسکو جب اپنا باپ یاد آتا تھا تو وہ لڑکی روتی تھی، حضرت سلیمانؑ نے اس کے باپ کی شکل کا مجسمہ (حضرت سلیمانؑ کی شریعت میں تصویروں اور مجسموں کا بنانا جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہے) جنات سے بنوا کر بیوی کو دیدیا تھا چند دنوں تک تو وہ لڑکی اس مجسمہ کو دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دیتی رہی پھر اس نے اس مجسمہ کی عبادت شروع کر دی جس کی وجہ سے حضرت سلیمانؑ کو امتحان میں ڈالا گیا مگر محققین حضرات فرماتے ہیں کہ آزمائش کا سبب وہ ہے جو بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ میں آج رات اپنی 90 بیویوں پر اور ایک روایت میں ہے کہ سو بیویوں پر چکر لگاؤں گا یعنی ان سے جماع کروں گا اس جماع سے ہر ایک بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو مجاہد فی سبیل اللہ بنے گا ان کے ساتھی نے ان سے کہا کہ انشاء اللہ کہہ دو مگر انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس سے صرف ایک بچہ پیدا ہوا وہ بھی ناتمام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو سارے بچے مجاہد فی سبیل اللہ ہوتے۔ (صاوی ص:358 وص:359 ج:3)

سوال: حضرت سلیمانؑ کی اس مذکورہ بیوی کا نام کیا تھا اس نے مجسمہ کی عبادت کتنے دن کی اور حضرت سلیمانؑ کتنے دن آزمائش میں رہے؟

جواب: بیوی کا نام جرادہ تھا 40 دن اس نے عبادت کی اور 40 ہی دن آزمائش رہی۔

(صاوی ص:358 ج:3)

سوال: حضرت سلیمانؑ جس عورت کو اپنی انگوٹھی دے جایا کرتے تھے یہ کون تھی اور نام کیا تھا؟

جواب: یہ حضرت سلیمانؑ کی ام ولد تھی اس کا نام امینہ تھا۔

(صاوی ص:358 ج:3 وجلالین ص:382 ج:2)

سوال: جس جن نے حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی چرائی تھی اس کا نام کیا تھا اور کتنے دن اس نے حکومت کی؟

جواب: اس جن کا نام صخر تھا (بمعنی چٹان) چونکہ یہ بھی بہت بڑے جثہ والا تھا اسی وجہ سے اس کا نام صخر تھا۔ اور یہ سلیمانؑ کی صورت پر تھا اور اس جن نے چالیس دن تک حکومت کی کیونکہ چالیس دن تک آپ کی بیوی نے اپنے باپ کی تصویر کی عبادت کی تھی جب چالیس دن ہو گئے تو یہ جن کرسی چھوڑ کر بھاگ گیا اور انگوٹھی دریا میں ڈالدی پھر اس انگوٹھی کو مچھلی نے نگل لیا، اس کے بعد وہ مچھلی حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ لگ گئی آپ نے جب اس کے پیٹ کو چاک کیا تو یہ انگوٹھی اس کے پیٹ سے نکلی۔ (جلالین ص:382)

سوال: وہ کون شخص ہے جس نے حضرت سلیمانؑ کو خبر دی تھی کہ آپ کے گھر میں غیر اللہ کی پوجا ہو رہی ہے؟

جواب: یہ حضرت سلیمانؑ کے وزیر تھے جن کا نام آصف بن برخیا تھا۔ اور یہی وزیر بلقیس کے تخت کو پلک جھپکنے کی مقدار سے پہلے ہی لے آیا تھا۔ (مظہری)

سوال: اس جن کا نام کیا ہے جس نے کہا تھا اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ کہ میں آپ کی مجلس ختم ہونے سے پہلے ہی تختِ بلقیس کو حاضر کر دوں گا؟

جواب: حضرت وہب بن منبہ نے اسکا نام کوذاذ ذکر کیا ہے اور بعض نے صخر جنی اور بعض نے ذکوان بھی کہا ہے۔ (حیاۃ الحیوان ص:32 ج:2)

سوال: فرشِ سلیمانی کس چیز کا بنا ہوا تھا؟

جواب: فرشِ سلیمانی سونے اور ریشم کا تیار کردہ تھا، ایک بہت لمبا چوڑا فرش بچھایا جاتا تھا

اس کے بیچ میں ایک منبر ہوتا تھا جس پر آپ بیٹھتے تھے۔ (جمل)

سوال: اہل مجلس چونکہ مختلف ہوتے تھے اسلئے ان کے بیٹھنے کی ترتیب کیا ہوتی تھی؟

جواب: فرش کے بیچ میں منبر ہوتا جس کے اردگرد سونے چاندی کی چھ ہزار کرسیاں بچھائی جاتی تھیں سونے کی کرسیوں پر انبیاء اور چاندی کی کرسیوں پر علماء بیٹھتے پھر عوام الناس پھر جنات اور پرندے آپ کے سر پر سایہ کرتے تھے پھر ہوا اس تخت کو لے کر وہاں جاتی جہاں حضرت سلیمانؑ ہوا کو حکم فرماتے۔ (روح المعانی ص:175 پ:19)

سوال: ہدہد سلیمانی کونسا ہے اور ہدہد یمنی کونسا ہے اور ان کے نام کیا ہیں؟

جواب: ہدہد سلیمانی وہ ہے جو حضرت سلیمانؑ کا انجینئر تھا جو لشکر کے آگے رہتا تھا پانی بتلانے کے لئے، اس ہدہد کا نام یعفور تھا۔ (حیاۃ الحیوان ص:392 ج:2)

اور ہدہد یمنی وہ تھا کہ جب ہدہد سلیمانی بلقیس کے باغ میں اترا تو وہاں اس کی ملاقات ایک ہدہد سے ہوئی تھی دونوں نے ایک دوسرے سے حالات معلوم کئے تھے یہ دوسرا ہدہد، ہدہد یمنی تھا اور اس کا نام عفیر تھا۔ (صاوی ص:192)

سوال: حضرت سلیمانؑ سے گفتگو کرنے والی چیونٹی کا نام کیا ہے اور اس نے آپ کو کیا ہدیہ پیش کیا تھا؟

جواب: اس چیونٹی کے نام مختلف ذکر کئے گئے ہیں (1) طاخیہ، (2) جرمیٰ، علامہ آلوسی یعنی صاحب روح المعانی اور صاحب تفسیر مظہری نے بروایت ضحاک نقل کیا ہے کہ اس چیونٹی کا نام (1) طاخبہ یا (2) جذمیٰ تھا اور بعض نے منذرہ بتایا ہے (جلالین) اور بعض نے حذمیٰ (بالحاء المہملہ) بھی کہا ہے۔ (حیاۃ الحیوان) اور اس چیونٹی نے آپ کو ایک بیر بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ (جمل)

سوال: چیونٹی نے حضرت سلیمانؑ سے کیا کیا سوالات کئے؟

جواب: حضرت سلیمانؑ سے چیونٹی نے معلوم کیا کہ آپ کے ابا جان حضرت داؤدؑ کا نام داؤد کیوں رکھا گیا؟ آپ نے کہا مجھے معلوم نہیں چیونٹی نے جواب دیا کہ (داوی یُداوِیْ

مُدَاوَاتْ) بمعنی علاج کرنا ہے آپ کے والد محترم نے اپنے قلب کا علاج کیا ہے، اس کے بعد چیونٹی نے کہا، اچھا آپ کا نام سلیمان کیوں رکھا گیا تو سلیمانؑ بولے مجھے معلوم نہیں چیونٹی نے کہا کہ سلیمان بمعنی سلیم اور سلامتی والے اور آپ سلیم القلب والصدر ہیں اس وجہ سے آپ کا نام سلیمان رکھا گیا۔ (روح المعانی ص:179)

سوال: بال صفا پاؤڈر کی ایجاد کس نے کی؟

جواب: حضرت سلیمانؑ کے زمانہ کے شیاطین نے کی جس کا واقعہ یہ پیش آیا کہ جب حضرت سلیمانؑ نے بلقیس (ملکۂ سبا) سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تو جنات نے سوچا کہ اگر بلقیس سے شادی کرلیں گے تو بلقیس چونکہ جنیہ کی لڑکی ہے۔ یہ جنات کے رموز و اسرار حضرت سلیمانؑ کو بتلادے گی اس طرح حضرت سلیمانؑ ہمارے رازوں سے واقف ہوجایا کریں گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ شادی ہونے سے پہلے ہی حضرت سلیمانؑ کے دل میں بلقیس کی طرف سے نفرت پیدا کردینی چاہئے، تو جنات میں سے بعض نے حضرت سلیمانؑ سے کہا کہ بلقیس کی پنڈلیوں پر تو بال ہیں جس پر حضرت سلیمانؑ نے ایک حوض تیار کرایا اور اس کے اندر پانی بھروا کر اوپر شیشہ کا فرش بچھوادیا جب بلقیس آئی تو راستہ حوض کے اوپر کو تھا جب بلقیس حوض کے قریب آئی تو سوچا کہ شاید پانی کا حوض ہے، اوپر شیشہ کا فرش اس کو محسوس نہیں ہوا پانی میں داخل ہونے کے ارادے سے اس نے اپنی شلوار اوپر اٹھائی جس سے پنڈلیاں کھل گئیں حضرت سلیمانؑ حوض کی دوسری جانب تشریف فرما تھے تو حضرت سلیمانؑ نے جب بلقیس کی پنڈلیوں کو دیکھا تو ان پر بال نظر آئے الغرض حضرت سلیمانؑ نے شادی تو کرلی مگر پنڈلیوں پر بال زیادہ ہونے کی وجہ سے ناگواری محسوس کرتے رہے، جس پر انہوں نے انسانوں سے معلوم کیا کہ بالوں کو اڑادینے والی کوئی چیز ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ استرہ ہے، جب بلقیس کو بال صاف کرنے کے لئے استرہ دیا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے آج تک اپنے بدن پر لوہا نہیں لگایا پھر حضرت سلیمانؑ نے جنات سے معلوم کیا انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر شیاطین جنات سے دریافت کیا تو انہوں نے اسی وقت چونے

وغیرہ سے بال صفا پاؤڈر تیار کردیا۔ واللہ اعلم۔ (خازن وحیاۃ الحیوان ص:35 ج:2)

سوال: تخت بلقیس کی لمبائی چوڑائی اور اونچائی کتنی تھی؟

جواب: اس میں تین اقوال ہیں (1) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بلقیس کا تخت تیس ہاتھ لمبا اور تیس ہاتھ چوڑا اور تیس ہاتھ اونچا تھا۔ (2) حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ اس کی اونچائی 80 ہاتھ تھی (3) اور بعض نے کہا کہ لمبائی 80 ہاتھ اور چوڑائی 40 ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی۔ (حیاۃ الحیوان ص:33 ج:2)

سوال: وہ کونسی چیزیں ہیں جن کی ابتداء حضرت سلیمانؑ سے ہوئی؟

جواب: (1) سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حضرت سلیمانؑ پر نازل ہوئی بروایت ابن عباسؓ۔ (محاضرۃ الاوائل ص:44 بحوالہ بغیۃ الظمآن)

(2) سب سے پہلے حمام حضرت سلیمانؑ نے بنوایا۔

(شامی ص:33 ج:5 وزاد المعاد ص:137 ج:2 بحوالہ بغیۃ الظمآن)

(3) سب سے پہلے سمندر سے موتی حضرت سلیمانؑ نے نکلوائے۔

(روح البیان ص:353 ج:3 بحوالہ بغیۃ الظمآن)

(4) سب سے پہلے کبوتر حضرت سلیمانؑ نے پالا۔

(قصص الانبیاء ص:213 بحوالہ بغیۃ الظمآن)

(5) سب سے پہلے زنبیل حضرت سلیمانؑ نے بنوایا۔

(محاضرۃ ص:200 بحوالہ بغیۃ الظمآن)

(6) سب سے پہلے تانبے کی صنعت حضرت سلیمانؑ نے کی۔

(محاضرۃ الاوائل ص:200 بحوالہ بغیۃ الظمآن)

سوال: حضرت سلیمانؑ جب بادشاہ بنے ان کی عمر کیا تھی؟

جواب: تیرہ سال کی عمر میں آپ بادشاہ بن گئے تھے۔

(الکامل فی التاریخ ص:229ج:1)

سوال: تخت پر بیٹھنے کے کتنے سال بعد بیت المقدس کی تعمیر کرائی؟

جواب: بادشاہ بننے کے چار سال بعد بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز کرایا۔

(الاتقان ص:246ج:2)

سوال: جس وقت حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کا تخت منگایا آپ کہاں تھے اور بلقیس کا تخت کتنی دوری پر تھا؟

جواب: آپ ملک شام میں بیت المقدس میں تھے اور تخت بلقیس ملک سبا میں تھا اور بیت المقدس سے ملک سبا تک دو ماہ کی مسافت کا فاصلہ تھا۔ (حاشیہ جلالین ص: 320 بحوالہ صاوی)

سوال: آپ کی والدہ محترمہ کا نام کیا تھا؟

جواب: سلیمانؑ کی والدہ کا اسم گرامی اوریا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص:15ج:3)

سوال: حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی میں کیا لکھا ہوا تھا؟

جواب: ابن عساکر نے حضرت عبادہ بن الصامت کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبادہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی میں لکھا ہوا تھا اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ۔ (کنزالاعمال ص:498)

سوال: حضرت سلیمانؑ کی کل عمر کیا ہوئی اور بادشاہ کتنے سال رہے؟

جواب: حضرت سلیمانؑ کی کل عمر 52 سال ہوئی چالیس سال حکومت کی دوسرا قول یہ ہے کہ حکومت بیس سال کی۔ (البدایہ ص:203ج:2)

سوال: حضرت سلیمانؑ کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے صاحبزادے ہیں لہٰذا ان کا نسب بھی یہودا (اولاد یعقوبؑ) کے واسطے سے حضرت یعقوبؑ سے جا ملتا ہے۔

قرآن حکیم نے ان کو اولاد ابراہیم میں شمار کیا ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ توریت

اور دیگر کتب تاریخ میں بنت سبع نام بتایا گیا ہے لیکن اہل تحقیق نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ اسی تورات کے وضاحت کے مطابق یہ نام حضرت داؤدؑ کے فوجی افسر اوریاہ کی بیوی کا تھا اس لئے بھی یہ نام تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔

البتہ ایک حدیث میں صرف اس قدر منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلیمانؑ بن داؤدؑ کی والدہ نے ایک دفعہ اپنے بیٹے سلیمانؑ کو یہ نصیحت فرمائی کہ بیٹا رات بھر نہ سوتے رہا کرو اس لئے کہ رات کے اکثر حصہ کو نیند میں گزارنا انسان کو قیامت کے دن اعمال خیر سے محتاج بنا دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)

قرآن حکیم نے سورۂ انعام آیت 85 میں بھی صرف اسی قدر بتایا ہے کہ وہ حضرت یعقوبؑ کے واسطے سے حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں۔

سوال: حضرت سلیمانؑ کا ذکر مبارک قرآن مجید میں کتنی جگہ آیا ہے؟

جواب : قرآن حکیم میں حضرت سلیمانؑ کا ذکر مبارک 16 جگہ آیا ہے۔ ان چند مقامات پر کچھ تفصیلی ذکر موجود ہے اور اکثر جگہ مختصر طور پر ان انعامات کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر اور ان کے والد بزرگوار داؤدؑ پر نازل ہوئے ہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو نبوت و حکومت میں کس کا جانشین بنایا؟

جواب : حضرت سلیمانؑ کی فطرت ہی میں اللہ تعالیٰ نے ذکاوت فصل مقدمات اور اصابت رائے کا کمال رکھا تھا بچپن ہی میں اس کے مظاہرے پائے گئے۔ اپنے والد حضرت داؤدؑ کی معیت میں جب سن شعور کو پہنچے تو اس وقت حضرت داؤدؑ کا انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز کیا اور حکومت میں بھی حضرت داؤدؑ کا جانشین بنایا۔ قرآن حکیم نے اسی جانشینی کو حضرت داؤدؑ کی وراثت قرار دیا ہے۔ گویا وہ حکومت کے ساتھ ساتھ اپنے والد کی نبوت میں بھی وارث قرار پائے۔ نبوت کوئی وراثت کی چیز نہیں ہے جو لازماً کسی کے حصہ میں آئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام پر یہ بھی فضل کیا ہے کہ ان کی اولاد کو نبوت میں بھی ان کا جانشین بنایا ہے۔

حضرت سلیمانؑ بھی ان انبیاء کرام میں سے ایک ہیں۔ اسکے علاوہ حضرت داؤدؑ کی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو بھی خصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا جس کی بدولت وہ طبقۂ انبیاء ورسل میں ممتاز حیثیت سے معروف ہیں۔

سوال: حضرت سلیمانؑ کے خصوصی امتیازات کیا تھے؟

جواب: حضرت سلیمانؑ کے خصوصی امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ''ہوا'' کو ان کے زیر فرمان کر دیا تھا وہ جب اور جہاں چاہتے اس کو چلنے اور رک جانے کا حکم دیتے تھے۔ ہوائیں ان کے حکم سے نرم اور سبک رفتار ہو جاتی تھیں اور جب تیزی کا حکم دیتے تو برق رفتاری کا یہ عالم ہوتا کہ اس کے دوش پر سوار ہو کر ایک ماہ کی مسافت صبح کے اولین ساعت میں اور ایک ماہ کی مسافت شام کے آخری لمحات میں طے کر لیتے تھے۔ ان کا تخت شاہی ہوا اپنے کاندھوں پر لے کر جہاں وہ چاہتے پہنچا دیتی تھی۔

تسخیر ریاح اور مسافت رفتار کی یہ کیفیت کوئی تمثیلی یا مجازی حیثیت سے نہ تھی بلکہ ایک حقیقت تھی جو ہر طرح کی تاویل وتخیل سے بالاتر ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آج کل ہوائی جہاز پر سفر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عام قوانین قدرت کے تحت کائنات کی اشیاء کو اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ اسی طرح اپنے کچھ قانون خاص کے تحت انبیاء ورسل کے ساتھ وہ معاملہ فرمایا ہے جس کو اسلامی زبان میں معجزہ یا آیت کہا جاتا ہے۔ ہوا کا تابع امر ہونا اسی قسم سے ہے۔

اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے زیر نگیں نہ صرف انسان تھے بلکہ جنات اور حیوانات بھی تابع فرماں تھے اور یہ اقتدار ایسا تھا کہ کائنات میں شاید ہی کسی اور کو عطا کیا گیا ہو۔

سوال: حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی تعمیر کس طرح کی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جنات کو ایسی مخلوق بنایا ہے جو مشکل سے مشکل اور سخت سے سخت کام انجام دے سکتی ہے اللہ تعالیٰ کی اس تسخیر کی بدولت حضرت سلیمانؑ نے یہ ارادہ کیا کہ مسجد اقصیٰ کے چاروں جانب ایک بڑا شہر آباد کیا جائے اور مسجد کی از سر نو تعمیر بھی کی جائے ان کی

خواہش تھی کہ مسجد اور شہر کو بیش قیمت پتھروں سے بنوائیں اور اس کے لئے دور دراز علاقوں سے قیمتی اور حسین پتھر فراہم کئے جائیں۔ چنانچہ جنات سے یہ خدمت لی وہ دور دراز علاقوں سے خوبصورت اور بڑے بڑے پتھر جمع کر کے لائے اور شہر بیت المقدس کی تعمیر کا کام انجام دیتے۔ اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے حکم سے مسجد اقصیٰ اور شہر کی تعمیر جدید عمل میں آئی جو آج تک لوگوں کے لئے باعث حیرت ہے کہ ایسے دیو پیکر پتھر اور چٹانیں کہاں سے لائے گئے؟ کس طرح لائے گئے؟ اور اس زمانے کے مختصر و محدود وسائل کے باوجود وہ کون سے آلات استعمال کئے گئے جن کے ذریعہ ان پتھروں کو ایسی بلندیوں پر پہنچا کر باہم پیوست کر دیا گیا یہ سب کام حضرت سلیمانؑ کی نگرانی میں جنات کی جماعتوں نے انجام دیا تھا، جنات نے بیت المقدس کی تعمیر کے علاوہ اور بھی تعمیرات کیں اور بعض ایسی چیزیں بھی بنائیں جو اس زمانے کے لحاظ سے عجیب وغریب سمجھی جاتی تھیں۔

تفسیر بیضاوی میں ایک اسرائیلی روایت نقل کی گئی ہے جس سے جنات کی صنعت گری کا پتہ چلتا ہے جنات نے تخت سلیمانی کو اس کاریگری سے بنایا تھا کہ تخت کے نیچے دو زبردست اور خونخوار شیر کھڑے کئے اور دو گدھ معلق تھے اور جب حضرت سلیمانؑ تخت پر جلوہ افروز ہونے کے لئے تخت کے قریب تشریف لے آتے تو وہ دونوں شیر اپنے بازو پھیلا کر بیٹھ جاتے اور تخت نیچا ہو جاتا اور وہ اس پر بیٹھ جاتے تو پھر شیر کھڑے ہو جاتے اور فوراً ہیبت ناک گدھ اپنے پروں کو پھیلا کر حضرت سلیمانؑ کے سر پر سایہ فگن ہو جاتے تھے۔ (بیضاوی سورۂ سبا)

اسی طرح جنات نے پتھر کی بڑی اور بھاری دیگیں بنائی تھیں جو اونچے اونچے چولہوں پر قائم تھیں اور اپنی بلند و بالا قامت کی وجہ سے حرکت میں نہیں آتی تھیں۔ بڑے بڑے حوض پتھر کی چٹانوں میں تراش کر بنائے تھے اور اس طرح شہر بیت المقدس اور ہیکل (مسجد اقصیٰ) اور ان سب اشیاء کی تعمیر میں صرف سات سال صرف ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کے منجملہ احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ بھی تھا کہ حضرت سلیمانؑ کو پچھلے

ہوئے تانبے کے چشمے فراہم کئے گئے تھے۔ جس کو تعمیرات کے استحکام میں گارے اور چونے کی بجائے استعمال کیا جاتا تھا۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام حاصل تھا کہ زمین کے جن حصوں میں تانبا پانی کی طرح پگھل کر بہہ رہا تھا ان چشموں کو حضرت سلیمانؑ پر آشکارا کر دیا تھا اور ان سے پہلے کوئی شخص زمین کے اندر دھات کے چشموں پر آگاہ نہ تھا۔ ابن کثیرؒ نے حضرت قتادہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ پگھلے ہوئے تانبے کے یہ چشمے ملک یمن میں تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ پر ظاہر کر دیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج:2 ص:28)

سوال: حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ میں آزمایا جس کو قرآن کریم نے القاء جسد سے تعبیر کیا ہے اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: قانون ابتلاء (آزمائش) بھی ایک مستقل سنت اللہ ہے جو عام طور پر مجرموں کے لئے ہوتا ہے لیکن خاصان خدا بھی اس سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ نیکوں کی آزمائش میں جہاں درجات کی بلندی مقصود ہوتی ہے وہاں اور بھی حکمتیں پوشیدہ رہتی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کو بھی اللہ نے ایک واقعہ میں آزمایا جس کو قرآن حکیم نے القاء جسد سے تعبیر کیا ہے۔ (ایک ناتمام جسم کا واقعہ) آیات قرآنی میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ حضرت سلیمانؑ کو جب یہ آزمائش پیش آئی تھی وہ کیا تھی؟ صرف اس قدر وضاحت ہے کہ ان کی کرسی پر ایک ناتمام جسم ڈالا گیا اور وہ فوراً اللہ کی جناب میں رجوع ہوئے اور مغفرت چاہی۔ گزشتہ صفحات میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ قرآن حکیم کا مزاج اور اس کا اسلوب صرف واقعات نقل کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے نتائج اور حقائق سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے تا کہ انسانیت کو عبرت ونصیحت فراہم ہو۔ اسی اسلوب کے پیش نظر واقعات کی تکرار اور کہیں اجمال کہیں تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کا یہ ابتلائی واقعہ بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے۔ واقعہ کی پہلی آیت ہی اس مقصد اصلی پر روشنی ڈالتی ہے۔

”اور بے شک ہم نے سلیمانؑ کو آزمایا اور ڈال دیا ہم نے ان کی کرسی پر ایک ناتمام جسم پھر وہ

اللہ کی جانب رجوع ہوئے“۔ (ص آیت: 24)

تاہم مفسرین کرام نے اس واقعہ کی تفصیل میں دو عنوان اختیار کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآنی واقعات میں قیاس اور تخمین سے کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہئے۔ صرف اسی قدر یقین رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اس نے کسی آزمائش میں مبتلا کیا جس کا تعلق تخت سلیمان اور ایک جسم کا تخت سلیمان پر ڈالے جانے سے تعلق ہے اسکی کیفیت نامعلوم ہے کہ وہ جسد (جسم) کیا تھا؟ کیوں ڈالا گیا؟ اس میں کس قسم کی آزمائش تھی؟ لیکن حضرت سلیمانؑ نے دیگر انبیاء ورسل کی طرح فوری بارگاہ الٰہی میں رجوع کیا، مغفرت طلب کی اور اس کے بعد ایک ایسی حکومت کی دعا کی جو بے نظیر اور بے مثال ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی مقبولیت اور عظمت شان کو سراہا۔

آیات زیر بحث کی تفسیر میں یہ طریقہ حافظ ابن کثیرؒ اور ابن حزمؒ اور دیگر جلیل القدر محدثین ومفسرین نے اختیار کیا ہے۔ بقیہ دیگر محدثین نے ان آیات کی تفسیر میں یہ لکھا ہے:

”ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کا ایک لشکر کسی مہم سے ناکام واپس لوٹا جس پر حضرت سلیمانؑ کو سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے شدت غضب میں خیال ظاہر کیا کہ آج کی شب میں اپنے حرم کے ساتھ ازدواجی فریضہ ادا کروں گا تو میری ہر ایک بیوی سے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ میدان جہاد کا مجاہد بنے گا اس وقت حرم میں کئی ایک بیویاں تھیں۔ لیکن اپنے اس اظہار خیال میں انشاء اللہ کہنا بھول گئے“ اللہ تعالیٰ کو ایک اولوالعزم پیغمبر کا یہ طرز پسند نہ آیا اور اس نے حضرت سلیمانؑ کے اس دعوے کو اس طرح غلط ثابت کر دیا کہ تمام ازواج مطہرات میں سے صرف ایک بیوی کے مردہ ناتمام بچہ پیدا ہوا جس کو کسی خادم نے ان کے سامنے ایسے وقت پیش کیا جبکہ وہ تخت پر متمکن تھے۔ حضرت سلیمانؑ کو شدت احساس ہوا کہ یہ نتیجہ ہے اس بات کا جس کو میں اپنے اعتماد لہجہ میں انشاء اللہ کہے بغیر ادا کیا تھا چنانچہ اسی وقت وہ اللہ کی جانب رجوع ہوئے اور مغفرت طلب کی اور پھر وہ دعا مانگی جس کا ذکر قرآن حکیم میں صراحتاً موجود ہے۔ محدثین کرام اپنی اس تفسیر کی دلیل میں

بخاری و مسلم کی درج ذیل حدیث پیش کرتے ہیں اور اسی کو اس تفسیر کی سند قرار دیتے ہیں:۔

''حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ سلیمانؑ بن داؤدؑ نے فرمایا کہ آج رات میں اپنی 70 بیویوں کے پاس جاؤں گا ہر ایک بیوی سے ایک ایک شہ زور لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ حضرت سلیمانؑ کے وزیر نے یا فرشتے نے ان سے کہا کہ انشاء اللہ کہئے، مگر حضرت سلیمانؑ کو اس جملہ پر دھیان نہ رہا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بیوی بھی حاملہ نہ ہوئی البتہ ایک بیوی کے ناتمام بچہ ہوا جس کا ایک بازو نہ تھا''۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر سلیمانؑ انشاء اللہ کہہ دیتے تو ہر ایک حرم کے بطن سے مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوتا۔

بہرحال واقعہ کی تفصیل کچھ بھی ہو نقش واقعہ اپنی جگہ قائم ہے۔ قرآن حکیم یہ بتانا چاہتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں سے جب کبھی بھی بھول یا غفلت ہوگئی وہ فوری طور پر بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوئے۔ اللہ سے غفلت ایسی چیز نہیں ہے جس کو نظر انداز کر دیا جائے حضرت سلیمانؑ کا یہ اسوۂ حسنہ انسانوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں بیان کردہ تفاسیر کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی روایات کتب تفسیر میں درج ہیں جن کا اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں اور بلاشبہ وہ تمام تر یہودی روایات اور قصص ہیں جن کو روایات کہنا بھی روایات کی توہین ہے۔

محدث ابن کثیرؒ نے اور دیگر محدثین کرام نے ان کو خرافات اور ہزلیات سے تعبیر کیا ہے ان کو لکھنا اور پڑھنا سوائے اضاعت وقت کے اور کچھ نہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال: حضرت سلیمانؑ نے کتنے سال تک حکومت کی، وفات کیسے اور کب ہوئی؟

جواب: بیت المقدس کی تعمیر جس کا آغاز حضرت داؤدؑ نے کیا تھا اپنی وفات کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ نے اس کی تکمیل کی۔ امام سدی کی روایت کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے اس کی خوشی میں بطور شکرانہ بارہ ہزار گائے اور بیس ہزار بکریوں کی

قربانی کر کے لوگوں کو دعوتِ عام دی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس کی توفیق بخشی۔

اس اصل تعمیر کے مکمل ہونے کے باوجود بھی کچھ ذیلی کام باقی تھا اور یہ کام جنات کے سپرد تھا جنکی طبیعت میں سرکشی غالب تھی حضرت سلیمانؑ کے خوف سے کام کیا کرتے تھے اس درمیان حضرت سلیمانؑ کی موت کا وقت آ گیا جیسا کہ انبیاء کرام کو ان کی موت سے قبل اطلاع دے دی جاتی ہے حضرت سلیمانؑ کو بھی جب موت کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے سوچا کہ اگر جنات کو معلوم ہو گیا تو کام چھوڑ دیں گے اور تعمیر رہ جائے گی۔ اس کا انتظام حضرت سلیمانؑ نے یہ کیا کہ موت سے کچھ قبل اپنی محراب میں داخل ہو گئے جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں پھر اپنے معمول کے مطابق عبادت میں مشغول ہو گئے اور ایک عصا کے سہارے کھڑے ہو گئے کہ روح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ جما رہے۔ حضرت سلیمانؑ کی روح وقت مقررہ پر قبض کر لی گئی مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ باہر سے ایسے نظر آتے تھے گویا عبادت میں مشغول ہیں جنات ان کو زندہ سمجھ کر کام میں ہمہ تن مشغول رہے یہاں تک سال بھر گزر گیا اور لکڑی کمزور ہو گئی عصا کا سہارا ختم ہوا تو حضرت سلیمانؑ گر پڑے۔ اس وقت جنات کو ان کے موت کی خبر ہوئی اور انہیں افسوس ہوا کہ اگر یہ بات پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو اس مشقت کے کام میں ہرگز نہ پڑتے۔

جنات کو اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی قوتیں عطا کی ہیں کہ وہ دور دراز کی مسافت کو چند لمحات میں طے کر لینے اور بہت سے حوادث واقعات کو جن سے انسان واقف نہیں وقت سے قبل معلوم کر لیتے ہیں اور جب انسانوں کو یہ ان واقعات کی خبر دیتے ہیں تو نادان انسان سمجھتا ہے کہ جنات غیب کی خبریں جانتے ہیں حالانکہ غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ جنات کو بھی یہ خیال ہو گیا تھا کہ وہ غیب کی خبریں جانتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کی موت کے اس عجیب واقعہ نے اس حقیقت کو ظاہر کر دیا کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں کیوں کہ اگر انہیں غیب کا علم ہوتا تو انہیں حضرت سلیمانؑ کی موت کا ایک سال قبل علم ہو جاتا اور یہ سال بھر کی محنت و مشقت جو ان کو

زندہ سمجھ کر برداشت کر رہے تھے چھوڑ بیٹھتے۔

امام بغوی نے علماء تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی عمر شریف 53 سال کی ہوئی اور ان کی سلطنت وحکومت چالیس سال رہی تیرہ سال کی عمر میں سلطنت کا کام سنبھال لیا تھا اور بیت المقدس کی تعمیر اپنی حکومت کے چوتھے سال میں شروع کی تھی۔ آپکی موت کا تذکرہ اسی طرح مذکور ہے۔ (مظہری وقرطبی)

◆

ان آیات واحادیث کی تعداد

جن سے احکام ومسائل نکالے جاتے ہیں

- ◆ وہ آیات جن سے احکام ومسائل نکالے جاتے ہیں ان کی تعداد پانچ سو یا ان کے علاوہ باقی آیات فضائل وغیرہ کی ہیں۔ (حاشیۂ اصول الشاشی ص:5)
- ◆ وہ احادیث جن سے احکام ومسائل نکالے جاتے ہیں ان کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ (حاشیۂ اصول الشاشی ص:5)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدت خلافت کے بارے میں دو اقوال ہیں (1) ساڑھے دس برس (تاریخ اسلام)۔ (2) دس سال چھ ماہ اور پانچ رات یا تیرہ دن (حیاۃ الحیوان ج:1 ص:75)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ایوب

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عیسائیت کی تبلیغ کا مختصر نقشہ...

وزیراعظم برطانیہ نے کہا کہ عیسائیت کی تبلیغ کی صرف ہمارا فرض ہی نہیں ہماری کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ہم عیسائیت کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلائیں گے۔ اس وقت سرکاری سطح پر ساری دنیا میں عیسائیت کے تبلیغ مراکز ہیں۔

انڈونیشیا میں عیسائیوں نے خوبصورت عورتوں کو تبلیغ کرنے کے لئے بھرتی کیا ہوا ہے۔ یہ عورتیں لوگوں کو ورغلا کر عیسائی بناتی ہیں۔

سندھ میں بعض جگہوں پر عیسائی مشینری آنکھوں کے علاج کے کیمپ لگاتی ہے وہاں صرف اسی کا علاج کیا جاتا ہے جو عیسائیت کا کلمہ پڑھے۔

افریقہ کے ایک دور دراز علاقے میں جماعت پہنچی تو بچے تحفے لے کر مسجد میں آنے لگے اور بڑے خوش خوش نظر آتے تھے۔ جماعت کے ساتھیوں نے پوچھا ان تحفوں کی اور اس خوشی کی کیا وجہ ہے۔ کہنے لگے یہاں پر عیسائیوں کی جماعتیں آتی ہیں اور عیسائیت کی تبلیغ کرتی ہیں۔ آپ لوگوں کے آنے سے ہمیں اس لئے خوشی ہوئی ہے کہ آپ لوگ ہمارے دین کی محنت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اب ہم ان سے کہہ سکیں گے ہمارے دین کے تبلیغ کے بھی لوگ دردر پھرتے ہیں۔

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص: ۲۳۸/۲۳۹﴾

◆◆◆

(۲۱) حضرت ایوب علیہ السلام

سوال: حضرت ایوبؑ کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: حضرت ایوبؑ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

ایوبؑ بن اموص بن رازح بن عیص بن اسحاقؑ۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت لوطؑ کی صاحبزادی ہیں۔ (روح المعانی پ:17 سورۃ الانبیاء ص:79۔ چونکہ آپ کے نسب میں بہت اختلاف روایت ہے اس لئے جو روایت محققین کی نظر میں راجح تھی فقط اسی کو ذکر کیا گیا ہے۔)

اس سلسلہ نسب سے معلوم ہوا کہ حضرت ایوبؑ مشہور نبی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور خاندان حضرت ابراہیمؑ کے روشن ستارے ہیں۔

چونکہ آپ کی والدہ ماجدہ نبی برحق حضرت لوطؑ کی صاحبزادی ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ حضرت ایوبؑ نجیب الطرفین ہیں اور حضرت ابراہیمؑ سے نہایت ہی قریبی نسبی تعلق رکھتے ہیں۔

سوال: حضرت ایوبؑ کا حلیہ شریف کیا تھا؟

جواب: آپ کی آنکھیں بڑی خوبصورت۔ سینہ کشادہ۔ موئے مبارک گھونگھریالے۔ بازو بہت قوی۔ پنڈلیاں بھاری بھرکم۔ اس حسن صورت کے ساتھ نہایت درجہ خلیق اور حسن سیرت کے مالک، بہت محاسن اخلاق کے حامل تھے۔ (روح المعانی۔ سورۃ الانبیاء)

سوال: حضرت ایوبؑ کی زندگی کے حالات بیان کریں؟

جواب: حضرت ایوبؑ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح دین حق کی بے شمار نعمتیں عنایت فرمائی تھیں اسی طرح بے شمار دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا جس کا اجمالی حال روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ نبی حضرت ایوبؑ علاقہ حوران کے جو ملک شام میں واقع ہے بہت بڑے دولت مند بھی تھے۔ آپ کی دنیوی دولت کی کثرت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ بہت بڑی زمینداری کے مالک تھے۔ اس زمینداری کا ایک علاقہ پہاڑی تھا

اور ایک علاقہ ترائی کا تھا۔ آپ کی اس زمینداری کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ آپ کی مملوکہ زمین میں پانچ سو ہل چلتے تھے۔ ہر ہل چلانے پر ایک کاشتکار غلام مقرر تھا اور ہر غلام کے پاس سامان زندگی فراغت کے اور راحت کے موجود تھے اور ہر غلام کے متعلقین اہل وعیال بھی تھے۔ ان سب کی پرورش دولت ایوبی سے ہوتی تھی۔ زمینداری کے علاوہ آپ کے پاس بے شمار عمدہ گھوڑے، اونٹ، گائے، بھینس، بکریاں وغیرہ ہر قسم کے کارآمد چوپائے اور ان کے نگہبان خدام بھی موجود تھے۔ رہائش کے لئے اعلیٰ درجہ کے شاندار قلعے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے۔ مختصر یہ کہ دنیوی راحت کے اس دور کے لحاظ سے ہر قسم کے سامان راحت اور ہر طرح کی دولت اور بے شمار نعمتیں حضرت ایوبؑ کو عنایت فرمائی تھیں۔

لیکن ان دنیوی حشم وخدم اور شوکت وجلال کے باوجود حضرت ایوبؑ کے حسنِ اخلاق خداداد کا یہ حال تھا کہ بے سہارا اور بے کس یتیموں کے آپ بہت بڑے ہمدرد اور رفیق، لاوارث اور ناداروں کے سچے غمگسار، بھوکوں کو کھلانے کے انتہائی شائق اور حاجت مندوں کے لئے سایۂ رحمت تھے۔ مہمان نوازی کی خصلت تو آپ کو آبائی وراثت میں ملی تھی۔ اس لئے آپ سنت خلیلی کی زندہ جاوید مثال تھے۔ مسافروں کی خاطر مدارات مہمان نوازی اور ان کی ہر طرح کی خبر گیری وامداد آپ کا مقصد حیات معلوم ہوتا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے آپ کے حسن اخلاق کے سلسلہ میں نقل فرمایا ہے کہ اگر آپ کو اندھیری رات میں بھی کسی شخص کے بھوکے رہنے کی خبر مل جاتی تو اس کو کھانا کھلائے بغیر ہرگز آرام نہ فرماتے۔ اسی طرح اگر کسی نادار شخص کو دیکھتے کہ وہ کپڑوں کی نعمت سے محروم ہے تو اس کی امداد کے لئے بے چین ہو جاتے۔ اگر اور کوئی کپڑا اس وقت موجود نہ ہوتا تو اپنا ہی کرتہ اتار کر اس کو عنایت فرماتے۔ اس کے ساتھ خشیتِ الٰہی جو کہ شعار انبیاء ومرسلین اور وظیفہ علماء ربانیین ہے۔ اس میں آپ کا بہت اعلیٰ مقام تھا۔ چنانچہ اگر کبھی دو شخص کسی معاملہ میں باہم جھگڑتے اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اپنے آپ کو مدعی کے حق سے سبکدوش کرے۔ اور وہ حضرت ایوبؑ کو حَکَم بنا کر قسم کھانا

چاہتا تو حضرت ایوبؑ اس بات کو گوارہ نہ فرماتے اور اپنے پاس سے مدعیٰ علیہ پر جو مال یا حق واجب ہوتا فوراً ادا فرما دیتے اور اس قضیہ کا خاتمہ کرا دیتے اور ارشاد فرماتے کہ مجھ کو یہ بات نہایت ناپسند ہے کہ حق تعالیٰ کا نام لے کر کوئی شخص ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ حضرت ایوبؑ جس طرح محاسن اخلاق میں کمال درجہ بلند مقام رکھتے تھے اسی طرح پروردگار عالم کی عبادت میں بھی بے مثال تھے۔ چنانچہ روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ایوبؑ اس درجہ عبادت گزار تھے کہ اس زمانہ میں کسی عابد کو یہ درجۂ عبادت حاصل نہ تھا اس دور میں اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے حضرت ایوبؑ کا بہت مدح و تحسین کے ساتھ تذکرہ فرماتے رہتے۔ ابلیس مردود جب آسمانوں کی جانب پرواز کرتا اور فرشتوں کی مقدس جماعت سے حضرت ایوبؑ کی مدح و ستائش کے تذکرے سنتا تو حسد کی آگ میں جل کر کباب ہو جاتا اور بہت افسوس اور حسرت سے کہتا کہ ہائے خدا کے بندے ایوبؑ نے کتنا بلند مقام حاصل کرلیا اور میرا ان پر کوئی بھی قابو نہ چل سکا، اور جس طرح میں اہل دولت کو مختلف حیلوں اور تدبیروں سے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا کرتا ہوں اور دنیا کے گورکھ دھندے میں اس قدر پھنسائے رکھتا ہوں کہ ان کا ذہن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا مگر افسوس کہ خدا کے بندے ایوبؑ پر میرا کوئی داؤ بھی کامیاب نہیں ہوتا اور وہ میرے کسی مکر و فریب کے جال میں نہیں پھنستے۔ میری ساری تدبیریں ناکام رہتی ہیں۔

حضرت ایوبؑ ابتدائے سن بلوغ ہی سے عبادت گزار اور شکر گزار تھے اور زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کے لئے وقف تھا۔ جوانی کی زندگی کے دور میں آپ کے لئے ازدواجی زندگی کا مرحلہ بھی سامنے آیا۔ اس سلسلہ میں آپ کے لئے رحمت مجسم حضرت رحمت کا انتخاب کیا گیا۔ یہ پاک باز بیوی حضرت افراثیم کی صاحبزادی ہیں اور افراثیم حضرت یوسفؑ کے بلاواسطہ صاحبزادے ہیں۔ اور بعض حضرات علماء نے یہ بھی نقل فرمایا کہ حضرت رحمتؓ بلاواسطہ ہی حضرت یوسفؑ کی صاحبزادی ہیں۔ بہر حال ازدواجی زندگی کے لئے خاندان نبوت کا ایک گوہر

شب چراغ منتخب کیا گیا۔ جس نے اپنے سلف صالح کے نقش قدم پر چل کر مقدس خاوند کی وہ مخلصانہ خدمات انجام دیں کہ جن کا تذکرہ قیامت تک صفحۂ ہستی پر یادگار رہے گا۔ خاوند کی تابعداری اور کمال وفاداری کے ایسے ایسے واقعات ان سے منقول ہیں جو تمام دنیا کی صنف نازک کے لئے درس عبرت ہیں۔ اس ازدواجی زندگی میں بھی حضرت ایوبؑ پوری طرح تابع فرمان پروردگار رہے اور ہمیشہ ذکر الٰہی کو وظیفۂ حیات بنائے رکھا۔ حضرت بیوی رحمتؓ سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے سات (7) صاحبزادے اور سات (7) صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔ آپ کی ساری اولاد نہایت بابرکت اور سعادت مند ہوئی۔ (تفسیر معالم التنزیل بغوی ج:5 ص:519 وتفسیر مظہری ج: 6 ص:222۔ تفسیر روح المعانی پ:17 سورۃ الانبیاء)

سوال: حضرت ایوبؑ کی امت کون لوگ تھے؟

جواب : ہم نے نسب نامہ میں حضرت ایوبؑ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ کا سلسلۂ نسب عیص بن اسحاق علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت عیص کو عیسو بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حضرت یعقوبؑ کے بھائی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند اکبر ہیں۔ حضرت عیص کا لقب ادوم ہے جس کے معنی ''سرخ'' ہیں مشہور ہو گئے تھے۔ لہٰذا جو نسل اور خاندان حضرت عیص سے چلا ......وہ بھی ادوم کہلانے لگے۔ حضرت ایوبؑ اس خاندان کے نبی اور ایک خاص علاقہ کے جس کا دارالحکومت بصریٰ تھا بادشاہ تھے۔ جیسا کہ سفر ایوبؑ سے معلوم ہوتا ہے۔

اس قبیلہ کی مذہبی حالت کو قرآن کریم نے بیان نہیں فرمایا لیکن اس قبیلہ میں حضرت ایوبؑ کا نبی اور ہادی ہو کر تشریف لانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قبیلہ بہت محتاج تبلیغ تھا۔ حضرت ایوبؑ کے متعلق روایات کا ایک مجموعہ جو تورات کا ایک جزء ہے جس کو سفر ایوبؑ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ قبیلہ بنی ادوم میں نبی ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے اس قبیلہ کا مذہبی حال بہت ابتر تھا۔ توحید کی راہ سے بھٹک گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی عبادت کو چھوڑ کر ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ قبیلہ خصوصیت سے سورج اور چاند کی پوجا

کیا کرتا تھا۔ ان کی عبادت کا طریقہ بھی عجیب ہی نقل کیا ہے کہ یہ لوگ سورج، چاند کی طرف نظر عقیدت سے دیکھا کرتے اور غایت عقیدت سے اپنے ہاتھوں کو چاند سورج کی طرف بلند کر کے چومتے رہتے۔ جس سے بظاہر اس بات کا اظہار کرتے کہ چاند، سورج ہمارے اس درجہ محبوب آقا اور قابل پرستش ہیں کہ اگر ان تک ہماری رسائی ممکن ہوتی تو ہم ان کو نظر عقیدت پیش کرتے ہوئے ضرور چومتے۔ اسی قبیلہ ادوم کو حضرت ایوبؑ نے راہ ہدایت دکھائی اور برابر توحید کی دعوت دیتے رہے اور دین حق کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ آپ کی دعوت حق اور تبلیغ دین سے تین حضرات بہت ہی متاثر ہوئے اور آپ کی پیروی کی برکت سے آپ کے بڑے درجے کہ صحابی بن گئے۔ جن کے اسمائے متبرکہ یہ ہیں۔

- ■ حضرت ایقنؓ۔ آپ یمن کے باشندے تھے۔
- ■ حضرت یلدد رضی اللہ عنہ۔
- ■ حضرت ظافر رضی اللہ عنہ۔

یہ دونوں حضرات آپ کے ہم وطن تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت ایوبؑ دین اور دنیا کی بے شمار نعمتوں سے مالا مال تھے اور اسی (80) برس انہی نعمتوں سے سرفراز رہے اور پروردگار کے شکر گزار رہے۔

سوال: حضرت ایوبؑ کے عظیم الشان امتحان کی حکمت کیا تھی؟

جواب: یہ عالم فانی حقیقت میں امتحان گاہ ہے۔ ہر فرد جن و بشر امتحانی دور سے ہر آن گزرتا رہتا ہے۔ امتحان کبھی مصائب اور سخت مشکلات سے لیا جاتا ہے اور کبھی دنیوی نعمتوں، راحتوں اور لذتوں سے ہمکنار بنا کر کیا جاتا ہے۔ پہلے امتحان کی شاندار کامیابی صبر جمیل اور رضا بالقضاء الٰہی پر موقوف ہے اور دوسری صورت میں شاندار انعام کا مستحق وہ بندہ ہوتا ہے جو ہر نعمت پروردگار کی سچے دل سے قدر کرتا ہے اور شکر نعمت بجالانے میں کوئی کوتاہی اور غفلت نہ برتے۔ اگرچہ بندہ کتنا ہی شکر ادا کرے پھر بھی وہ وظیفۂ شکر سے پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے۔
اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَالشُّکْرُ عَلٰی اَنْعُمِکَ لَا نُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (اے اللہ تمام حمد اور شکر آپ ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے ان نعمتوں پر جو آپ نے عنایت فرمائی ہیں۔ ہم سب آپ کی حمد کرنے سے عاجز ہیں۔ حقیقت میں حمد تو آپ کی وہی ہے جو خود آپ ہی نے فرمائی ہے)

حضرات انبیاء علیہم السلام اولاد آدم علیہ السلام کے مسلم سردار ہیں اور روز روشن کی طرح ان حضرات کی پختگی دین مسلم ہے لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ان حضرات کے کمالات روحانی آشکارا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان پر امتحان میں مختلف قسم کی سختیاں کی جاتی ہیں۔ طرح طرح کی مشکلات میں ان حضرات کو مبتلا کیا جاتا ہے۔

اس امتحان کی شدت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔
(تفسیر ابن کثیر ج:5 ص:510 پ:17 سورۃ الانبیاء)
اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔
(سب سے زیادہ سخت امتحان مصائب میں پیغمبروں کا ہوتا ہے ان کے بعد نیک بندوں کا امتحان ہوتا ہے پھر جیسا مرتبہ ویسا ہی امتحان)

اس ارشاد نبوی کی تصدیق تاریخ عالم کے صفحات پر روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا سخت امتحان ہوتا رہا۔ ہر نبی معصوم کی زندگی کا دور سخت مشکلات میں گزرتا رہا اور ہر مقدس نبی کو اپنے زمانہ میں مختلف قسم کی سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا سخت ترین امتحانات میں شاندار کامیابیاں ان حضرات کو حاصل ہوئیں جن میں سے متعدد حضرات انبیاء علیہم السلام کی عظیم الشان کامیابی کے تذکرے قرآن کریم میں بھی مذکور ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ گروہ انبیاء علیہم السلام شدائد و مشکلات میں ہمیشہ مبتلا رہ کر اللہ تعالیٰ کی تابعداری اور احکام کی اطاعت کو انتہائی خلوص سے ادا فرماتے رہے اور اولاد آدم کو اپنی علو ہمتی اولوالعزمی اور مجاہدانہ

زندگی سے یہ درس عمل دیتے رہے کہ اس سرائے فانی میں مشکلات کا مقابلہ ایسے کیا جاتا ہے اور ہر سختی کے دور میں استقامت کے ساتھ مولیٰ حقیقی کی اس طرح تابعداری کی جاتی ہے۔ ان حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ایوبؑ کے عظیم الشان امتحان کا واقعہ بھی اسی حکمت پر مبنی ہے جس کی تفصیل بیان کی گئی۔

چونکہ اس امتحان کی نوعیت ایک خاص شان رکھتی ہے لہٰذا اس مشکلات کے دور میں مسلمانوں کے لئے ان کا تذکرہ بہت ہی باعث تسلی اور درس عبرت ہے۔

سوال : حضرت ایوبؑ کے عظیم الشان امتحان کے واقعہ کی تفصیل کیا ہے؟

جواب : اس سلسلہ میں ہم جب قرآن کریم کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو فقط دو سورتوں میں ان کے دعائیہ کلمات ملتے ہیں، جن کے مطالعہ سے اشارۃً ان کا عظیم الشان ابتلاء اور امتحان میں مبتلا ہونا ثابت ہوتا ہے اول سورۃ الانبیاء میں یہ آیت کریمہ ہے۔

وَاَیُّوْبَ اِذْنَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (پ:17 سورۃ الانبیاء)

(اور ایوبؑ کا تذکرہ کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔)

دوم سورۂ ص میں یہ آیت متبرکہ ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَیُّوْبَ اِذْنَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ (پ:23 سورۂ ص)

(اور آپ ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج و آزار پہنچایا ہے۔)

ان دونوں آیتوں سے آپ کی سخت بیماری اور سخت امتحان کا اجمالی حال معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس واقعہ کی تفصیل احادیث نبویہ میں تلاش کی جاتی ہے تو صحیح روایات سے اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ صرف ایک روایت حضرت انسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں۔ جس کا ایک جزء یہ ہے کہ ”حضرت ایوبؑ کا امتحان اٹھارہ (18) برس رہا۔ اس عرصہ میں سب نے

تعلق چھوڑ دیا صرف ان کے دو بھائی جن کو بہت ہی تعلق تھا وہ مزاج پرسی کے لئے صبح وشام آیا کرتے تھے"۔ لیکن تورات کی روایات جن کو اسرائیلی روایات بھی کہا جاتا ہے اس میں مستقل ایک صحیفہ ہے۔ جس کو سفر ایوب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس صحیفہ میں حضرت ایوبؑ کے امتحان کے واقعات بہت ہی تفصیل وشرح کے ساتھ مذکور ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ روایات صحیح ہیں یا نہیں تو اجمالی فیصلہ سلف صالحین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں یہ ہے کہ نہ وہ روایات قرآن کریم یا احادیث صحیحہ کی طرح بالکل یقینی اور قابل قبول ہیں اور نہ ہم ان روایات کو بالکل غلط اور مردود قرار دے سکتے ہیں۔ جب تک کہ ان کا تعارض قرآن کریم یا احادیث مستندہ سے نہ ہو اس لئے ہم ان روایات کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جن کو سلف صالحین نے شرح وبسط کے ساتھ تذکرہ حضرت ایوبؑ سے متعلق آیات قرآنی کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے چند اکابر سلف کے اسماء متبرکہ یہ ہیں۔

- محدث جلیل القدر حافظ ابن جریرؒ۔
- محدث فقیہ حافظ ابن کثیرؒ۔ انہوں نے تفسیر ابن کثیر میں بیان فرمایا ہے۔
- علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا۔
- تفسیر کبیر میں امام رازی نے نقل فرمایا۔
- حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں ذکر فرمایا ہے۔ آخر الذکر شیخ محققؒ نے سب سے زیادہ مفصل واقعہ یکجا نقل فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کو احقر نے خاص طور پر ملحوظ رکھ کر تحریر کیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس واقعہ کو چشم عبرت سے مطالعہ کریں گے اور اس واقعہ کے ہر ہر جزء پر غور فرما کر عبرت حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسوۂ ایوبی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ابلیس لعین کو بلند آسمانوں تک طاقت پرواز حاصل تھی اور وہ ملأ اعلیٰ سے

قریب ہو کر حضرات ملائکہ علیہم السلام کی باہمی گفتگو تک سنا کرتا اور بنی آدم میں سے جو بندے مقبول بارگاہ ہو جاتے ان کے اسماء اور حالات سے باخبر ہو کر حسد کی آگ میں جلتا۔ ایک دفعہ حسب معمول جب وہ آسمانوں کی بلندی کو طے کر کے حضرات ملائکہ علیہم السلام کی گفتگو سن رہا تھا تو اس میں حضرت ایوبؑ کا ذکر جمیل سنا کہ تمام فرشتے حضرت ایوبؑ کے محاسن اور کمالات روحانی کی داد دے رہے ہیں اور ان کی تعریف میں متفق ہیں۔ اور سنا کہ سب مل کر دعائے خیر حضرت ایوبؑ کے بارے میں فرما رہے ہیں۔ اس واقعہ سے ابلیس لعین حسد کی آگ میں جل کر کباب ہو گیا۔ شقاوت ازلی اس پر مسلط ہوئی اور اپنی قدیم مکاری اور ازلی دشمنی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگا۔ الٰہی میں نے بھی آپ کے بندے ایوبؑ کو خوب آزما لیا ہے ان کی تمام عبادتیں اور شکر گزاری اور تابعداری کی بنیاد یہ ہے کہ آپ نے ان کو ہر قسم کی بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں، وہ آپ کی دولتوں سے مالا مال اور ہر قسم کی راحتوں سے ہمکنار ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کے لالچ میں آپ کو یاد کرتا ہے اور شکر گزار ہے۔ اس کی بندگی کا کمال تو جب ظاہر ہو کہ آپ اس کی ساری نعمتیں، دولتیں، راحتیں چھین لیں اور ہر قسم کی مشکلات میں مبتلا کر دیں۔ مجھ کو پورا یقین ہے کہ جب آپ اس کی ساری نعمتیں چھین لیں گے تو فوراً ہی نافرمان بن جائے گا اور آپ کی طرح طرح کی شکایات کرنے لگے گا اور آپ کی عبادت چھوڑ بیٹھے گا۔ ابلیسی شرارت کا پورا حال اللہ تعالیٰ کو روشن تھا اور حضرت ایوبؑ کے کمال بندگی اور خلوص کا پورا حال معلوم تھا۔ اس لئے چاہا کہ ابلیس کی رسوائی اور ذلت اہل عالم پر ظاہر ہو جائے اور حضرت ایوبؑ کی کمال بندگی اور پر خلوص عبادت کا راز عالم میں روز روشن کی طرح آشکارا ہو جائے۔ ارشاد فرمایا، اے ابلیس جا اب ہم تجھ کو ایوبؑ کی دولت اور مال پر تصرف کرنے کی طاقت دیتے ہیں۔ جس طرح چاہے اس کو برباد کر کے ایوب کی کمال بندگی کا مشاہدہ کر لے۔

یہ فرمانِ پروردگار عالم سنتے ہی ابلیس مسرت سے پھولا نہ سمایا اور فوراً ہی واپس آ کر اپنی باغی نسل کے سرکش شیطان اور بہت طاقتور جنات کو جمع کر کے حسب ذیل خطاب کیا۔ ساتھیو

، مددگارو، آج تم کو ایک زبردست کام کے لئے بلایا گیا ہے، آج تم کو اپنی طاقت اور قوت کا پورا پورا مظاہرہ کرنا ہے۔ آج بہت خوشی کا مقام ہے کہ ایوبؑ کے پروردگار نے مجھ کو اس کی دولت برباد کرنے پر مسلط کر دیا ہے دوستو۔ ایسی کوشش جلد کرو کہ ایوبؑ کی دولت کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ ابلیس کے اس جوشیلے خطاب کے جواب میں سب سے سرکش، طاقتور، قوی ہیکل شیطان نے کہا۔ حضور مجھ کو ایسی زبردست طاقت حاصل ہے کہ آگ بگولہ بن جاتا ہوں اور ذرا سی دیر میں ہر چیز کو جلا کر خاک کر سکتا ہوں۔ حضور اگر حکم دیں تو میں یہ خدمت انجام دوں۔ اس شیطان کی اس تقریر کو ابلیس نے بہت پسند کیا اور حکم دیا کہ جاؤ پہلے ایوبؑ کے جس قدر اونٹ ہیں ان کو جلا کر خاک کر ڈالو۔ یہ شقی ازلی حکم پاتے ہی اس علاقہ میں جا پہنچا جہاں سیکڑوں اونٹ حضرت ایوبؑ کے موجود تھے۔ اور اس شقی نے سب اونٹوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس کے بعد ابلیس نے سوچا کہ حضرت ایوبؑ کے پاس جا کر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اس لئے ایوبؑ کے اونٹوں کے چرواہے کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ مقبول بندے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مصروف ہیں اور نہایت عاجزی کے ساتھ نماز ادا فرما رہے ہیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے نہایت آہ وبکا کے ساتھ ابلیس نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا، اے ایوب آہ آج عجیب واقعہ پیش آیا، آسمان سے خوفناک آگ نمودار ہوئی اور آپ کے تمام اونٹوں اور چرواہوں کو گھیر لیا، بالآخر سب کو جلا کر خاک کر دیا صرف میں بچ کر آپ کو اطلاع کرنے آیا ہوں۔ ابلیس نے اپنی پوری مکاری کو کام میں لاکر یہ امید کر رکھی تھی کہ اس کے بعد حضرت ایوبؑ اس واقعہ سے متاثر ہو کر بے اختیار ہو جائیں گے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے لگیں گے اور میری مکاری کامیابی کا ذریعہ بن جائے گی مگر حضرت ایوبؑ کی کمال بندگی ملاحظہ کیجئے کہ اس سارے واقعہ کو سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد فرمائی۔

ابلیس مردود یہ سن کر اپنی ناکامی کے صدمے سے بے تاب ہو گیا مگر پھر بھی شرارت سے باز نہ آیا اور کہنے لگا، اے ایوب تیرے پروردگار ہی نے آسمان سے آگ بھیج کر ان سب کو برباد کیا

ہے اور آہ! اس نے ہی سب کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔ بڑا صدمہ تو مجھ کو اس بات کا ہے کہ تمام آدمی تمہاری اس بربادی پر عجب چہ می گوئیاں کر رہے ہیں۔ کوئی شخص تو یہ کہتا ہے کہ بس معلوم ہو گیا کہ ایوبؑ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں وہ ریاکار ہے اور وہ محض دھوکہ میں مبتلا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کا مقبول بندہ ہوں۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اجی معلوم ہوتا ہے، ایوبؑ کا خدا اور پروردگار بہت کمزور ہے۔ اگر طاقت ہوتی اور اس کو قدرت ہوتی تو ضرور وہ ان سب کو بربادی سے بچا لیتا۔ اور کوئی شخص یہ کہتا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایوب کے پروردگار نے یہ مصیبت اس لئے بھیجی ہے تاکہ ایوب کے دشمن خوش ہو جائیں اور ایوبؑ اور اس کے تمام دوست رنجیدہ اور خوار ہو جائیں اس درد بھری تقریر کرنے کے بعد ابلیس منتظر رہا کہ اب تو حضرت ایوبؑ پر میرا داؤ کامیاب ہو جائے گا اور وہ اس سے متاثر ہو کر ناشکری اور بے صبری کا اظہار کرنے لگیں گے۔ مگر ابلیس کو اپنے منصوبہ میں سخت ناکامی اور ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا۔ جب کہ ایوبؑ نے دوبارہ اپنے پروردگار کی حمد عجب شان کے ساتھ فرمائی۔

اس ارشاد کے بعد ناخوش ہو کر فرمایا، اے خدا کے بندے اگر اللہ تعالیٰ تجھ میں کوئی خیر پاتے تو مرنے والوں کے ساتھ تجھ کو بھی وفات دیتے۔ اور اس موت سے تجھ کو درجۂ شہادت نصیب ہوتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ میں کوئی کھوٹ ہے اس لئے تجھ کو آگ سے بچا دیا۔ ابلیس یہ گفتگو سن کر بہت شرمندہ ہوا اور اپنی ناکامی پر آنسو بہاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ کر کہنے لگا۔ ساتھیو! افسوس کہ ہماری ساری محنت بے کار ہو گئی۔ اس لئے کہ ایوب کے دل پر ان عظیم الشان نقصانات کا کوئی اثر نہیں ہوا اور ان کا دل ابھی تک زخمی نہیں ہے ساتھیو! ہمت نہ ہارو، دوبارہ ایسی کوشش کرو کہ ایوبؑ کا دل صدموں سے زخمی ہو جائے اس تقریر کو سنتے ہی ایک شریر طاقتور جن نے کہا کہ حضور میں ایسا طاقتور ہوں کہ ایک چیخ سے جانداروں کی روح نکال سکتا ہوں۔ ابلیس خوش ہو گیا، کہنے لگا جاؤ اور ایوبؑ کی بکریوں اور ان کے چرواہوں کو ہلاک کر دو۔ یہ حکم سنتے ہی وہ شقی اس جگہ پہنچ گیا جہاں تمام بکریاں اور چرواہے حضرت ایوبؑ کے موجود تھے اور

ایسی زبردست چیخ ماری کہ یکا یک تمام بکریاں اور چرواہے ہلاک ہو گئے۔ جب ابلیس کو اس بربادی کی اطلاع ہوئی تو پھر چرواہے کی صورت میں حضرت ایوبؑ کے پاس آیا۔ دیکھا کہ خدا کے مقبول بندے اب تک بدستور یاد الٰہی میں مشغول ہیں اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ بالآخر فراغت کے بعد ابلیس نے نہایت غمگین لہجہ میں سارا واقعہ سنایا اور اس فکر میں لگا رہا کہ اس مرتبہ ایوبؑ کوئی کلمہ ناشکری کہہ دیں اور بے صبری میں مبتلا ہو جائیں۔ مگر اس مرتبہ بھی ابلیس کو پہلے سے زیادہ ناکامی ہوئی کیونکہ حضرت ایوبؑ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا فرمانے لگے۔ ابلیس نہایت ذلیل اور ناکام ساتھیوں کے پاس آ کر کہنے لگا۔ ساتھیو! دوبارہ پوری کوشش کرو کیونکہ ابھی تک ہماری محنت ناکام ہے آہ! ابھی تک ہمارے مسلسل حملوں سے ایوبؑ کا دل زخمی نہیں ہوا ہے۔ اور بدستور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہے۔ یہ سنتے ہی ایک نوجوان سرکش شقی شیطان نے کہا۔ حضور مجھ کو یہ طاقت ہے کہ ذرا سی دیر میں سخت ہوا کا طوفان بن جاتا ہوں اور جتنی چیزیں سامنے آئیں سب کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ ابلیس یہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا جاؤ۔ اور اپنی قوت سے ایوبؑ کی تمام کھیتی اور پیداوار کو اور اس کے تمام کاشتکاروں کو ہلاک کر دو۔ یہ حکم پاتے ہی وہ قوی ہیکل شیطان حضرت ایوبؑ کے تمام کھیتوں پر جو سیکڑوں میلوں میں سرسبز و شاداب تھے ہوا کا سخت طوفان بن کر سامنے آیا اور تمام کھیتوں کو برباد کر دیا۔ اور اس پر جس قدر مزدور کام کرتے تھے وہ بھی ہلاک ہو گئے۔ اب وہ شاداب علاقہ ایک ویران میدان نظر آ رہا تھا۔ جب ابلیس کو اس بربادی کی اطلاع ملی تو فوراً ہی خوش خوش ایک کاشتکار کی شکل و صورت میں حضرت ایوبؑ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ اب تک بدستور یاد حق میں مصروف ہیں۔ اور خشوع قلبی کے ساتھ نماز ادا فرما رہے ہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اس مرتبہ ابلیس نے نہایت دردناک لہجہ میں کھیتوں اور غلاموں کی ہلاکت و بربادی کا پورا واقعہ سنایا اور اس کوشش میں لگا رہا کہ ایوبؑ کا دل ان نقصانات سے رنجیدہ ہو جائے اور بے صبری میں مبتلا ہو جائیں۔ لیکن حضرت ایوبؑ اللہ تعالیٰ کے نبی برحق اور خاص قرب الٰہی سے مشرف تھے

ان پر ان نقصانات سے کوئی گریہ وبکا طاری نہ ہوا اور کوئی بے صبری اور بے قراری کا ظہور نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا جس طرح پہلے نقصانات پر کی تھی اس مرتبہ بھی ادا فرمائی اور شکر گزاری کا وظیفہ ترک نہ فرمایا۔

آج کے دور میں ان واقعات پر دنیا کے دلدادہ انسان تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور حیرت سے کہتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک انسان اتنے مسلسل شدید نقصانات پر کس طرح صبر کر سکتا ہے۔ لیکن جن بندگان حق کو اللہ تعالیٰ سے قرب کا تعلق حاصل ہے ان کی نظر میں یہ واقعات کوئی تعجب کی چیز نہیں ہیں اور ان کو ایوبؑ کے کمالِ صبر کا پورا پورا یقین ہے۔ ابلیس کا دل جل کر کباب ہو گیا جب کہ اس مرتبہ اس نے حضرت ایوبؑ سے باوجود شدید اور عظیم نقصانات کے اللہ تعالیٰ کی حمد سنی اور دیکھا کہ ابھی تک وہ شکر گزار ہیں۔ اس کو شقاوت اور حسد نے اس پر آمادہ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے طاقت حاصل ہونے کیلئے عرض کرے کہ حضرت ایوبؑ کی تمام اولاد کو برباد کر سکے چنانچہ یہ شیطانی منصوبہ قائم کر کے اس نے آسمان کی جانب پرواز کی اور جہاں تک رسائی ممکن تھی پہنچا اور جنابِ باری عزاسمہ سے عرض کرنے لگا۔ الٰہی ایوبؑ نے جو مال ودولت کی بربادی پر صبر کر لیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو یقین حاصل ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اس کو مال ودولت عطا فرما دیں گے۔ دوسری یہ بات ہے کہ اس کی ساری اولاد تندرست اور زندہ ہے۔ امتحان کی بات تو یہ ہے کہ آپ مجھ کو اس کی اولاد کو ہلاک کرنے پر مسلط فرما دیں اور ان کو برباد کرنے کی طاقت دیں تو مجھ کو پورا یقین ہے کہ اس زبردست مصیبت پر ایوبؑ صبر نہ کر سکیں گے۔ اسلئے یہ ایسا سانحہ ہے کہ بڑے سے بڑا بہادر مستقل مزاج انسان بھی ایسے مواقع پر بے قرار ہو جاتا ہے اور بے صبری کرنے لگتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ایوبؑ کی اولو العزمی اور پختگی کا پورا پورا حال معلوم تھا اس لئے عبد محبوب حضرت ایوبؑ کے کمالات صبر کا مظاہرہ کرنے کیلئے اور ابلیس لعین کو مزید ذلیل ورسوا کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: اے ابلیس جا ہم نے تجھ کو ایوب کی اولاد پر مسلط کر دیا۔ ابلیس یہ فرمان سن کر بہت خوش ہوا کہ اب تو کامیابی

یقینی ہے۔ فوراً زمین پر آیا اور اپنی پوری طاقت کو کام میں لایا حضرت ایوبؑ کے محل میں پہنچا۔ اس وقت آپ کی ساری اولاد وہاں موجود تھی۔ ابلیسی طاقت سے حضرت ایوبؑ کے محل میں تصرف شیطانی کا ظہور ہونے لگا اور یکایک اس میں سخت زلزلہ آیا جس کی وجہ سے محل کے مضبوط و مستحکم ستون تک گرنے لگے۔ پھر زلزلہ کے اثر سے محل کی بلند و مضبوط دیواریں گرنا شروع ہو گئیں اور اس کے بعد محل کی اینٹیں اور پتھر اولاد حضرت ایوبؑ پر برسنا شروع ہو گئے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ سب شدید زخمی اور لہولہان ہو گئے۔ ابلیس نے اس شرارت ہی پر بس نہ کیا بلکہ پوری طاقت سے اس عظیم الشان محل کو اٹھا کر بہت زور سے پٹک دیا جس کی وجہ سے ساری اولاد ایوبؑ اوندھے منہ چہرہ کے بل گر گئی اور چند منٹ میں تمام اس صدمے سے وفات پا گئی اور سب نے قضائے الٰہی سے جام شہادت نوش کیا۔ اس سخت نقصان کرنے کے بعد ابلیس کو نئی شرارت سوجھی اور فوراً اولاد ایوبؑ کے معلم کی صورت بنا کر حضرت ایوبؑ کی عبادت گاہ میں ایسی زخمی صورت اور شکل بنا کر پہنچا کہ چہرہ سے بھی خون جاری اور دماغ سے بہت خون بہہ رہا تھا اور اس حالت میں نہایت دردناک انداز میں روتے ہوئے پورا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اگر آپ اپنی اولاد کا حال مرتے وقت دیکھ لیتے تو غم سے آپ کا دل شق ہو جاتا۔ کیونکہ جب ان پر محل گرا تو وہ سب اوندھے منہ چہرہ کے بل گر پڑے ان کے سارے بدن سے خون بہنے لگا، دماغ چور چور ہو گیا، پیٹ شق ہوا جس سے ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ ان واقعات کو ایسے غمگین انداز سے بیان کیا کہ سننے والے کا کلیجہ شق ہو جائے۔ مگر کیا ٹھکانا ہے ایوبؑ کے صبر ہمت کا کہ اس نازک موقع پر بہت تحمل فرمایا آپ کے صبر و تحمل کے سلسلے میں حافظ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ آپ نے سارا واقعہ سن کر کلمات شکر دل سے ارشاد فرمایا۔

ابلیس کو اس موقع پر حمد و شکر کے کلمات سن کر حسد و غم کی آگ میں جلنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ بالآخر رنجیدہ و ناکام واپس آیا۔ لیکن اس کی دشمنی کی آگ بھڑک رہی تھی اس کی شقاوت نے دوبارہ نئی شرارت پر آمادہ کیا اور اس نے پھر آسمانوں کی جانب پرواز کی اور جہاں تک رسائی ممکن

تھی آسمانوں کی بلندی طے کر کے پہنچ گیا اور پروردگار عالم سے عرض کرنے لگا۔ الٰہی میں نے تیرے بندے ایوبؑ کو آزما لیا ہے اس کا صبر مال و دولت اور اولاد کے برباد ہونے پر اس یقین کی وجہ سے ہے کہ آپ دوبارہ یہ سب نعمتیں اس کو عطا کر دیں گے۔ لیکن اگر آپ مجھ کو اس کے بدن پر مسلط کر دیں اور اس کے بدن کو مختلف بیماریوں میں مبتلا کرنے کی طاقت دیں تو مجھ کو یقین کامل ہے کہ پھر ایوبؑ ہرگز صبر نہیں کر سکتے اور یقیناً بے قرار ہو جائیں گے۔ اور آپ کے شکر گزار نہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ایوبؑ کی شجاعت مردانہ اور ہمت عارفانہ کا پورا پورا علم تھا اس لئے ارادہ فرمایا کہ عبد محبوب حضرت ایوبؑ کی ہمت مردانہ اور اولوالعزمی کا اظہار عالم پر ہو اور ابلیس اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت ہو اور اس کی سخت ناکامی و رسوائی ہو اس وجہ سے ارشاد فرمایا اے مردود جا میں نے تجھ کو ایوبؑ کے بدن پر تسلط دے دیا۔ جا اپنی طاقت سے جو چاہے تصرف کر لیکن خبردار ان کی زبان اور دل پر جس سے وہ ہر وقت میری یاد کرتا ہے تجھ کو کوئی قابو نہ ہوگا۔

اللہ اکبر! آج عجب وقت ہے کہ پروردگار عالم اپنے محبوب بندے ایوبؑ کے کمالات صبر کی رونمائی کرا رہے ہیں اور اپنے محبوب کا خاص امتحان لے کر ان کی ہمت مردانہ اور عزم کی بلندی اور کمال بندگی کا جلوہ اہل عالم کو دکھا رہے ہیں۔ دشمن ملعون خوش ہے کہ مجھ کو ستانے کی اجازت مل گئی ہے مگر وہ اس سے بے خبر ہے کہ اس کا انجام دشمن ہی کے حق میں سخت رسوائی اور ذلت ہوگا۔ مختصر یہ کہ ابلیس کو اس سے بے حد مسرت ہوئی کہ اب تو میری کامیابی یقینی ہے۔ جب میں ان پر مسلط ہو کر انتہائی درجہ ستاؤں گا تو وہ بے قرار ہو جائیں گے اور اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو کر طرح طرح کی بے صبری اور ناشکری کے عظیم جرم میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بس اس خوشی میں دوڑتا ہوا حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ غایت تواضع کے ساتھ اپنے پروردگار کو سجدۂ بندگی ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ ظالم نے اتنی مہلت بھی گوارہ نہ کی کہ وہ سجدہ سے فارغ ہو جائیں بلکہ فوراً ہی ان پر چہرہ کی جانب سے حملہ آور ہوا سخت اور دردناک حملہ کرنے لگا۔ اول اس نے آپ کی ناک میں پوری طاقت سے ایسی پھونک ماری جس کی وجہ

سے ابلیسی شرارت سے سخت تکلیف ایوبؑ کے بدن کو پہنچی۔ ابلیس آتشی مخلوق میں سب سے بڑا طاقتور جن ہے۔ اس کی پھونک کی یہ تاثیر ظاہر ہوئی کہ سارا بدن مشتعل ہو گیا اور سر سے پیر تک تمام بدن پر بڑے بڑے آبلے پیدا ہو گئے۔ حضرت ایوبؑ کو اس شدت حرارت کی وجہ سے سخت تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر شدت حرارت سے ان آبلوں میں سخت خارش شروع ہو گئی۔ پھر خارش میں مزید شدت ہو گئی اور خارش کی شدت یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض روایات میں نقل کیا ہے کہ آپ ناخن سے اس درجہ کھجلاتے رہتے کہ انجام کار ناخن ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے مگر خارش کو سکون نہ ہوتا۔ اس کے بعد حضرت ایوبؑ نے موٹے ٹاٹ کے ٹکڑے لے کر سارے بدن کو کھجلانا شروع کیا مگر اس سے بھی سکون نہ ہوتا۔ آخری بات روایات میں یہ مذکور ہے کہ خارش کی شدت اس حد تک پہنچ گئی کہ آپ پتھروں کے ٹکڑے لے کر بدن کو اس طرح رگڑتے رہتے کہ بدن کا گوشت چھل چھل کر جدا ہونے لگتا۔ یاد رکھو! شیطانی تصرفات سے اس قسم کے امراض اور سخت تکلیف میں مبتلا ہونا کوئی مستبعد نہیں اور نصوص کے بالکل معارض نہیں۔ لہٰذا اس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوئی کہ حضرت ایوبؑ کا سخت بیماری میں جنات کے حملہ سے مبتلا ہونا شرعی نقطہ نگاہ سے کوئی امر مستبعد نہیں ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں جو روایت اسرائیلی بیان کی جاتی ہیں ان کا صادق ہونا مظنون ہے۔

البتہ اس سلسلہ میں ایسی اسرائیلی روایات جن میں اس قسم کے واقعات مذکور ہیں جن کو شریعت محمدی نے اصولاً رد کر دیا ہے وہ قابل قبول نہیں ہے۔

سوال: حضرت ایوبؑ نے سخت بیماری میں کیا شاندار کارنامے انجام دیئے؟

جواب: اس سخت امتحانی دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے حضرت ایوبؑ کا صبر و تحمل اور مخلوق کی راحت کا فکر کس درجہ بلند تھا۔ اس سلسلہ میں ہم ناظرین کے سامنے ایک عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں جس کے مطالعہ سے حضرت ایوبؑ کے مکارم اخلاق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن آپ کی جاں نثار بیوی حضرت رحمت حسب معمول مزدوری کرنے بستی

میں گئیں۔ ایک گھر والوں نے ان سے روٹیاں پکوائیں جب سب گھر والے کھانا کھا چکے تو اتفاق سے ایک کمسن بچہ سو رہا تھا گھر والوں نے اس کا جگانا مناسب نہ سمجھا اور یہ خیال کر کے اس کو بھوک بھی نہیں ہے اس کے حصہ کی روٹیاں حضرت رحمت کو بطور ہبہ مزدوری کے علاوہ دیدیں۔ حضرت رحمت وہ کھانا لے کر حضرت ایوبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت ایوبؑ نے مزدوری سے زائد کھانے کے متعلق فرمایا کہ آج تک تو تم کو صرف مزدوری ہی ملا کرتی تھی، آج یہ بخشش کیسی ہے۔ اس پر حضرت رحمت نے پورا واقعہ نقل فرمادیا اس پر حضرت ایوبؑ نے ارشاد فرمایا، ذرا غور تو کرو، جب وہ معصوم بچہ سونے کے بعد بیدار ہوگا اور بھوک کی وجہ سے روٹی مانگے گا اور ماں اس کو نہ دے سکی تو بے چارہ کس قدر زار و قطار روئے گا اور گھر والوں کو پریشان کرے گا اس لئے اس معصوم بچہ کا حصہ ہم کو کھانا مناسب نہیں۔ لہٰذا یہ روٹیاں واپس دے آؤ۔ بیوی رحمت نے اپنے مقدس خاوند کی تابعداری کی۔ اور اب جو اس مکان میں پہنچیں تو دیکھا کہ وہ معصوم بچہ نیند سے جاگ گیا تھا اور واقعی وہ اصرار کے ساتھ گھر والوں سے روٹیاں مانگ رہا تھا اور گھر والے پریشان تھے۔ مختلف حیلوں سے اس کو بہلانا چاہتے تھے مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ یہ واقعہ دیکھ کر حضرت رحمت کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا۔ رَحِمَ اللّٰہُ اَیُّوْبَ۔ (ترجمہ) حق تعالیٰ حضرت ایوبؑ پر رحم فرمائے۔ اس جملہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ جس طرح مخلوق کی راحت کا خیال فرماتے ہیں اور اپنے چھوٹوں پر مہربان ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ جو سب سے بزرگ و بالا ہیں ایوبؑ پر خاص رحمتیں نازل فرمائے۔

اس شدید بیماری میں حضرت ایوبؑ کس درجہ حق تعالیٰ کی رضامندی کی فکر کیا کرتے تھے۔ اس کا تھوڑا سا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے جس کو حافظ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ...... حضرت ایوبؑ کے دو پرانے زمانہ کے دوست تھے جو شہر فلسطین کے رہنے والے تھے۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ کوئی کامیابی مجھ کو حضرت ایوبؑ پر نہیں ہوتی تو ایک نئی تدبیر سوچی اور ان دونوں کے پاس بصورت انسان جا پہنچا اور حضرت ایوبؑ کی ہمدردی ظاہر کر کے

ان کی بیماری کا نقشہ اس انداز سے کھینچا کہ وہ دونوں دوست بیتاب اور بے قرار ہو گئے جب وہ حضرت ایوبؑ کی بیماری کی خبر سے بہت زیادہ رنجیدہ ہو گئے تو کہنے لگا کہ میں تم دونوں کو ایک بہت مفید مشورہ دیتا ہوں کہ تم حضرت ایوبؑ سے ملاقات کرو اور تمہارے یہاں جو شراب تیار ہوتی ہے وہ ہمراہ لے جاؤ۔ مجھ کو یقین ہے کہ یہ شراب ان کی بیماری کو بالکل دور کر دے گی۔ یہ انکی بیماری کے لئے تریاق کی تاثیر رکھتی ہے۔ یہ دونوں دوست ابلیسی شرارت کو نہ سمجھ سکے۔ محبت کے جوش میں شراب لے کر فلسطین سے حضرت ایوبؑ کے وطن علاقہ حوران کو روانہ ہوئے۔

حضرت ایوبؑ کو تلاش کرتے ہوئے اس ویرانہ میں جا پہنچے جہاں خدا کے محبوب نبی آرام فرما تھے۔ سخت بیماری کا نقشہ آنکھوں سے دیکھ کر بے چین ہو گئے اور بے اختیار رونے لگے مگر حضرت ایوبؑ بدستور صبر و تحمل کی دولت سے مالامال رہے۔ نہایت متانت اور سنجیدگی سے فرمانے لگے آپ کون لوگ ہیں، ان دونوں نے روتے ہوئے اپنا تعارف کرایا اور اپنا تعلق بتایا۔ حضرت ایوبؑ نے مسرور ہو کر فرمایا، مرحبا آؤ واقعی تم ایسے سچے دوست ہو کہ تم نے میری مشکل کے وقت مجھ سے بے تعلقی اختیار نہ کی۔ اس کے بعد جب دونوں دوستوں کو قدرے سکون ہوا تو اپنی سمجھ کے مطابق جو بیماری کی وجوہ ذہن میں آئیں ان کو اس طرح بیان کرنے لگے کہ ایوب بھائی ہمارا خیال یہ ہے کہ تمہاری جو عبادت تھی اس کی ظاہری حالت اور باطنی حالت میں بہت تفاوت تھا۔ ظاہر تو آپ کا عمل بہت بلند اور شاندار تھا اور باطن میں شاید ایسا حال نہ تھا۔ تو ہمارا خیال یہ ہے کہ اسی وجہ سے پروردگار عالم نے تم کو اس سخت امتحان میں مبتلا کیا ہے۔ حضرت ایوبؑ نے صدق دل سے اس جرم سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے آسمان کی جانب سر اٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ میرا پروردگار خوب واقف ہے۔ میں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ پوشیدہ تو کچھ کیا ہو اور ظاہر کچھ اور کیا ہو۔ رہا یہ سوال کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو اس امتحان میں کیوں مبتلا فرمایا تو میرا خیال یہ ہے کہ میرا پروردگار یہ امتحان کرنا چاہتا ہے کہ میں اس سخت پریشانی اور بیماری میں ثابت قدم رہتا ہوں یا گھبراہٹ و بے قراری میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ یہ سن کر وہ دونوں دوست خاموش

ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان دوستوں نے کہا کہ ہم تمہارے لئے اپنے وطن کی شراب لائے ہیں اگر تم نے یہ شراب پی لی تو یقین ہے کہ تم کو اس بیماری سے جلد صحت ہو جائے گی۔ یہ سن کر حضرت ایوبؑ کو بہت رنج ہوا اور ان دونوں سے سخت ناراض ہو کر فرمانے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس مردود نے تم کو بہکایا ہے۔ اور اس نے یہ بیہودہ تجویز تم کو سکھلائی ہے۔ اسلئے میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ تم سے گفتگو نہ کروں گا اور نہ تمہاری کوئی چیز کھاؤں گا اور نہ پیوں گا۔ حضرت ایوبؑ کے غصہ کو دیکھ کر وہ دونوں شخص مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

اس واقعہ میں غور کرنے سے حضرت ایوبؑ کے دو عظیم الشان کمال معلوم ہوتے ہیں اول انتہائی مصائب اور شدید امتحان پر صبر کرنا اور ان پر اظہار غم نہ فرمانا۔ دوم شراب پینا، اگرچہ امت محمدی کے شروع زمانہ تک حلال تھا مگر حضرات انبیاء علیہم السلام نے اس وقت بھی شراب پینا گوارا نہ فرمایا اور شراب پینے سے احتیاط برتتے رہے۔ حضرت ایوبؑ کو جب دو دوستوں نے اپنے پاس سے شراب لا کر پیش کی اور بتایا کہ ہمارا یقین ہے کہ یہ شراب تمہاری بیماری کے لئے شفا کا ذریعہ ہے مگر پھر بھی آپ نے شراب پینے کا تصور تک نہ کیا بلکہ ان کی دوستی سے بیزاری کا صاف اعلان کر دیا اور شراب نوشی کی تجویز پیش کرنے والوں سے ہمیشہ کے لئے ترک تعلق فرمایا۔ ان کمالات عظیمہ کی وجہ سے ایوبؑ کا تعلق مع اللہ اور کمال قرب حق تعالیٰ شانہ کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں نِعۡمَ الۡعَبۡدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ (بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔) کے شاندار خطاب سے نوازا گیا اور آنے والی نسل بنی آدم میں آپ کا ذکر جمیل قائم کیا گیا۔

سوال: حضرت ایوبؑ کا امتحان کتنے زمانے تک رہا؟

جواب: حضرت ایوبؑ کا یہ عظیم الشان امتحان کتنے زمانہ تک رہا اس میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی خادم خاص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ کل زمانہ امتحان اٹھارہ سال ہے۔ دوسری روایات یہ ہیں (1) تیرہ برس۔ (2) سات سال

سات ماہ سات دن سات گھنٹے۔ (3) صرف تین سال۔ جب یہ امتحان شروع ہوا اس وقت ایوبؑ کی عمر شریف کیا تھی اس سلسلہ میں دو روایتیں ملتی ہیں اول ستر برس دوم اسی برس۔

اب یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایوبؑ کے امتحان کا خاتمہ کیسے ہوا تو اس سلسلہ میں قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ کے محبوب بندے حضرت ایوبؑ نے جب قلب پاک سے اپنے پروردگار سے دعا فرمائی ہے تو آپ کی دعا کو حق جل شانہ نے قبول فرمالیا اور امتحان کامیابی کے ساتھ ختم ہوگیا چنانچہ سورۃ الانبیاء میں ایوبؑ کی دعا کے یہ کلمات اول بیان فرمائے ہیں۔ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (پ: 17 سورۃ الانبیاء) اور ایوب (علیہ السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے (مرض شدید میں مبتلا ہونے کے بعد) اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے، اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں بس اپنی مہربانی سے میری تکلیف رفع کردیجئے) اس کے بعد دعا کے مقبول ہونے کا اعلان ان کلمات طیبات سے فرمایا گیا ہے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَابِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰہُ اَھْلَہٗ وَمِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا۔ (سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کردیا اور (بلا استدعاء) ہم نے ان کا کنبہ ان کو عطا فرمایا اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی دئے اپنی رحمت خاص سے۔)

یہاں ایک قوی اشکال یہ ہوتا ہے کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کہ آپ کی جاں نثار بیوی نے بکمال نیازمندی عرض کیا کہ صحت کے لئے دعا فرمادیں تو حضرت ایوبؑ نے دعا سے اسلئے انکار فرمایا کہ مجھ کو دعا کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ ابھی تو میری مصیبت کا زمانہ راحت کے زمانہ کے برابر بھی نہیں گزرا پھر آپ نے کس وجہ سے دعا کرنے کا اہتمام فرمایا اور یہ بات تاریخی روایات سے ہم نے پہلے بیان کردی ہے کہ آپ کے امتحان کی آخری مدت اٹھارہ سال منقول ہے لہٰذا ان وجوہ پر غور کرنے سے یہ واقعہ نہایت قابل توجہ ہے۔

اس سلسلہ میں سلف صالحین سے مختلف روایات منقول ہیں ہم عبرت کے پیش نظر ان کو تفصیل

سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سخت بیماری میں آپ کو دعا کرنے کی طرف توجہ نہ ہوئی۔ لیکن جب حق تعالیٰ نے اس سخت امتحان کو ختم کرنا چاہا تو آپ کو دعاء الہام فرمائی گئی اور الہام ربانی کی بنا پر آپ کے لئے دعاء کرنا آسان ہوگیا۔ اور امام ربانی حضرت احمد بن حنبلؒ نے کتاب الزہد میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب ایوبؑ کی بیماری نے بہت شدت اختیار کی تو آپ کی جان نثار بیوی رحمت رات اور دن برابر ان کی خبر گیری کرتی اور علاج کی فکر میں لگی رہتی۔ اتفاق سے ایک دن بی بی رحمت کو ابلیس راستہ میں طبیب کی صورت میں نظر آیا۔ بی بی رحمت نے یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی طبیب اور معالج ہے اپنے پاکباز خاوند کی صحت کے لئے علاج دریافت کیا۔ ابلیس اس بات سے بہت خوش ہوا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا، لو اب تو میرا داؤ چل جائے گا۔ اسلئے فوراً ہی کہنے لگا میں ان کا علاج ضرور کروں گا مگر اس علاج کرنے کی فقط ایک ہی شرط ہے، وہ یہ ہے کہ جب تمہارا خاوند بالکل تندرست ہو جائے تو صرف اتنا اقرار کرلے کہ میں نے شفا دی ہے۔ بس میں تو اتنی بات ہی سے خوش ہو جاؤں گا۔ اس علاج کے بعد مجھ کو کسی خدمت اور اجرت کی بالکل خواہش نہیں ہے۔ بی بی رحمت دل سے خاوند کی صحت کے لئے بہت خواہشمند تھیں تو جب انہوں نے ان کی شفا کا ایک ذریعہ پالیا تو گہری نظر سے ابلیسی شرارت اور اس کے برے مقصد تک ان کا ذہن نہ پہنچا خوش خوش وہاں سے اپنے مقدس خاوند کے پاس پہنچ گئیں اور سارا واقعہ سنایا۔ حضرت ایوبؑ سنتے ہی ابلیسی شرارت سے پوری طرح واقف ہو گئے لہٰذا بہت ناراض اور ناخوش ہوئے اور بیوی کو اس شرارت سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا اے نیک بخت بیوی تم نے اس طبیب کو صحیح طور پر شناخت ہی نہیں کیا۔ یہ کوئی ہمدرد انسان نہ تھا بلکہ ہمارا دشمن مردود ابلیس تھا۔ اس نے یہ شرارت اور فتنہ کا جال بچھایا ہے۔ محبوب حق کو اس بات پر بہت رنج ہوا کہ ابلیس نے اس مشرکانہ کلام کہنے پر بیوی کو راضی کر لیا تھا، اور بی بی رحمت

نے اس دشمن حق کے کلام کو غلطی سے حضرت ایوبؑ سے نقل کر دیا۔

اسلئے حق تعالیٰ کے کمال بندگی کی وجہ سے جوش میں آئے اور ارشاد فرمایا میں حق تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر مجھ کو تندرستی حق تعالیٰ نے عطا فرمادی تو اس جرم پر تم کو میں سو بید (کوڑے) لگاؤں گا۔

حضرت ایوبؑ نے اتنی اہم قسم اور عہد اسلئے کیا کہ ان کو اس بات کا بہت رنج تھا کہ ابلیس کا حوصلہ اب اس درجہ بلند ہو گیا ہے کہ میری بیوی سے مجھ کو مشرکانہ پیغام پہنچایا اور بیوی نے ابلیسی پیغام مجھ کو سنایا۔ چونکہ بغض فی اللہ کا کمال درجہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا اسلئے خدا کے برحق نبی نے اپنی محبوب ترین جاں نثار بیوی کو اس مشرکانہ پیغام کے پہنچانے کے جرم میں یہ سزا دینے کی نذر مان لی۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا جو تعلق حق سبحانہ تعالیٰ سے ہوتا ہے اس کے معاملہ میں سارے تعلقات دنیوی بے اصل اور بے بنیاد ہوتے ہیں اور یہ درجہ کمال تعلق مع اللہ کا وراثت آبائی سے آپ کو حاصل ہوا تھا۔ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ نے اشارۂ حق پر اپنے محبوب ترین نوجوان صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے حلقوم پر چھری پھیر دی تھی۔

حق تعالیٰ ہم سب کو ان حضرات مقبولین کی برکت سے اپنا تعلق عطا فرمائے۔ آمین

الحاصل اس واقعہ کے بعد حضرت ایوبؑ کو اس بات کی فکر لاحق ہوئی کہ اگر اب بیماری کا سلسلہ قائم رہا تو ایسا نہ ہو کہ مردود ابلیس میری بیوی کی دولت ایمان پر دوبارہ حملہ آور نہ ہو۔ بس اب کمال تعلق مع اللہ نے اس پر آمادہ کیا، اور آپ نے نہایت کمال بندگی اور بہت عاجزی کے ساتھ عرض کیا۔

اِنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ۔ (سورۂ ص پ:23)۔

(اے پروردگار مجھ کو شیطان نے رنج وآزار پہنچایا ہے)

آپ کی یہ دعا قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے بیماری سے نجات عطا فرمائی۔ صاحب تفسیر روح المعانی نے اس روایت میں یہ واقعہ بھی نقل فرمایا ہے کہ حضرت ایوبؑ نے بیوی سے

فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اس ابلیسی تجویز پر راضی ہو، اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ تندرست ہونے کے بعد تم کو سو (100) کوڑے ماروں گا اور آئندہ کے لئے یہ طے کر لیا کہ تمہارا لایا ہوا کھانا اور تمہاری لائی ہوئی چیز کا کھانا اور پینا مجھ پر حرام ہے۔ اس بے تعلقی کے اعلان کے بعد کمال بندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا اور الحاح وزاری کے ساتھ دعا فرمائی۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (اے پروردگار مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں)

یہ روایت تمام روایات سے راجح ہے، کیونکہ اس روایت کا ایک جزء صراحۃً قرآن کریم میں موجود ہے۔ خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِہٖ وَلَا تَحْنَثْ (اے ایوب اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لے لو اور اپنی بیوی کو اس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو) تو اس آیت کریمہ سے بیوی کو مارنے کی قسم کھانا اور اس کے پورا کرنے کی ترکیب بتانا منقول ہے جس سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس دعا کے کرنے کی ایک اور وجہ کے متعلق عجیب وغریب حکایت امام الصوفیہ حضرت حسن بصریؒ سے یہ منقول ہے کہ حضرت ایوبؑ جب تمام مصائب اور مشکلات پر بہت صبر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں خلوص دل سے برابر مشغول رہے تو اس عظیم الشان کامیابی پر ابلیس کو بہت رنج اور افسوس ہوا اور اس کو اپنی ناکامی کا پورا پورا یقین ہو گیا، اس سخت رنج اور صدمہ میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ایسی سخت ناکامی کے موقع پر اپنے مددگار شیاطین سے مجھ کو ضرور مدد لینی چاہئے۔ چنانچہ اس نے ایک زبردست اجتماع کا ارادہ کیا اور سب شیاطین کو جمع کرنے کے لئے ایک خوف ناک زبردست چیخ ماری جس کو سن کر تمام شیاطین جمع ہو گئے۔ ابلیس نے جمع ہونے کے بعد خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ساتھیو! اس وقت میں نے تم کو ایک اہم مشورے کے لئے طلب کیا ہے۔

میری پریشانی کا سبب یہ ہے کہ خدا کے پیغمبر ایوبؑ نے مجھ کو تھکا دیا ہے، میں نے زبردست

حملے ان پر کیے، اول ان کی ساری دولت برباد کی مگر اس پر انہوں نے صبر کرلیا۔ پھر ان کی اولاد کو تباہ کیا اور اس کا منتظر رہا کہ وہ بے صبر ہو کر آہ و بکا کرنے لگیں گے مگر آہ بہت افسوس ہے کہ اتنی بڑی مصیبت پر بھی انہوں نے صبر کرلیا، جس نے میری ہمت توڑ دی پھر میں نے ان کے بدن کو پھوڑے اور زخموں سے اس درجہ خراب کر دیا کہ بدن کا کوئی حصہ محفوظ نہ رہا، یہاں تک کہ ان کے سارے متعلقین ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ بس ایک بیوی ہے جو رات دن ان کی خدمت کیا کرتی ہے ان حالات کے سنانے کا مقصد ہے کہ اس معاملہ میں تم میری امداد کرو، میں بالکل تھک چکا ہوں۔ شیطان کی ساری اولاد یہ سن کر یک زبان ہو کر کہنے لگی۔ استاد! کیا وہ تدبیریں بھول گئے جن کے ذریعہ سے تم نے بڑے بڑے بزرگوں کو گمراہ کیا ہے۔ ابلیس نے شرمندگی کے ساتھ کہا کہ وہ سب تدبیریں کر چکا ہوں مگر ایوبؑ پر ان میں سے کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوئی تو اب بتاؤ، تمہارا کیا مشورہ ہے۔ یہ سن کر شیاطین بولے، اچھا بتاؤ کہ آدمؑ کو تم نے کس تدبیر و مکر سے جنت سے نکلوایا تھا۔ اس پر ابلیس نے کہا کہ میں نے ان پر کامیابی ان کی بیوی حواؑ کے ذریعہ حاصل کی تھی۔

اس پر شیاطین نے متفق ہو کر کہا کہ۔

استاد بس داؤ ایک ہی ہے! وہ یہ کہ ایوبؑ پر ان کی بیوی کے ذریعہ سے داؤ لگاؤ۔ اس لئے کہ اس سخت پریشانی میں ان کی خدمتگار ان کی بیوی ہی ہے اور اس وقت ایوبؑ کو ان پر بہت زیادہ اعتماد اور اطمینان ہے، اگر ان کی بیوی کوئی بات کہیں گی تو ایوبؑ سے توقع ہے کہ ان کی بات کو ضرور مان لیں گے۔ اس کے سوا اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابلیس نے یہ تجویز سن کر خوشی کا نعرہ لگایا اور کہنے لگا تم ٹھیک کہتے ہو۔ اور اس کے بعد فوراً ہی اس مقصد کی تکمیل کے لئے کوشش شروع کر دی آپ کی پاک باز بیوی رحمت کے پاس پہنچا ہمدردانہ لہجے میں کہنے لگا، اے اللہ کی بندی! تیرے خاوند کا کیا حال ہے سنا ہے کہ وہ سخت بیمار ہے۔ اس پر بی بی رحمت نے بتایا کہ وہ سخت بیماری میں مبتلا ہیں اور بیماری کا حال سنایا۔ یہ سن کر ابلیس نے اپنے مکر کا جال بچھانا شروع

کیا۔ کہنے لگا، آہ! تم لوگ اس سے پہلے زمانہ میں کس قدر خوش حال اور راحت وآرام سے ہمکنار تھے، تمہارے پاس کس قدر دولت تھی، تمہارے خاوند ایوبؑ کس درجہ خوبصورت نوجوان تھے اور اب تو ان کی بیماری لاعلاج ہے۔ آئندہ کوئی توقع صحت اور تندرستی کی نہیں ہے۔

ابلیس نے یہ باتیں ایسے رقت آمیز طرز پر بیان کیں کہ پاک باز بی بی رحمت کے نازک دل پر صدمہ کا طوفان امنڈ آیا اور بے اختیار منہ سے چیخ نکل گئی۔ ابلیس شقی یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اب تو کامیابی کا راستہ مل گیا۔ فوراً ہی ابلیس ایک بکری کا بچہ لایا اور کہا لو ان کی شفا کا ذریعہ یہ ہے کہ اس بچہ کو ذبح کر کے کھالو لیکن شرط یہ ہے کہ اس بچہ کو میرے نام پر ذبح کرنا۔ یہ بات سن کر بی بی رحمت حضرت ایوبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور رو کر کہنے لگیں کہ اے اللہ کے محبوب ایوبؑ تمہارا پروردگار کب تک آزمائش فرماتے رہیں گے نہ اب تمہارے پاس مال و دولت ہے، نہ کوئی دوست رہا نہ اولاد نہ تندرست جسم اور نہ حسن و جمال۔ اس کے بعد ابلیس کی پوری گفتگو جس کو بی بی رحمت نے ہمدرد معالج سمجھا تھا نقل کر دی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اس بکری کے بچہ کو ذبح کر دیا جائے۔ حضرت ایوبؑ نے یہ سن کر ناراضگی ظاہر کی اور ارشاد فرمایا، اے اللہ کی بندی یہ شخص کوئی ہمدرد انسان نہ تھا بلکہ یہ خدا کا نافرمان ابلیس مردود تھا۔ اس نے اس ترکیب سے تم کو بہکایا ہے۔ خدا کی بندی ذرا انصاف و عقل سے غور کر، جس مال، اولاد، تندرستی پر تو آج آنسو بہاتی ہے وہ سب ہم کو کس نے عطا فرمائے تھے۔ بی بی رحمت نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ سب ہم کو بخشے تھے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا ہم نے ان نعمتوں سے کتنے زمانہ تک راحت اور نفع اٹھایا، کہنے لگیں اسی (80) برس، پھر حضرت ایوبؑ نے دریافت فرمایا کہ ہماری تکلیف کے زمانہ کو کل کتنا عرصہ ہو چکا ہے۔ بی بی رحمت نے بتایا کہ کل امتحان کا زمانہ اس وقت تک سات اور (7) برس سات (7) مہینہ کا ہے۔ یہ سن کر خدا کے محبوب نبی نے ارشاد فرمایا اے خدا کی بندی ذرا انصاف کر کہ اسی (80) برس تک ہم نے اپنے مولیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا تھا اور امتحان کا زمانہ اس کے مقابلہ میں ابھی تو بہت ہی کم گزرا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا خاص خیال آپ پر

طاری ہوا، بہت جوش کے ساتھ فرمانے لگے خدا کی قسم جب میں تندرست ہو جاؤں گا میں تیرے سو (100) کوڑے ماروں گا۔ اس لئے کہ تو نے ابلیس کے بہکانے سے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے کو کہا اور پھر فرمایا کہ آج سے تیرا لایا ہوا کھانا اور پینا حرام ہے۔ اب تم میرے پاس سے چلی جاؤ تا کہ میں تم کو نہ دیکھوں۔ اس کے بعد اب حضرت ایوبؑ نے دیکھا کہ سارے اسباب راحت بالکل معدوم اور منقطع ہو گئے تو پروردگار عالم کو نہایت تضرع اور الحاح سے سجدہ کیا اور دعا فرمائی۔ رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (پروردگار عالم نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس عظیم الشان امتحان سے نجات عطا فرمائی)

تفسیر روح المعانی میں حضرت انسؓ خادم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس بیماری کے زمانہ میں ایک دن حضرت ایوبؑ نے نماز پڑھنے کے لئے اٹھنا چاہا مگر سخت تکلیف کی وجہ سے اٹھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ اس بات کا بہت رنج و افسوس ہوا۔ آہ! یہ بیماری اب خدا تعالیٰ کی بندگی سے بھی مانع بن گئی۔ ان تاثرات کے ساتھ آپ نے قلبی توجہ سے یہ دعا فرمائی۔ رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ صاحب روح المعانی نے اس روایت کو سب سے راجح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال ان واقعات مذکورہ میں سے کوئی واقعہ بھی پیش آیا ہو یا اس کے سوا ہو، کیونکہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس سلسلہ میں چھ (6) روایات ذکر کی ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت ایوبؑ نے پروردگار عالم سے توجہ قلبی کے ساتھ مناجات و دعا فرمائی۔ آپ کی دعا قبول کی گئی۔ دعا کے مقبول ہونے کے بعد صحت کامل نصیب ہو گئی۔ اور انعامات خداوندی کی بارش ہونے لگی۔

سوال: حضرت ایوبؑ نے صحت کے لئے کیا دعا فرمائی تھی؟

جواب: اس سے پہلے جو روایات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے جو روایت بھی صحیح اور مطابق واقعہ ہو اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ اب یہ بیماری کا

سلسلہ میری جاں نثار بیوی کے دینی نقصان کا ذریعہ بن جانے کا خطرہ ہے۔ اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کو شدید بیماری کی وجہ سے نماز پڑھنے کی بھی طاقت نہ رہی تو خدا کے اس محبوب پیغمبر نے توجہ قلبی کے ساتھ دعا فرمائی۔ جس دعا کو اللہ تعالیٰ نے ان کلمات طیبات سے بیان فرمایا ہے۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔ (اے پروردگار مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں)۔ (بیان القرآن)

اگر ان کلمات دعائیہ میں قلب سلیم سے غور کیا جائے تو عجیب نکتے اور دعا کے آداب کی بہت رعایت معلوم ہوتی ہے۔ اول یہ کہ خدا کے محبوب نبی نے اپنی عجز اور کمزوری اور شدید پریشانی کا حال ان کلمات طیبہ سے عرض کیا۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ (مجھ کو پروردگار یہ تکلیف پہنچ رہی ہے)۔ کمال ادب ملاحظہ کیجئے کہ اس تکلیف کی نسبت مولائے حقیقی کی طرف نہیں فرمائی بلکہ یہاں پر صرف تکلیف کا حال اجمالاً ایک کلمہ "ضُر" سے بیان فرمایا اور قرآن کی دوسری آیت میں آپ کی دعا کے کلمات میں یہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔

(اے پروردگار مجھ کو شیطان نے رنج وآزار پہنچایا ہے)

اس کلام سے حضرت ایوبؑ نے دعا میں یہ پہلو ملحوظ رکھا کہ مولائے حقیقی کی طرف کلام میں ان مشکلات اور پریشانی کی نسبت نہ کی جائے، کیونکہ یہ کمال ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حسنات اور خوبیوں کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے اور سیئات کو اپنے نفس کی جانب۔ چنانچہ خدا کے محبوب پیغمبر نے کمال ادب کے خلاف سمجھا کہ ان مشکلات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔ اس لئے اس عقیدہ کے باوجود کہ کائنات کا خالق اور کارخانۂ دنیا میں جو فنا اور بقا کا سلسلہ قائم ہے۔ ان کا بنانے اور بگاڑنے والا صرف ذات حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ ان پریشانیوں اور مشکلات کی نسبت فاعل حقیقی کی طرف نہیں فرمائی، بلکہ پروردگار عالم نے جس کو ان امور کا سبب بنایا تھا، یعنی شیطان، اس کی طرف نسبت کی گئی اور عرض کیا کہ مجھ کو شیطان نے رنج وتکلیف پہنچا رکھی ہے۔ اللہ اکبر، جب آپ کو دعا کا شرف

طاری ہوا تو خالص دینی منافع کے پیش نظر آپ نے دعا فرمائی اس طرح سے کہ کمال ادب پیش نظر رہا اور کوئی حرف شکوہ کا زبان پر نہ لائے۔ اس کمال ادب کے ساتھ اپنی پریشانی کا حال عرض کیا۔ یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کا دعا میں اپنی پریشانی کا اظہار کرنا بظاہر ایک قسم کا شکوہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے شایان شان نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کا شکوہ کرنا کمال صبر اور مقام رضا بالقضاء کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شکوہ ممنوع ہے جس میں مخلوق سے فریاد کی جائے اور ان سے امداد طلب کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اَلصَّبْرُ عَلَى الْمَصَائِبِ کی حقیقت علمائے ربانی یہ نقل فرماتے ہیں کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے شکایت نہ کرے اور ادب کے ساتھ خاموش رہے اور اپنی مصیبت کا لوگوں کے سامنے چرچا نہ کرتا پھرے۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اس دعائے ایوبؑ پر مسائل السلوک میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ایوبؑ نے جو اس موقع پر دعا فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ دعا اور توکل میں منافات نہیں ہے، اور محتاجی کی شدت کا اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا منافی رضا نہیں ہے۔ شیخ عارف کامل حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرے اس کو بے صبر نہ کہا جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا رضا، بقضا کے ساتھ بھی جمع ہوسکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج:6 ص:35 پ:17 سورۃ الانبیاء)

مسلمانو! غور کرو، کہ حضرت ایوبؑ نے اس مختصر سے جملہ میں ایسی جامع دعا فرمائی ہے کہ جو ہزاروں کلمات سے بھی ہم لوگ ادا کرنے پر قادر نہیں۔ کیونکہ دعا میں دو باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اول: اپنی عجز و پریشانی اور مشکلات کا، جس سے اشارۂ لطیف یہ تھا کہ اب میں آپ کی رحمت کا بہت محتاج اور خواہش مند ہوں۔

دوم: اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے متعلق، جو آپ کے قلب مبارک میں عقیدہ راسخ تھا اس کا ان الفاظ سے ذکر فرمایا۔ ''اے پروردگار عالم آپ تو ارحم الراحمین ہیں یعنی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں''۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ آپ کی صفت رحمت بہت ہی بلند اور سب پر

اس کا فیضان جاری ہے اور جتنے دنیا میں مہربان ہیں ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا لطف و مہربانی عام اور بہت عالمگیر ہے بلکہ درحقیقت مخلوق کی مہربانی و شفقت اللہ تعالیٰ کی مہربانی و لطف کا پرتو ہے۔ لہٰذا مجھ پر اس پریشانی میں رحم فرمایئے اور اپنی رحمت کی برکت سے مجھ کو اس سخت بیماری سے نجات عطا فرمایئے۔ آمین

خدا کے محبوب بندے کی دعا ایسی مقبول ہوئی کہ فوراً ہی صحت کے اسباب مہیا کر دیئے گئے اور ایسے تندرست ہوئے کہ اس سخت بیماری کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

سوال: حضرت ایوبؑ پر شدید بیماری میں پروردگار کا ایک خاص انعام کیا تھا؟

جواب :اس شدید بیماری میں آپ پر ایک انعام تو یہ تھا کہ ان مشکلات کے باوجود آپ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ تھے ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف اور ہر حال میں راضی، اور ساری دنیا سے منقطع ہونے کے باوجود ان باتوں سے رنجیدہ اور غمگین نہ تھے۔ بلکہ اطمینان اور کمال بندگی کی دولت سے سرفراز تھے۔ اس کے علاوہ اس شدید بیماری میں حضرت ایوبؑ پر ایک خاص انعام یہ تھا جس کا تذکرہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ حسنہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب حضرت ایوبؑ کو دعا کے بعد صحت نصیب ہو گئی تو ایک روز آپ تندرستی کے باوجود زار و قطار رو رہے تھے۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے خدا کے پیغمبر آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے انعامات سے نوازا ہے پھر آپ کس بات پر روتے ہیں۔ اس کو سن کر حضرت ایوبؑ نے ارشاد فرمایا کہ جو نعمت مجھ کو اس بیماری میں حاصل تھی وہ اب باقی نہیں رہی۔ اس نعمت کے زوال پر میرا قلب رو رہا ہے آپ کے صحابہ نے حیرت سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے نبی وہ کونسی نعمت آپ سے چھن گئی ہے جو اس سخت بیماری کے زمانہ میں آپ کو حاصل تھی۔ حضرت ایوبؑ نے فرمایا کہ بیماری کے زمانہ میں ہر صبح اور ہر شام کو اللہ تعالیٰ بکمال عنایت یہ خطاب فرماتے تھے کہ ”ایوب تیرا مزاج کیسا ہے“؟۔ اس کلام ربانی کی پرکیف لذت صبح سے شام تک اور شام سے لے کر صبح تک مسلسل قائم رہتی اس پرکیف

لذت خطاب سے جو سرور روحانی حاصل ہوتا وہ جسمانی امراض کی تکلیف پر غالب آجاتا۔ اس نعمت سے تندرست ہونے کے بعد محروم ہوگیا ہوں اس محرومی پر دل روتا ہے۔ برادران اسلام حضرت ایوبؑ کے اس عظیم الشان امتحان سے ہم کو سبق حاصل کرنا چاہئے اور ہر حال میں خوش رہ کر اپنے مولائے حقیقی کی تابعداری اور سچی بندگی میں پوری پوری جد و جہد کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

سوال: حضرت ایوبؑ کی صحت کا عجیب واقعہ کیا ہے؟

جواب: ابھی ذکر کیا گیا کہ خدا کے محبوب نبی نے جب والہانہ انداز میں دعا فرمائی تو وہ دعا قبول کی گئی۔ اس قبولیت کا اعلان قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ (پ: 17 سورۃ الانبیاء)۔ ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کردیا (بیان القرآن) دعا کے مقبول ہونے کی اطلاع خدا کے محبوب نبی کو ایسے وقت دی گئی جب کہ وہ سربسجود تھے اور الحاح وتضرع کے ساتھ دعا فرما رہے تھے۔ آپ کو بشارت دی گئی کہ سر اٹھایئے آپ کی دعا قبول ہوچکی ہے۔ اس کے بعد آپ کی صحت کا ذریعہ یہ بتایا گیا کہ آپ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریئے۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت ایوبؑ نے جیسے ہی زمین پر پاؤں مارا تو فوراً ایک چشمہ ٹھنڈے پانی کا نمودار ہوا۔ اس کے بعد حضرت ایوبؑ کو حکم ملا کہ اس چشمہ سے تم غسل صحت کرو اور اس چشمہ کا پانی خوب جی بھر کر پیتے رہو۔ حضرت ایوبؑ نے جیسے ہی اس چشمہ سے غسل فرمایا، خوفناک شدید بیماری آپ کے جسم مبارک سے بالکل رفع ہوگئی۔ اور جو بدن پر خارش سے آبلے تھے اور جو جو شکایات آپ کو تھیں وہ سب یکا یک دور ہوگئیں اور آپ کا سابق حسن و جمال دوبارہ لوٹ آیا۔ اس کے بعد آپ نے جب اس مبارک چشمہ کا پانی پیا تو سینہ کی جلن، دل کی دکھن اور اندرونی بیماری کے سب اثرات اس آب رحمت کے پینے سے رفع ہوگئے اور ظاہری وباطنی طور پر مکمل صحت آپ کو عطا فرمائی گئی۔ اس چشمہ کے نکلنے کا تذکرہ اور اس کے فوائد کا بیان اجمالاً قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں موجود

اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (سورۂ ص پ:23)۔ (ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور حکم دیا کہ) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو۔ (چنانچہ انہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ پیدا ہوگیا (رواہ احمد فی الزہد عن ابن عباس، پس ہم نے ان سے کہا کہ) یہ (تمہارے لئے) نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا (یعنی اس میں غسل کرو اور پیو، چنانچہ نہایا اور پیا اور بالکل اچھے ہوگئے)

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر ذرا غور فرمایئے کہ حضرت ایوبؑ کی بیماری کو جب ایک طویل زمانہ گزر گیا اور سننے والے اور دیکھنے والے اس بیماری کو لاعلاج سمجھنے لگے اور ظاہری سب تدبیریں ناکارہ ہوگئیں ایسے وقت خدا کے محبوب پیغمبر نے دل کی توجہ سے دعا فرمائی تو دعا کی قبولیت کے ساتھ ہی صحت کا مکمل انتظام فرمادیا گیا اور ایوبؑ کی دلی مسرت کی بھی اس انتظام وعلاج میں، بہت رعایت ملحوظ کی گئی، کہ ان کا صحت سے قبل ایک معجزہ یہ ظاہر کیا گیا کہ اسی بیماری کی حالت میں پاؤں کو زمین پر ماریں اور اسی سے ایک آب رحمت کا چشمہ نمودار ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ خرق عادت اور معجزہ کے طور پر پیش آیا ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کوئی بڑے سے بڑا تندرست انسان بھی کتنی ہی طاقت سے پاؤں کو مسلسل زمین پر مارتا رہے تب بھی چشمہ نکلنے کا تصور تک نہیں ہوسکتا، لیکن خدا کے محبوب پیغمبر سے بطور معجزہ یہ واقعہ رونما ہوا، کہ ایک مرتبہ پاؤں مارنے ہی سے چشمۂ رحمت نمودار ہوگیا۔ اس چشمہ رحمت سے ایک بار آپ نے غسل فرمایا تو وہ پرانی شدید بیماری ایک مرتبہ غسل کرتے ہی کافور ہوگئی۔ بدن پر بیماری کا نشان تک باقی نہ رہا۔ پھر جب آپ نے اس آب رحمت کو نوش فرمایا تو دل کی جلن وغیرہ سب امراض دور ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کرشمۂ قدرت پر بہت سے کم فہم جن کو اپنی سمجھ اور عقل پر ناز ہے، تعجب اور انکار کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ یہ بات تو بالکل خلاف عقل ہے کہ ایک بیمار شخص زمین پر پاؤں مارے اور اس کی وجہ سے پانی کا چشمہ نکل آئے کیونکہ زمین سے پانی تو بہت محنت سے کھود کرید کرنے بعد دشواری سے دستیاب ہوتا ہے تو بھلا یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ ایک مرتبہ پاؤں مارنے

سے چشمہ نکل آیا ہو۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ پروردگار عالم کائنات میں ہر وقت ایسے عجائبات ظاہر فرماتے رہتے ہیں جن کا بار بار مشاہدہ کرنے کی وجہ سے ہم کو ان کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اور بڑے بڑے سائنس کے عجائبات کو باوجودیکہ خلاف عقل ہوتے ہیں بلا چون وچرا تسلیم کرلیتے ہیں۔ مثال کے طور پر خود حضرت انسان کی پیدائش اور مادہ پیدائش کے عجیب ترین واقعہ پر نظر ڈالئے تو شروع سے لے کر آخر تک کتنے عجائبات کا مجموعہ ہے کہ ایک قطرۂ پانی سے انسان کا جسم رحم مادر میں مختلف انقلابات سے گزر کر مکمل ہوجاتا ہے پھر تکمیل کے بعد عالم غیب سے اس جسم پر روح کا فیضان ہوتا ہے پھر وہ جسم مع روح کے رحم مادر سے صحیح وسالم پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر تدریجاً وہ نشو ونما پاکر طرح طرح کے علوم عقلیہ اور نقلیہ سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ہم ان عجائبات قدرت کا روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں اس لئے ہم کو کوئی اس میں انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اور بڑے سے بڑا ماہر سائنس بلا چون وچرا ان عجائبات قدرت کو دل کی گہرائی سے تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح ہزارہا عجائبات قدرت کا ظہور اس عالم میں ہورہا ہے اور انسان بار بار مشاہدہ کی وجہ سے اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے لہٰذا جس عجیب واقعہ کی قرآن کریم نے ہم کو اطلاع دی، تو اگر اس کا سمجھنا اور ادراک کرنا ہماری عقلوں سے کس قدر ہی بلند کیوں نہ ہو تب بھی اس کو تسلیم کرنا ہمارا فرض ہے اور جو اس کا انکار کرنے کی جرأت کرتا ہے وہ درحقیقت خسارۂ دنیا اور آخرت میں مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت ایوبؑ پر انعامات خداوندی کا ظہور ہوا۔ حسن وجمال ظاہر کامل درجہ کا نصیب ہوا اور ظاہری اور باطنی مکمل صحت عطا ہوگئی۔ بعض روایات میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس غسل صحت کے بعد آپ کے لئے جنت سے خلعت لے کر حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے جس کو زیب تن کرنے سے حضرت ایوبؑ کے حسن وجمال میں چار چاند لگ گئے۔ اس خلعت کو پہن کر اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر نے شکرانہ کی نماز حضور قلب کے ساتھ ادا فرمائی۔

تفسیر مظہری میں ایک عجیب واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے جس وقت آپ غسل

صحت فرما کر مکمل تندرست ہوگئے اس وقت آپ کی پاک باز جاں نثار بیوی وہاں موجود نہ تھیں، جب وہ لوٹ کر یہاں آئی تو اپنے محبوب خاوند کو نہ پایا تب بہت رنجیدہ ہوئیں اور فکر لاحق ہوگیا کہ میرے جانے کے بعد نہ معلوم ان پر کیا حال پیش آیا ہے۔ خدانخواستہ کسی موذی درندہ نے تو آپ پر حملہ نہیں کیا ہے۔ اس تردد میں سخت پریشان تھیں کہ اچانک ایک حسین ترین نوجوان عمدہ لباس پہنے ہوئے بیٹھا نظر آیا۔ ان کو دیکھ کر بی بی رحمت شرما گئیں اور کچھ نہ پوچھا یہ حال دیکھ کر حضرت ایوبؑ نے کمال شفقت سے فرمایا، اے اللہ کی نیک بندی کیا تلاش کر رہی ہو، بی بی رحمت کا دل صدمہ سے بھر آیا، بے اختیار رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ میرا ایک بیمار اس جگہ تھا اس کی فکر ہے کہ نہ معلوم اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا، کیونکہ وہ یہاں کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تیرا اس بیمار سے کیا رشتہ تھا۔ بی بی رحمت نے رو کر کہا وہ میرے مقدس خاوند تھے آپ نے پھر پوچھا، اچھا اگر تم ان کو دیکھ لو تو شناخت کر سکتی ہو، بی بی رحمت نے فرمایا میں ضرور ان کی شناخت کر لوں گی۔

کیونکہ برسہا برس ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا یہ کہنے کے بعد بی بی رحمت کو کچھ شبہ پیش آیا اور غور سے آپ کی طرف دیکھنے لگیں بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا کہ جب میرے خاوند تندرست تھے تو آپ کی صورت وشکل سے بہت ہی مشابہ تھے۔ حضرت ایوبؑ نے اب ان کو پوری بات بتائی کہ میرا ہی نام ایوب ہے میں ہی تیرا خاوند ہوں۔ تم نے مجھ کو صحت کے لئے یہ مشورہ دیا تھا کہ تم ابلیس کے لئے بکری کا بچہ ذبح کردو میں نے تیری بات نہیں مانی تھی۔ اپنے پروردگار کی اطاعت کی اور شیطان سے نفرت اور توجہ قلبی سے اللہ تعالیٰ سے صحت کے لئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور از سر نو پوری طرح تندرستی عطا فرمائی۔ اس جگہ بہت سی مبالغہ آمیز روایات اہل قصص نے ذکر کی ہیں۔ ہم نے اس سلسلہ میں صرف وہ واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت قاضی ثناء اللہ قدس سرہٗ نے تفسیر مظہری میں ذکر کیا ہے۔

سوال: حضرت ایوبؑ پر انعامات کی بارش کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو کمال صحت سے نوازا اس کے بعد بہت سے انعامات سے سرفراز فرمایا۔ کیونکہ پروردگار عالم کا جب کسی مقبول بندے پر فضل نازل ہوتا ہے تو بیشمار انعامات سے اپنے مقبول بندے کو نوازا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بطور امتحان تھوڑی سی تکلیف بندے کو دیتے ہیں، پھر جب فضل فرماتے ہیں تو سیکڑوں نعمتیں عنایت فرماتے ہیں اور ایسی نعمتوں سے نوازتے ہیں جو وہم گمان میں بھی نہ آئیں۔ ان انعامات خداوندی کا بیان قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔ وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ۔ (اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا کیا، اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔ سورۃ الانبیاء پ: 17) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بڑے درجہ کے حضرات صحابہ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہما سے یہ منقول ہے کہ ان کی جس قدر اولاد وفات پا گئی تھی ان کو زندہ فرمایا گیا۔ اور اتنی ہی تعداد میں اولاد اور بھی عنایت فرمائی گئی۔ اور قرآن کریم سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے۔ اس قول کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ایوبؑ کے لئے بطور خرق عادت تمام اولاد کو دوبارہ زندگی بخشی گئی۔ تا کہ ان کو جو سابقہ اولاد سے محبت و تعلق تھا اس کی رعایت ہو، اور ان کے وجود سے سرور طبعی حاصل ہو۔ پھر ان کے علاوہ مزید اولاد عطا فرما کر نعمت میں اضافہ فرمایا گیا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ آپ کی محبوب بیوی رحمت کو اللہ تعالیٰ نے از سرنو جوان بنا دیا اور ان کے ذریعہ سے چھبیس (26) نیک بخت لڑکے عنایت فرمائے گئے واللہ اعلم بہر حال جب فضل خداوندی کا سلسلہ قائم ہوا تو اول کامل درجہ صحت اور قوت اور حسن و جمال حضرت ایوبؑ کو عطا فرمایا، پھر اس کے بعد جو اولاد تلف ہو گئی تھی ان کو حیات سے نوازا۔ اور مزید اولاد نرینہ عطا کی گئی پھر دنیوی دولت سے مالا مال فرمایا گیا اور ہر طرح کی نعمتوں اور راحتوں سے ہمکنار کیا گیا۔ خدا کے محبوب پیغمبر حضرت ایوبؑ کی جس طرح صحت

کا واقعہ ایک عجیب قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے اسی طرح ان کی اولاد کو دوبارہ زندہ کرنا دوسرا عجیب فضل خداوند تعالیٰ ہے، اسی طرح آپ کا دوبارہ بہت دولتمند ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاص حضرت ایوبؑ کے لئے آسمان سے اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے، ایک ابر رحمت سے خوب سونا برسایا گیا اور دوسرے ابر رحمت سے چاندی کی بارش کی گئی جس کی وجہ سے سونا اور چاندی وادی میں بہنے لگا اور ایوبؑ بہت زیادہ دولت کے مالک بن گئے۔

اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے پروردگار عالم کے انعامات کا کہ اپنے محبوب کو صبر کرنے پر کس قدر انعامات سے نوازا اور کس قدر عجیب کرشمہ قدرت کا ظہور فرمایا کہ بلا محنت اور مشقت کے یکا یک دنیا کی دولتوں سے مالا مال فرمایا گیا۔ ایک روایت میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک فرشتہ حاضر ہوا اور حضرت ایوبؑ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغام سلامتی سنایا۔ نیز سونے کی ٹڈیوں کے متعلق ایک عجیب واقعہ صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ایوبؑ غسل فرما رہے تھے تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ ان پر سونے کی ٹڈیاں برسانے لگے۔ ان حسین سونے کی ٹڈیوں کو حضرت ایوبؑ پکڑتے رہے اور ایک کپڑے میں جمع کر کے محفوظ کرتے رہے پروردگار عالم نے حضرت ایوبؑ کو الہام فرمایا کہ اے ایوب ہم نے تم کو بہت دولت عطا کر دی ہے اور تم کو بہت دولتمند بنا دیا ہے تو پھر ان ٹڈیوں کو کیوں جمع کرنے کا اہتمام کر رہے ہو۔ خدا کے محبوب پیغمبر نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ بے شک مجھ کو آپ نے بہت دولتمند بنا دیا ہے لیکن جو آپ کی جانب سے برکات نازل ہوں میں ان کا ہر وقت محتاج ہوں۔ ہم کو اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ پروردگار عالم کی جانب سے جو نعمت نازل ہو اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اور اس کے ساتھ بہت ادب کا معاملہ کرنا چاہئے۔ دیکھئے حضرت ایوبؑ کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ غنی بنا دیا تھا لیکن جب پروردگار عالم نے سونے کی ٹڈیاں نازل فرمائیں تو اس نعمت کی اس درجہ قدر فرمائی

کہ غسل کی حالت میں ہی ان کے جمع کرنے کا اہتمام فرمانے لگے اور پروردگار عالم نے جب یہ سوال فرمایا کہ جب ہم نے تم کو دولتمند بنا دیا تو پھر ان ٹڈیوں کو جمع کرنے کی کیا حاجت ہے تو پیغمبر صادق نے صدق دل سے عرض کیا کہ آپ کی جانب سے جو برکات نازل ہوں میں ان کا محتاج ہوں۔ مسلمانو! غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر کرنے اور شکر کرنے سے ہم کس درجہ محروم ہیں۔ اور جو نعمتیں ہم کو حاصل ہیں ان کی قدر و منزلت سے ہمارے دل کس قدر غافل ہیں، دل تو دل زبان سے بھی شکر کا کلمہ بسا اوقات ادا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ روز افزوں مصائب کا سامنا ہو رہا ہے اور امداد خداوندی سے حرمان ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اعلان فرمایا گیا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ (اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا۔ اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے) اللہ تعالیٰ ہم پر فضل فرمائے اور اپنی جملہ نعمتوں کی قدر کرنے اور شکر کرنے کی دائمی توفیق ہم کو عطا فرمائے۔ آمین۔ مختصر یہ کہ حضرت ایوبؑ دوبارہ راحتوں اور نعمتوں سے ہمکنار ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے کمال درجہ شکر گزار رہے اور اپنی امت کو صحیح طور پر راہنمائی اور ہدایت فرماتے رہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا کہ آپ ستر (70) سال اس امتحان سے فراغت کے بعد بقید حیات رہے۔ اور زندگی بھر ہر لمحہ اپنے پروردگار کے ذکر میں مصروف رہے۔

سوال: حضرت ایوبؑ کی بیوی پر خاص رحمت کیا ہوئی؟

جواب : بیماری کے آخر زمانہ میں بی بی رحمت سے ایسی ناگوار بات پیش آئی جس کی وجہ سے حضرت ایوبؑ نے قسم کھائی تھی کہ تندرستی کے بعد میں تم کو سو (100) کوڑے ماروں گا اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ یہ ناگواری کسی دنیوی حادثہ یا خدمت کی کوتاہی وغیرہ سے متعلق نہ تھی بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی معصیت سے تھا اور حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ معصوم ہوتے ہیں تو ان پر فضل خداوندی ہوتا ہے، وہ اپنی ذاتی تکلیف اور ایذا رسانی کا کبھی بدلہ اور انتقام لینے کا ارادہ نہیں فرمایا کرتے بلکہ ہمیشہ عفو و درگزر کا معاملہ کیا کرتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی

جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ان کا سب سے اہم فریضہ ہو جاتا ہے اس لئے اپنی پوری طاقت اصلاح حال میں صرف فرمایا کرتے ہیں اور کوئی شخص ان کا کتنا ہی محبوب اور مقرب کیوں نہ ہو اس کو سزا اور تنبیہ فرماتے ہیں۔ اس میں کوئی کوتاہی جائز نہیں سمجھتے۔ بس اس طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ جب جاں نثار، پاک باز، خدمت گزار، وفاشعار بیوی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حکم الٰہی کی خلاف ورزی صادر ہوئی تو فوراً ہی حضرت ایوبؑ نے اپنے مولیٰ حقیقی کو خوش کرنے کے لئے عہد کر لیا اور بیوی کو اس سے مطلع کر دیا کہ جب میں تندرست ہو جاؤں گا تو اس نافرمانی پر تم کو سو (100) کوڑے ماروں گا۔ پھر جب حضرت ایوبؑ تندرست ہو گئے تو ایک عجیب امتحان اور سخت ابتلا سامنے آیا کہ بیوی رحمت کی رات دن کی خدمت گزاری اور پوری طرح وفاشعاری اور انتہائی غم خواری کا تو تقاضا تھا کہ اب ان کی اس عظیم الشان کارنامہ پر ہر طرح سے دلجوئی کی جاتی اور ان کو اس عظیم ترین مجاہدانہ کارنامہ پر مبارکباد اور انعامات سے نوازا جاتا۔ لیکن چونکہ خدا کے محبوب پیغمبر رضائے الٰہی کے لئے سو (100) کوڑے مارنے کی قسم کھا چکے تھے، تو عجب کشمکش کا سامنا تھا، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر واقعی اس نذر کو پوری کرنے میں بی بی رحمت کو سو (100) کوڑے مارے جاتے تو وہ جمال یوسفی کی مظہر صنف نازک کی پاکیزہ مثال نازک طبیعت اس سخت سزا کو کس طرح برداشت فرما سکتی، اور قسم کو پوری کرنے سے خدا کے محبوب نبی کو چارہ کار نہ تھا۔ عین اسی کشمکش میں وحی نازل ہوئی جس کی برکت سے پروردگار عالم نے حضرت ایوبؑ کو اس امتحان سے نجات عطا فرمائی اور حضرت ایوبؑ پر پُر رحمت حکم نازل ہوا جس کو قرآن کریم نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے۔ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ ۔ (پ:23۔ سورۂ ص)۔ اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لے لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ سبحان اللہ کیا لطف ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب پیغمبر پر کہ ان کی نذر اور حلف کو اس طرح پورا کر دیا کہ جاں نثار، پاکیزہ مزاج بی بی رحمت کو بھی کوئی اذیت نہ ہوئی اور ان کو خوشی خوشی اپنے محبوب خاوند کی اطاعت کرنے کا بہت اجر و ثواب مل گیا، دنیا کی عورتوں کے لئے یہ

مجاہدانہ کارنامہ باعث درس عبرت ہے۔ جس کا ذکر جمیل قیامت تک قرآن کریم میں باقی رکھا گیا کہ ایک پاک باز، جاں نثار بیوی نے باوجودیکہ تمام بیماری کے طول طویل زمانہ میں جس کی کل مدت راجح روایت کے مطابق اٹھارہ (18) سال ہے مسلسل رات دن محنت اور مشقت کے ساتھ خدمت انجام دی۔ لیکن چونکہ غلطی سے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی صادر ہوگئی اس لئے خدا کے محبوب پیغمبر نے سو (100) کوڑے مارنے کی قسم کھالی۔ بیوی اس پر بھی راضی اور خوش رہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا اور بجائے سو (100) کوڑے مارنے کے صرف سو (100) سینکوں کو یکدم مارنے کا حکم صادر فرمایا جس سے سزا کی حقیقت اور صورت دونوں میں تبدیلی ہوگئی۔ اور خدا کے محبوب نبی کی قسم بھی پوری ہوگئی۔ حضرت ایوبؑ کے اس حلف کا منشا بظاہر ان کو سزا دیکر اس گناہ کی حقیقی سزا سے بچانا تھا اور یہ خواہش تھی کہ اس جرم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ان پر عذاب نہ ہوا اور میری سزا دینا ہی کفارہ بن جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ان کی وفاداری اس درجہ پسند تھی کہ اتنی سزا دینے سے بھی بی بی رحمت کو بچالیا گیا اور سو (100) کوڑے مارنے کی بجائے صرف سو (100) سینک یکدم مارنے کا آسان حکم نازل فرمایا۔ اس سہولت کے ساتھ قسم کا پورا ہونا حقیقت میں بی بی رحمت پر خاص انعام اور حضرت ایوبؑ کا شاندار اعزاز تھا۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔ (بیان القرآن سورۂ ص پ:23) اس طرح سے قسم کا پورا ہو جانا حضرت ایوبؑ کے ساتھ مخصوص تھا۔ اگر اب کوئی ایسی قسم کھائے تو اگر اس کو یہ سزا دینا شرعاً واجب ہو تو ایسی قسم کا کفارہ دیا جائے گا۔ اور قسم کا توڑنا جائز ہوگا۔ اور اگر اس کو شرعاً اس طرح مارنا ناجائز ہو تب تو قسم کو پورا کرنا حرام اور قسم کا توڑنا واجب ہوگا۔ مختصر یہ کہ اس امتحان میں حضرت ایوبؑ کو شاندار کامیابی اور خاص انعام سے سرفراز فرمایا گیا اور ان کی تابعداری کی برکت سے بی بی پر بھی پروردگار عالم کی خاص رحمت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی برکت سے اہل اسلام کو بھی اپنے فضل خاص اور انعام سے سرفراز فرمائے۔ آمین

سوال: حضرت ایوبؑ کی وفات کتنی عمر میں ہوئی؟

جواب: حضرت ایوبؑ کی دنیوی حیات کا زمانہ ختم ہوگیا جس کی تعین میں حضرات علماء کرام نے مختلف اقوال ذکر فرمائے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عمر شریف 93 برس ہوئی (البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر) اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سو برس ہوئی (بدائع الزہور) اور بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ بیان کی گئی ہے (تفسیر روح المعانی) چنانچہ احقر نے جو یہ روایت نقل کی کہ 80 برس کی عمر میں آپ کو شدید بیماری وغیرہ کا عظیم الشان امتحان پیش آیا اور 18 سال اس امتحان کا زمانہ ہے تو 98 برس کی عمر میں آپ کا امتحان شاندار کامیابی پر ختم ہوا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس امتحان میں کامیابی کے بعد 70 سال آپ کو اللہ تعالیٰ نے مزید دولت دین و دنیا اور ہر قسم کی نعمتوں کے ساتھ زندگی عطا فرمائی اس روایت کے لحاظ سے آپ کی کل عمر شریف 168 سال ہوگئی۔ اس کا تحقیقی حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کل زمانۂ حیات آپ کا کیا تھا۔ بہر حال اس دنیوی زندگی کا زمانہ ختم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص فرشتے حضرت عزرائیلؑ کو آپ کی خدمت میں بھیجا تا کہ پیام اجل پہنچا دیں، خدا کے محبوب پیغمبر نے مولیٰ حقیقی کے پیام کو سن کر برضاء و رغبت داعی اجل کو لبیک کہا اور اس دارِ فانی سے بخوشی رخصت ہو کر عالم بقا میں جا پہنچے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

انتقال کے بعد حضرت ایوبؑ کے جسدِ مبارک کو شرعی ضابطہ کی پابندی کے ساتھ اولاد ایوبؑ نے علاقہ حوران میں دفن کر دیا اور قیامت تک کے لئے وہ جسد مطہر جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں ہزارہا مجاہدے انجام دیئے تھے، کامل سکون و راحت کی لذتوں اور کیف سے ہمکنار ہوگیا اور جو جو عظیم الشان نعمتیں حاصل ہوئیں اس کا علم حقیقی حق تعالیٰ شانہ ہی کو ہے۔ حضرت ایوبؑ کی وفات سے جو صدمہ آپ کی پاکیزہ اولاد اور خاندان اور آپ کے صحابہ کرام کو پہنچا اس کا معمولی سا اندازہ بزرگان دین کی وفات کے صدمے سے کیا جا سکتا ہے، کہ جب بھی کوئی شمع ہدایت بزم دنیا میں گل ہو جاتی ہے تو لاکھوں جاں نثاروں کے دل تڑپنے لگتے ہیں۔

سوال: حضرت ایوبؑ کی پاکیزہ اولاد کے حالات بیان کریں؟

جواب: حضرت ایوبؑ کے انتقال کے بعد آپ کی پاکیزہ نسل اور اولاد صالح باقی رہی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی تھی تو جو اولاد وفات پا چکی تھی اس کو زندہ کر دیا گیا تھا، اس کے بعد اتنی ہی اولاد مزید عنایت فرمائی گئی تھی۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بیوی جاں نثار حضرت رحمت سے 26 لڑکے پیدا ہوئے۔ (تفسیر مظہری) واللہ اعلم۔ ان میں سے چند صاحبزادوں کے اسماء متبرکہ یہ ہیں:۔ سب سے بڑے صاحبزادے حومیل تھے ان کے علاوہ مقیل رشد، رشید اور بشر تھے۔ آپ کی تمام اولاد اللہ تعالیٰ کے سچے متبع اور دین صحیح کے ماننے والے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے آپ کے صاحبزادے بشر کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تھا اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو ذوالکفل کا تذکرہ آیا ہے اس سے مراد حضرت بشر بن ایوبؑ ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج: 1 ص: 225) واللہ اعلم۔

حضرت بشر بن ایوبؑ کے متعلق ایک عجیب وغریب عبرت خیز واقعہ شیخ کامل حضرت محمد بن احمد بن ایاس حنفی نے نقل فرمایا ہے (بدائع الزہور فی وقائع الدہور ص: 129)۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ کی وفات کے بعد اس زمانہ کا ایک کافر بادشاہ جس کا نام لام بن دعام تھا حضرت ایوبؑ کے صاحبزادوں کو اپنی سلطنت اور حکومت کے زعم پر یہ پیغام دیا کہ تم کو چاہئے کہ اپنی حسین نازک بہن کی شادی مجھ سے کر دو، ان حضرات نے نہایت سنجیدگی ومتانت سے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم نبیؑ کی اولاد ہیں۔ ہمارے مذہب میں کافر سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اگر تم ہمارا مذہب قبول کر لو تو ہم تمہاری شادی اپنی بہن سے کر سکتے ہیں۔

اس ظالم بادشاہ نے اپنی سلطنت کی طاقت پر انکو دھمکایا اور جب دیکھا کہ یہ اس کے باوجود اپنی رائے پر قائم ہیں تو اس نے آخری پیغام میں جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کی قوت اور سلطنت بڑی تھی اس کی فوجی طاقت ان حضرات سے بہت زائد تھی۔ اس لئے ایسے نازک وقت میں سب

اولاد ایوبؑ نے باہم مشورہ کیا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہئے۔ بالآخر بڑے صاحبزادے حضرت حومیل بن ایوبؑ نے فرمایا کہ ہم کو اس کافر سے جہاد کرنا ہے۔ اس فیصلہ کے بعد حضرت ایوبؑ کی تمام اولاد اور جو حضرات دولت ایمان سے سرفراز تھے وہ سب جمع ہو کر اس ظالم سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ بہت زبردست جنگ ہوئی۔ لیکن حق تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی۔ اور ان مظلوموں کو شکست ہوئی۔ اس ظالم نے فتح کے بعد اپنے لشکر کو حکم دیا کہ میدان سے ان کی فوج بھاگنے نہ پائے۔ سب کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ بہت سے انسان اس کی قید و بلا میں مبتلا ہو گئے اور ان کی دولت پر اس ظالم کا پورا تسلط ہو گیا۔ اتفاقاً اس جنگ میں حضرت بشر بن ایوبؑ بھی گرفتار کر لئے گئے جب تمام قیدی بادشاہ کے سامنے حاضر کئے گئے تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت بشر کو قتل کر دیا جائے۔ پھر ان سے فدیہ مالی کے لالچ کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کر دیا اور جیل خانہ میں رہنے کا حکم دیا۔ حضرت حومیل نے اپنے بھائی کو رہائی دلانے کے لئے فدیہ مالی کا انتظام فرمایا، مگر ابھی بھیجنے نہ پائے تھے کہ ایک شب خواب میں دیکھا کہ عالم غیب سے کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے حومیل اس ظالم کے پاس اپنے بھائی کا فدیہ مت بھیجو کیونکہ یہ کافر بادشاہ عنقریب مسلمان ہو جائے گا اور تمہارے بھائی کا انجام بخیر ہوگا۔ حضرت حومیل نے یہ خواب اپنے رفقاء کو سنایا۔ چونکہ یہ نبیؑ کے بڑے صاحبزادے اور خدا کے مقبول بندے تھے، ان کا خواب بھی ایک قسم کا الہام حق تھا اسی وجہ سے انہوں نے فدیہ نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ پورا واقعہ کسی ذریعہ سے اس کافر بادشاہ کے علم میں آ گیا سن کر بہت ہی غضبناک ہوا اور حضرت بشر بن ایوبؑ کو بجائے قتل کرنے کے آگ میں جلانے کا فیصلہ کر لیا اور حکم دیا کہ ایک گہری خندق کھودو اور اس کو خوفناک آگ سے بھر دو تا کہ ہم اس قیدی کو اس میں جلا کر دل کی آگ بجھائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں اس کی فوج نے پورا اہتمام کیا۔ جب آگ پوری طرح سے بھڑکنے لگی تو حضرت بشر کو اٹھا کر آگ میں ڈالنے کا انتظام کیا مگر حق تعالیٰ کی عجب قدرت کا ظہور ہوا کہ ایسی خوفناک آگ بھی ان کو جلا نہ سکی اور اس سخت خوفناک آتش کدہ میں رہنے کے باوجود حضرت بشر

ہر طرح سے صحیح وسالم اور محفوظ رہے۔ اس قدرت حق کو دیکھ کر بادشاہ نے بہت اظہار تعجب کیا اور کہنے لگا کہ بشر تم بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہو۔ حضرت بشر نے اس نادان بادشاہ کو سمجھایا کہ اے بادشاہ ہم لوگ جادوگر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے جداعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کی یہ برکت ہے کیونکہ ان کو بھی بادشاہ نمرود نے اظہار حق کے جرم میں آگ کی خندق میں ڈالا تھا۔ مگر وہ آگ خدا کے خلیل کو جلا نہ سکی تھی بلکہ ٹھنڈک وسلامتی بن گئی تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے ان کی اولاد پر فضل فرمایا ہے۔ حضرت حومیل کے خواب کے صادق ہونے کا وقت آگیا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ کو اپنی حرکت پر ندامت ہوئی۔ اور فضل الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ وہ بادشاہ کفر کی گمراہی سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔ اور اس کے اسلام لانے کی وجہ سے اس کی تمام رعیت بھی مسلمان ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت ایوبؑ کی اولاد نے حسب وعدہ اپنی بہن کی شادی اس مسلمان خدا کے تابع فرمان بادشاہ سے کردی۔ حضرت حومیل نے بحکم الٰہی اپنے اس بھائی کو تمام اہل شام کی طرف مبلغ دین بنا کر بھیجا اور بادشاہ لام بن دعام مسلمان ہونے کے بعد سے تبلیغ دین اسلام کے لئے جد وجہد کرنے لگے اور وقتاً فوقتاً کافروں سے جہاد کرنے میں مصروف ہونے لگے۔ ان مقدس اعمال کو انجام دیتے ہوئے اول حضرت حومیل کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد حضرت بشر بھی اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے۔ اس کے بعد خدا کا پیام اجل بادشاہ لام بن دعام کو پہنچا۔ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سوال: حضرت ایوبؑ کے واقعہ میں درس عبرت کیا ہے؟

جواب: قرآن حکیم نے قصہ حضرت ایوبؑ کے خاتمہ پر ارشاد فرمایا۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ (پ:17 سورۃ الانبیاء)۔ یہ جو انعامات حضرت ایوبؑ پر نازل کئے گئے۔ (ہماری جانب سے خاص رحمت، اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار اور درس عبرت تھے تاکہ وہ یاد رکھیں کہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کو کیسی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا کرتے ہیں)

امام رازیؒ نے فرمایا کہ جو عجائبات قدرت اور عبرتیں قصہ حضرت ایوبؑ میں موجود ہیں اس

قدر دوسرے واقعات میں موجود نہیں ہیں۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان عظیم الشان عبرتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے تا کہ عام مسلمان اس کے مطالعہ سے سبق حاصل کریں۔ حق تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت ایوبؑ کی زندگی عجائبات قدرت کا ایک مجموعہ ہے کہ اسی برس تک نہایت راحت، نعمت، دولت اور ہر طرح کے سامان عیش وعشرت حاصل رہے۔ کسی قسم کی پریشانی کا نام نہ تھا، بلکہ دنیوی وجاہت اور دولت کی وجہ سے تمام راحتوں اور لذتوں سے ہمکنار تھے۔ ان تمام نعمتوں کے باوجود حضرت ایوبؑ حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول اور احکام خداوندی کے سچے تابعدار تھے۔ ان کی مقبولیت کا چرچا ساکنان ارض وسما میں ہو رہا تھا۔ اس کے بعد حق سبحانہ تعالیٰ نے ان کے کمالات کا دوسرا رخ عالم میں ظاہر کرنا چاہا، اس لئے سخت مشکلات میں ان کو مبتلا فرمایا اور ان کی تمام راحتوں اور نعمتوں کو کلفتوں اور سخت تکالیف سے بدل دیا۔ اول ان کی دنیوی دولت کو ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ختم کر دیا جس کی وجہ سے دنیوی وجاہت کا خاتمہ ہوا۔ پھر ان کی ساری اولاد محلات کے گر جانے کی وجہ سے یکا یک ہلاک کر دی گئی جس کی وجہ سے حضرت ایوبؑ پر غم کے پہاڑ یکدم ٹوٹ پڑے۔ سارے بچوں کے زخمی لہولہان لاشے تڑپتے ہوئے حضرت ایوبؑ کے سامنے موجود تھے۔ مگر ان سب مشکلات کے باوجود حضرت ایوبؑ نے غایت درجہ صبر وتحمل کا اظہار فرمایا۔ اور کمال بندگی کا ایسا عظیم الشان کردار پیش فرمایا جس کا اس دور میں تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں نقل فرمایا ہے کہ ساری اولاد واموال کی تباہی اور بربادی پر بھی حضرت ایوبؑ مولیٰ حقیقی کی تقدیر پر راضی رہے اور حق تعالیٰ کی حمد کرتے رہے۔

(ابن کثیر پ: 17 سورۃ الانبیاء)

اس عظیم الشان امتحان میں شاندار کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت ایوبؑ کے مزید کمالات صبر اہل عالم کو دکھلائے جائیں اور حق تعالیٰ کے دشمنوں کے سامنے عبد محبوب حضرت ایوبؑ کے کمالات صبر کا مزید اظہار کیا جائے اور ابلیس اور اس کی جماعت کو مزید ناکامی اور ذلت

ورسوائی میں مبتلا کیا جائے۔ تو جب ان امتحانات میں حضرت ایوبؑ کی شاندار کامیابی کے بعد ابلیس نے پروردگار عالم سے عرض کیا کہ الٰہی میں نے تیرے بندے ایوبؑ کو خوب آزمالیا ہے، مال ودولت اور اولاد کے برباد ہونے پر ان کا صبر اس وجہ سے ہے کہ ان کو یہ یقین حاصل ہے کہ یہ سب نعمتیں ان کو دوبارہ آپ عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا امتحان تو کامل درجہ کا اس صورت میں ہوگا کہ آپ مجھ کو ان کے بدن پر مسلط کردیں اور مجھ کو یہ طاقت دیں کہ میں ایوبؑ کے بدن کو مختلف تکلیفیں پہنچاؤں۔ مجھ کو یقین کامل ہے کہ ایوبؑ ہرگز اس پر صبر نہ کرسکیں گے۔ اور یقیناً بے قرار ہوجائیں گے۔ آپ کی ناشکری کرنے لگیں گے۔ حق جل شانہ کو حضرت ایوبؑ کی شجاعت مردانہ اور ہمت زمانہ کا پورا پورا علم تھا۔ ابلیس کو اس کے اس دعوے میں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اور حضرت ایوبؑ کے مزید کمالات صبر کو اظہار فرمانے کے لئے اللہ نے ابلیس سے خطاب فرمایا اے ابلیس مردود جا۔ میں نے تجھ کو ایوبؑ کے بدن پر تسلط دے دیا۔ تو اپنی طاقت استعمال کر اور ایوبؑ کے کمالات صبر کا مشاہدہ کرلے۔ ابلیس اس خبر کو سن کر مسرت وشادمانی سے پھولا نہ سمایا۔ کیونکہ اس کو اپنی کامیابی کا یقین تھا، کہ میں حضرت ایوبؑ کو اس درجہ ستاؤں گا کہ وہ بے قرار ہوجائیں گے اور پروردگار عالم کی یاد سے غافل ہوکر طرح طرح کی بے صبری اور ناشکری کے جرم میں گرفتار ہوجائیں گے۔ اس خیال خام اور منصوبہ ناکام کے ساتھ ابلیس حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ غایت تواضع کیساتھ پروردگار عالم کے سامنے سربسجود ہیں۔ ظالم نے اتنی بھی مہلت دینا گوارہ نہ کی کہ وہ سجدہ سے ہی فارغ ہوجائیں۔ بلکہ فوراً ہی سجدہ ہی کی حالت میں ابلیس نے پوری طاقت سے شدید حملے حضرت ایوبؑ پر شروع کردئے۔ اس کے ان خوفناک حملوں سے حضرت ایوبؑ جن مشکلات میں مبتلا ہوئے اس کی تفصیل ہم نے صحیح روایات کی روشنی میں بیان کردی ہے۔ جس کے مطالعہ سے ہر صاحب عقل وفہم کو یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ حضرت ایوبؑ ان حملوں کی وجہ سے جن تکالیف میں مبتلا تھے اگر اس قسم کی تکلیف اس زمانہ میں کسی انسان پر نازل ہوتو وہ ایک گھنٹہ بھی صبر وسکون کے ساتھ گزار نہیں سکتا۔ لیکن حضرت ایوبؑ

نے اس شدت کی بیماری اور سخت جسمانی تکالیف میں حق تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا کمال بندگی سمجھا۔ اور بدستور حق تعالیٰ کی عبادت اور بندگی نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ بجالاتے رہے اور ہر مشکل اور ہر مصیبت پر بہت صبر وتحمل فرماتے رہے۔ کوئی ادنیٰ سا کلمہ بھی ناشکری کا منہ سے نہ نکلا۔ کافی زمانہ بیماری میں مبتلا رہنے کے باوجود جب ایک روز موقع پاکر آپ کی پاکباز بیوی حضرت رحمتؓ نے نہایت ہمدردانہ جذبہ سے عرض کیا اے اللہ کے پیارے نبی اگر تم اپنی صحت وعافیت کے لئے دل سے دعا کرو تو مجھ کو کامل توقع ہے کہ اس سخت ہولناک مصیبت سے آپ کو رہائی حاصل ہو جائے۔ آپ نے ان کی اس التجا کے جواب میں نہایت متانت سے فرمایا۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ ہماری راحت وآرام کا دور کتنے زمانے رہا۔ بی بی جاں نثار نے عرض کیا کہ اے اللہ کے محبوب نبی ہماری راحت وآرام کا دور تو بیماری کے زمانہ کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ یہ سن کر حضرت ایوبؑ نے ارشاد فرمایا:۔

اَسْتَحِیُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالیٰ اَنْ اَدْعُوَهُ وَمَابَلَغَتْ مُدَّةُ بَلَائِیُ مُدَّةَ دُخَائِیُ ۔ (روح المعانی) مجھ کو تو حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ ابھی تو میری مصیبت کا زمانہ راحت کے زمانہ کے برابر بھی نہیں گزرا۔ حضرت ایوبؑ کے ان کمالات صبر کی قرآن کریم نے عجب شان سے اس آیت کریمہ میں مدح فرمائی ہے۔

اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا۔ (بیشک ہم نے ایوبؑ کو صبر کرنے والا پایا)

پھر جب اٹھارہ سال راجح روایت کے مطابق اس امتحان پر گزر گئے تو حق تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو دعا الہام فرمائی۔ الہام حق کے مطابق آپ نے صحت کیلئے یہ کلمات دعائیہ زبان پاک ودل سے ادا فرمائے۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۔ (حضرت ایوبؑ نے پروردگار عالم کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ لہٰذا اپنی مہربانی سے میری تکلیف رفع کر دیجئے)۔ (پ:17 سورۃ الانبیاء)

آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا گیا اور فوراً ہی عجیب وغریب اسباب شفاء عالم غیب سے

ظاہر فرمائے گئے۔ جس کی تفصیلات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت ایوبؑ نے ہر امتحان میں کس درجہ اطمینان کا اظہار فرمایا اور ہر سخت دور میں کس درجہ ثابت قدم رہے، اور نعمتوں کے زوال پر بھی حق سبحانہ کا شکر دل سے فرماتے رہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کامیابی کا اعلان اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا کے شوکت کلام سے فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ۔ صبر آدھا ایمان ہے۔ (رواہ ابونعیم والخطیب) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ صبر کا تعلق ایمان سے ایسا ہے جیسا کہ سر کا تعلق بدن سے۔ تو جیسے وہ بدن بیکار ہے جس میں سر نہیں اسی طرح اس کا ایمان ہی نہیں جس کو صبر نہیں۔ یاد رکھو کہ صبر کی حقیقت اسلام میں یہ ہے۔ "نفس کی خواہش کے خلاف احکام شرعیہ کو بجالانا" اسی وجہ سے صبر کی تین قسمیں ہیں۔

اول۔ اَلصَّبْرُ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ، یعنی حق تعالیٰ کی عبادت پابندی سے کرنا اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔

دوسرے۔ اَلصَّبْرُ عَنْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ، یعنی گناہوں کے ترک پر صبر کرنا اور نفس کو حق تعالیٰ کی نافرمانی سے روکنا۔

تیسرے۔ اَلصَّبْرُ عَلَی الْمَصَائِبِ، مصیبتوں پر راضی رہنا۔ حق تعالیٰ کی شکایت نہ کرنا۔ ادب کے ساتھ خاموش رہنا۔

شریعت محمدی میں ہر قسم کے صبر کے بہت سے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن ان تمام اقسام صبر میں مصیبتوں پر صبر کرنے کی بہت فضیلتیں بیان کی گئی ہیں کیونکہ مصائب پر صبر کرنا بہت زیادہ دشوار ہے۔ اس صبر کی ایک فضیلت تو ابھی قرآن کریم سے بیان کی گئی اور حضرت ایوبؑ کے واقعہ سے بھی صبر علے المصائب کی بہت سی فضیلتیں معلوم ہوتی ہیں۔ چونکہ تذکرۂ ایوبؑ لکھنے کا اصل مقصد مسلمانوں کو ان کی مشکلات پر جو رات دن مضطرب بنارہی ہیں، تسلی دلانا اور ان پر صبر کی

تلقین کرنا ہے اس لئے مصیبتوں پر صبر کرنے کے فضائل میں چند احادیث شریفہ اور بزرگان دین کے اقوال ذکر کئے جاتے ہیں۔

صبر کے متعلق احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کی یہ خوش نصیبی ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم اور تقدیر پر راضی ہو۔ (ترمذی شریف)
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تجھ کو کوئی مصیبت پیش آئے تو پھر یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو جاتا۔ (یعنی مثلاً اگر میں فلاں کام کرتا تو میرا یہ نقصان واقع نہ ہوتا) بلکہ یوں کہا کرو کہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اور جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسلئے کہ لفظ اگر شیطان کے عمل کا راستہ کھول دیتا ہے مراد یہ ہے کہ جب تم پشیمان ہو کر کسی گزشتہ واقعہ کی صورتوں اور حالات پر غور کرو گے تو شیطان تم کو وسوسہ سے پریشان کرے گا اور افسوس دلائے گا۔ (مسلم شریف)
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کو کوئی مصیبت پیش آئے تو اس وقت یہ کلمات دل سے کہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ ھٰذِہٖ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْراً مِّنْھَا۔ (اے اللہ تعالیٰ مجھ کو اس مصیبت پر اجر عطا فرمایئے اور اس کے بدلے مجھ کو اور خیر عطا فرمایئے)۔ ایسے شخص کو مصیبت پر ثواب ملے گا اور اس مصیبت کے بعد اس کو خیر نصیب ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اقوال سلف

- حضرت عزیرؑ کو حق تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے عزیر جب تجھ کو کوئی مصیبت پیش آئے تو اس بات سے احتیاط رکھنا کہ اس مصیبت کا چرچا کرے اور مخلوق سے تو میری شکایت کرے۔ (تنبیہ المفرین للعلامہ اشعرانی ص:76)

- حضرت داؤدؑ کو یہ وحی کی گئی کہ اے داؤدؑ تم مصیبت پر صبر کرو تو تم کو میری امداد حاصل ہوگی۔
- حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو عمدہ زندگی صبر ہی میں پائی ہے۔
- کعبؓ احبار نے فرمایا کہ جو شخص مصیبت کا شکوہ مخلوق سے کرتا ہے اس کی نحوست سے عبادت کا لطف ہی اس کو حاصل نہیں ہوتا۔
- حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، اگر محتاجی، بیماری، موت اس عالم میں نہ ہوتی تو انسان کا تکبر حد درجہ کو پہنچ جاتا۔
- حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ مسلمان پر طرح طرح کی مسلسل مصیبتیں نازل فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ تمام گناہوں کا وہ کفارہ بن جاتی ہیں۔ اور سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اس پر کسی گناہ کا اثر باقی نہیں رہتا۔

مصیبتوں پر صبر کرنے کا طریقہ

خاتمہ پر دو کیمیائی نسخے تحریر کیے جاتے ہیں۔ ان کو اگر خلوص کے ساتھ استعمال کیا جائے گا تو انشاء اللہ قلبی پریشانی اور روحانی بے چینی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اور زندگی میں لطف اور خوشگواری پیدا ہوجائے گی۔

اول۔ جب کوئی حادثہ، مصیبت، رنج، غم، اذیت، بیماری دکھ درد پیش آئے تو مسلمان کا پہلا عمل یہ ہے کہ فوراً کہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ، اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ ھٰذِہٖ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

اس کے بعد یہ عقیدہ راسخ کرے کہ اَلْخَیْرُ فِیْ مَا وَقَعَ (جو واقعہ پیش آیا وہ خیر ہے)۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو مصیبت پیش آئی وہ دراصل مصیبت نہیں بلکہ خیر اور نعمت ہے۔ اس عقیدہ کی برکت سے انشاء اللہ فوراً سکون قلبی نصیب ہوجائے گا۔ اس دور کے روشن خیال حضرات اس پر یہ شبہ کر سکتے ہیں کہ بھلا جب کھلی آنکھوں ہم پر کوئی مصیبت اور پریشانی پیش آئی تو

اس کے بارے میں یہ عقیدہ کیسے قائم کیا جا سکتا ہے کہ یہ خیر اور بھلائی ہے۔ اس شبہ کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عقلاً ہر مصیبت خیر ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلامی عقیدہ کے مطابق جب مصیبتوں پر صبر کرنے سے بہت ثواب اور نعمت اور خیر آخرت کا انسان مستحق ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ہر مصیبت ذریعہ نعمت اور خیر ہے اور یہ عقلاً مسلم ہے کہ ذریعۂ نعمت بھی نعمت اور ذریعۂ خیر بھی خیر ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مصیبت چونکہ ذریعہ خیر ہے اس لئے خود مصیبت بھی خیر اور مستقل نعمت ہے۔ چنانچہ عارف باللہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک سخت بیمار نے حضرت اقدسؒ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ان الفاظ سے دعا فرمائی۔ اے اللہ بلا بھی نعمت ہے مگر یہ بندہ اس نعمت کی قدر نہیں جانتا۔ الٰہی وہ نعمت عطا فرما جس کی یہ بندہ قدر کر سکے۔

دوسرے یہ بات عقلاً مسلم ہے کہ پروردگار عالم کی قدرت لامتناہی اور غیر محدود ہے لہٰذا جو مصیبت کسی شخص پر پیش آئی تو باری تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ اس سے بڑی بھاری مصیبت اس پر نازل فرما دیں۔ کیونکہ ان کی قدرت تو غیر محدود ہے لہٰذا یہ آنے والی مصیبت ان مصیبتوں کے اعتبار و لحاظ سے جو اس سے حد درجہ خوفناک اور خطرناک ہیں، یقیناً خیر کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ لہٰذا یہ مصیبت بھی ایک نوع کی خیر ہے۔ گو خیر اضافی ہی سہی۔ جیسا کہ مصلح قوم سعدی شیرازیؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاؤں ننگے تھے تو وہ جوتے نہ ہونے پر افسوس کر رہے تھے، اتفاق سے انہوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا کہ جسکے پاؤں ہی کٹے ہوئے تھے۔ فوراً حق تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کیا کہ الٰہی شکر ہے کہ آپ نے میرے پاؤں تو محفوظ رکھے، جوتے نہیں تو غم نہیں۔ دیکھئے حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے بڑی مصیبت کو دیکھ کر اپنی مصیبت کی قدر ہوئی اور شکر نعمت بجا لائے۔ پس ثابت ہوا کہ ہر مشکل کے بارے میں یہ رائے اور عقیدہ رکھنا بالکل صحیح اور پر حقیقت ہے کہ اَلْخَیْرُ فِیْ مَا وَقَعَ (یعنی جو واقعہ پیش آیا وہی بہتر ہے)۔ خلاصہ کلام یہ کہ اگر تمام مسلمان اس عقیدہ کو پختگی سے اختیار کر لیں تو ہر مصیبت کے آنے پر ذہنی الجھن اور قلبی پریشانی سے محفوظ رہیں گے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

دوم۔ ہر مصیبت کے وقت حق تعالیٰ کو یاد کیا کریں۔ اور اچھا یہ ہے کہ اس کے ازالہ کیلئے دعا شروع کر دیں۔ اور دعا کیلئے بہتر یہ ہے کہ اول نفل نماز پڑھیں اور پھر دعا کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (مدد چاہا کرو صبر کے ذریعہ سے اور نماز کے ذریعہ سے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب آپ کو کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا تو آپ نماز پڑھتے۔ مصیبت کے وقت یادِ الٰہی کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی سے قلب کو سکون ہو جاتا ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ تو جب ذکر الٰہی سے قلب کو سکون حاصل ہو گا تو قلبی پریشانی جو اصل تکلیف اور روح کو اذیت دیتی ہے وہ رفع ہو جائے گی۔ لہٰذا زندگی میں جو کوفت اور الجھن ہے وہ ختم ہو جائے گی پھر اگر دعا قبول ہو گئی تو ظاہری پریشانی بھی باقی نہ رہے گی۔ اور دعا میں بہتر یہ ہے کہ جو دعا حضرت ایوبؑ سے منقول ہے اس کو پڑھ کر دعا مانگیں۔ بہتر یہ ہے کہ رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کی ایک تسبیح روزانہ پڑھ لیا کریں۔ اور اس کے بعد دل سے اور توجہ قلبی سے اس وظیفہ کی پابندی کریں۔ امید ہے کہ برادران اسلام ان ہر دو عمل کو مصائب کے وقت میں وظیفہ بنالیں گے۔

سوال: حضرت ایوبؑ کو بیماری کس دن لاحق ہوئی؟

جواب: حضرت ایوبؑ بدھ کے دن بیماری میں مبتلا ہوئے۔ (مشکوٰۃ ص: 391)

سوال: حضرت ایوبؑ اس بیماری میں کتنے دن مبتلا رہے؟

جواب: اس میں پانچ اقوال ہیں (1) حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت ایوبؑ بیماری میں 18 سال رہے (2) حضرت وہب فرماتے ہیں کہ پورے تین سال رہے (3) حضرت کعب فرماتے ہیں کہ حضرت ایوبؑ بیماری میں سات سال مبتلا رہے (4) سات سال سات ماہ تک بیمار رہے، (5) سات دن سات گھنٹے رہے۔ (تفسیر مظہری)

سوال: حضرت ایوبؑ کا ذکر مبارک قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

جواب: حضرت ایوبؑ کا ذکر مبارک قرآن حکیم کی چار سورتوں میں آیا ہے:۔

سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں صرف اسم گرامی ملتا ہے بقیہ دو سورتیں الانبیاء اور صٓ میں مختصر طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان پر امتحان و آزمائش کا ایک سخت مرحلہ پیش آیا تھا اور مصائب و آلام نے انہیں ہر چار سمت سے گھیر لیا تھا مگر وہ صبر و شکر کے سوا حرف شکایت تک زبان پر نہیں لائے۔ اللہ کی جناب میں اپنا وہی عبدیت کا تعلق برقرار رکھا بلکہ کچھ اور ہی زیادہ رجوع ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں انہیں ڈھانک لیا اور مصائب و آلام کے بادل دور کر کے انکو اپنے فضل و عطا سے مالا مال کر دیا اور ان کی تعریف فرمائی:۔ کہ ”وہ بہت ہی اچھا بندہ تھا ہماری طرف کثرت سے رجوع ہونے والا“۔

سوال: حضرت ایوبؑ کی قومیت، زمانہ بعثت اور سلسلۂ نسب کے متعلق وضاحت مطلوب ہے؟

جواب: حضرت ایوبؑ کے زمانہ بعثت اور ان کی قومیت کے بارے میں دو ماخذ اہم جانے گئے ہیں اول تورات، دوم، تاریخ قدیم کے بعض اقتباسات ان ہی دو حوالوں سے حضرت ایوبؑ کا کچھ تعارف مل سکتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں ان کی قومیت، زمانہ بعثت اور سلسلۂ نسب کے تعلق سے کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ اور جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا قرآن کریم کے مقاصد میں یہ بات شامل نہیں کہ وہ تاریخی حیثیت اور اس کے موضوع سے بحث کرے۔ اس کا اول و آخر مقصد تذکیر، دعوت و تبلیغ عبرت و نصیحت ہے۔ ان ہی مقاصد کے تحت وہ انبیاء و رسل کے تذکرے اور اس کے نتائج و عواقب بیان کرتا ہے۔ تاہم بطور تعارف تاریخ قدیم کے بعض اقتباسات کا نقل کر دینا فائدے سے خالی نہیں۔

کتب تاریخ میں ایک نام یوباب ملتا ہے۔ اہل تحقیق کا خیال ہے کہ ایوب اور یوباب ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں عبرانی زبان میں یوباب کو اواب کہا گیا اور یہی عربی ادب میں ایوب (علیہ السلام) ہو گیا۔ مولانا آزادؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ بنی یقطان کی نسل سے ہیں۔ اور عربی نژاد ہیں اس لئے وہ یا تو حضرت ابراہیمؑ کے ہم زمانہ ہیں یا پھر حضرت اسحٰق

وحضرت یعقوبؑ کے معاصر ہیں۔ لکھتے ہیں:

اولاً محققین تورات اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوبؑ عربی تھے۔ عرب میں ظاہر ہوئے اور سفر ایوب اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا۔ سفر ایوبؑ میں ہے کہ وہ شہر عوض (مشرقی فلسطین) میں رہے تھے اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کی مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے حملہ کیا تھا۔

ان دونوں تصریحوں سے بھی اس کی تصدیق ہوجاتی ہے کیونکہ کتاب پیدائش (تورات) اور تواریخ اول میں عوض کو آرام بن سام بن نوحؑ کا بیٹا کہا ہے اور رامی بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہے۔ (ترجمان القرآن ص:486 ج:2) عرب مؤرخ ابن عساکر بھی حضرت ایوبؑ کو ابراہیمی عہد کے قریب تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کو حضرت لوطؑ کا ہم عصر اور دین ابراہیمی کا پیرو خیال کرتے ہیں۔ (فتح الباری ص:326 ج:6) مؤلف قصص الانبیاء نجار مصری نے حضرت ایوبؑ کا زمانہ حضرت ابراہیمؑ سے ایک سو سال پہلے لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن عساکر نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بنت لوطؑ کے صاحبزادے ہیں اور قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ وہ لیا بنت یعقوبؑ یا رحمت بنت افرائیم بن یوسفؑ کے صاحبزادے ہیں۔

امام بخاری کی بھی غالباً یہی رائے ہے کیونکہ انہوں نے کتاب الانبیاء میں انبیاء کرام کی جو ترتیب قائم کی ہے اس میں حضرت ایوبؑ کا ذکر حضرت یوسفؑ کے بعد اور حضرت موسیٰؑ سے قبل کیا ہے۔ الغرض حضرت ایوبؑ عربی ہیں کیونکہ تمام مختلف اقوال میں بھی ان کے عرب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور آپ کا عہد حضرت یعقوب وحضرت موسیٰ علیہما السلام کا درمیانی عہد ہے۔

سوال: حضرت ایوبؑ کے واقعہ میں درس عبرت کیا ہیں؟

جواب: ◆ دولت وثروت، عزت وجاہت اور خوشحالی کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان کچھ زیادہ مشکل نہیں آسان ہے۔ لیکن بلا ومصیبت، عُسرت وتنگدستی میں حرف شکایت تک زبان پر نہ لانا اور صبر واستقلال کا ثبوت دینا بہت مشکل اور بڑا کٹھن کام ہے۔ اور اسی منزل پر

انسان کے ایمان باللہ کا وزن معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی بندہ اس زبوں حالی میں بھی ضبط واستقلال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور صبر وشکر کی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ تو بہت جلد اللہ کی دستگیری شامل حال ہو جاتی ہے۔ اور اس پر فضل وکرم کی بارش ہونے لگتی ہے۔ حضرت ایوبؑ کی زندگی اس کی روشن مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی صبر واستقلال کی وجہ سے انہیں دوچند عطا کیا۔

◆ ازدواجی زندگی میں بیوی کی وفاداری اور استقامت سب سے زیادہ محبوب شئے ہے۔ احادیث میں اس عورت کو جنت کی بشارت دی گئی ہے جو اپنے شوہر کے حق میں وفادار ثابت ہو۔ اور اس وفا ومحبت کی قدر وقیمت اس وقت قیاس وانداز ے سے کہیں زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے جب اس کا شوہر مصائب وآلام میں گرفتار ہو اور اس کے عزیز واقرباء تک اس سے کنارہ کش ہو چکے ہوں، حضرت ایوبؑ کی زوجہ مطہرہ نے آپ کے زمانہ مصیبت میں جس حسن وفا، اطاعت وغم خواری کا ثبوت دیا اللہ نے اس احترام میں حضرت ایوبؑ کی قسم کو پورا کرنے کیلئے عام احکام سے بالکل مختلف ایک ایسا حکم دیا جس سے اس نیک بیوی کی قدر ومنزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

◆ قرآن حکیم نے حضرت ایوبؑ کا واقعہ نقل کر کے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جب مصائب اور شدائد میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے رب سے بدگمان نہیں ہوتے اور نہ تنگ دل ہوتے ہیں بلکہ صبر واستقامت کے ساتھ اس کی نازل کی ہوئی آزمائشوں کو برداشت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور اسی سے آس لگائے رہتے ہیں، ان کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ اگر کچھ مدت تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہنے پر بلا نہ ٹلے تو پھر اس سے مایوس ہو کر دوسروں کے آستانوں پر ہاتھ پھیلانا شروع کر دیں۔ ان کے قلوب پر اس بات کا پورا اطمینان رہتا ہے کہ جو کچھ بھی ملنا ہے اللہ ہی کے ہاں سے ملنا ہے اس لئے مصیبتوں کا سلسلہ چاہے کتنا ہی دراز ہو وہ اللہ کا پرستار اور اسی کے آستانے پر ہاتھ پھیلانے والے ہیں۔ مصائب وشدائد میں حضرت ایوبؑ کی اس سیرت کو قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا، نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ۔ (سورۂ ص: آیت: 44)

بلاشبہ ہم نے ایوب کو صابر پایا، بہترین بندہ، اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا۔

◆ انسان کو نہ اچھے حالات میں اللہ تعالیٰ کو بھولنا چاہئے نہ برے حالات میں اس سے مایوس ہونا چاہئے! اچھا اور برا سب اللہ وحدہ لاشریک لہ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ انسان تقدیر کی گرفت میں ہے اور اس کا پابند، لیکن اللہ تعالیٰ نہ تقدیر کا پابند ہے اور نہ مجبور، وہ چاہے تو انسان کے برے حالات کو بہترین حالات میں بدل دے اور اگر چاہے تو بہترین حالات کو برے حالات میں بدل دے۔ اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کرنا چاہئے۔ حضرت ایوبؑ نے اپنے ناموافق حالات میں نہ صرف اپنا تعلق برقرار رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بار بار کثرت سے رجوع ہوتے رہے اس کے صلہ میں ان کے اہل وعیال کو نہ صرف واپس دیا گیا بلکہ دوچند اور دیا گیا۔ اور اس عطا کے بعد قرآن حکیم نے یہ درس دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دوچند فضل وکرم ہر عقل والے کے لئے نصیحت ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ۔ (سورۂ ص: آیت: 43) ”ہم نے ایوب کو اہل وعیال عطا کئے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور دیئے اپنی طرف سے رحمت کے طور پر اور نصیحت (یادگار) کے طور پر عقل والوں کے لئے۔

◆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت یونس

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور فکر امت....

حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے چند مریدین کے ساتھ عراق کے کودستانی علاقہ میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے، یہ پوری بستی کئی لاکھ افراد پر مشتمل تھی اور ان کا مذہب عیسائی تھا۔ اسلام کا پیغام آنے کے باوجود وہ لوگ عیسائیت پر قائم تھے۔ آپ نے وہاں جا کر ان کے بڑے بڑے سرداروں کو دعوت اسلام دی۔ آپ کی دعوت اور کچھ کرامات کو دیکھنے کے بعد ساری بستی اسلام میں داخل ہوگئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور فکر امت

حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہزاروں مشرک مسلمان ہوئے اور تائب شرک ہوئے۔

﴿القول الجمیل ص: ۶۳﴾

ایک اور قول کے مطابق ۹۹ لاکھ آدمی مسلمان ہوئے۔

﴿خطبات حکیم الاسلام﴾

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص: ۱۹۰﴾

◆◆◆

(۲۲) حضرت یونس علیہ السلام

سوال: حضرت یونسؑ کو اللہ نے کس لقب سے نوازا؟

جواب: ذوالنون لقب سے نوازا کَمَا قَالَ تَعَالیٰ: وَذَالنُّوْنِ اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِباً الخ کیونکہ نون کے معنیٰ مچھلی کے ہیں اور ذا بمعنی والا، یعنی مچھلی والا اور یہ لقب مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے دیا گیا۔ (حیاۃ الحیوان ص: 383)

سوال: حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں کتنے دنوں تک رہے؟

جواب: اس بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ سات گھنٹے رہے، (2) بعض نے کہا کہ تین دن رہے، اور (3) بعض نے کہا سات دن اور (4) بعض نے چودہ دن بیان کئے ہیں (5) اور امام سہیلی نے بیان کیا کہ حضرت یونسؑ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے (6) حضرت امام احمد نے کتاب الزہد میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امام شعبی کے سامنے کہا کہ حضرت یونسؑ چالیس دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے تو امام شعبی نے اس کی تردید کی اور کہا کہ حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ اس لئے کہ جب مچھلی نے یونسؑ کو نگلا تو چاشت کا وقت تھا اور جب نکالا تو سورج غروب ہو رہا تھا اور حضرت یونسؑ نے سورج کی روشنی دیکھ کر آیت لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ پڑھی تھی۔

(حیاۃ الحیوان ص: 384)

سوال: حضرت یونسؑ نے اپنی قوم میں تبلیغ کتنے دنوں تک کی؟

جواب: آپ نے اپنی قوم میں 33 سال تبلیغ فرمائی۔

سوال: حضرت یونسؑ کا ذکر قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

جواب: قرآن حکیم کی چھ سورتوں میں حضرت یونسؑ کا ذکر آیا ہے۔ چار سورتوں میں نام مذکور ہے اور دو سورتوں میں لقب ذاالنون اور صاحب الحوت کہہ کر صفت کا اظہار کیا گیا ہے۔

سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں انبیاء کرام کی فہرست میں صرف نام مذکور ہے۔ بقیہ چار سورتوں میں واقعات پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے اور حضرت یونسؑ کی حیات طیبہ کے صرف اسی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے جو ان کی پیغمبرانہ زندگی سے وابستہ ہے اور جس میں ان کے رشد و ہدایت کے مختلف گوشے دعوت بصیرت ہیں۔

سوال: حضرت یونسؑ کے والد کا نام اور ان کا زمانہ بعثت کیا ہے؟

جواب: مؤرخین اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یونسؑ کے والد کا نام متّیٰ ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں بھی یہی نام آیا ہے۔ اہل کتاب مؤرخین ان کے والد کا نام یوناہ لکھتے ہیں اور زمانہ بعثت 784ء تا 860ء قبل مسیح کے درمیان بتاتے ہیں۔

حضرت یونسؑ اسرائیلی نبی تھے مگر انہیں آشور (اسیریا) والوں کی ہدایت کے لئے عراق بھیجا گیا تھا اسی بنا پر آشوریوں کو قوم یونس کہا جاتا ہے۔ اس قوم کا مرکز اس زمانہ میں نینویٰ کا مشہور شہر تھا۔ جس کے کھنڈرات آج بھی دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے میں موجودہ شہر موصل کے عین مقابل پائے جاتے ہیں اور اسی علاقہ میں ''یونس نبی'' کے نام سے آج بھی ایک مقام موجود ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یونسؑ کے زمانے کا تعین تاریخی روشنی میں مشکل ہے البتہ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ جب ایران (فارس) میں طوائف الملوکی کا دور تھا اس وقت نینویٰ میں حضرت یونسؑ کو مبعوث کیا گیا۔ قرآن حکیم نے اس شہر کی مردم شماری ایک لاکھ سے زائد بتائی ہے۔ ترمذی کی ایک روایت میں یہ تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بیان کی گئی ہے۔

سوال: حضرت یونسؑ کا واقعہ قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں بیان کریں؟

جواب: حضرت یونسؑ کا واقعہ جس کا کچھ حصہ تو قرآن حکیم میں موجود ہے اور بقیہ روایات حدیث اور تاریخ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا حضرت یونسؑ عراق میں شہر موصل کے مشہور مقام نینویٰ کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ اس قوم میں شرک و کفر کی کثرت تھی حضرت یونسؑ کو ان کی ہدایت کے لئے مامور کیا گیا۔ وہ ایک طویل عرصہ تک قوم کو توحید کی دعوت دیتے

رہے لیکن قوم نے ان کی دعوت پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ اپنے کفر و شرک پر اصرار کرتے رہے اور گزشتہ قوموں کی طرح ان کا مذاق اڑانے لگے، اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ جب اجتماعی طور پر قوم نے ایسا فیصلہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو آگاہ کر دو کہ تین دن کے اندر اندر تم پر سخت عذاب آنے والا ہے۔

حضرت یونسؑ نے قوم میں یہ اعلان کر دیا، عذاب کے اس اعلان پر قوم کے بعض سرداروں کو یہ احساس ہوا کہ یونسؑ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا اور نہ یہ بات ان سے سنی گئی لہٰذا ان کا یہ اعلان نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں اس پر غور کرنا چاہئے چنانچہ آپس میں مشورہ کیا گیا اور یہ طے پایا کہ یہ دیکھا جائے کہ یونسؑ رات کو ہمارے شہر میں اپنی جگہ مقیم رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ اپنی جگہ مقیم ہیں تو سمجھ لو کہ کچھ نہیں ہوگا اور اگر وہ یہاں سے چلے گئے تو یقین کر لیا جائے کہ صبح کو ہم پر عذاب آئے گا تیسرا دن آنے سے پہلے آدھی رات کو حضرت یونسؑ وحی الٰہی کے اس اشارہ پر شہر سے نکل کر بہت دور چلے گئے صبح ہوئی تو عذاب الٰہی ایک سیاہ بادل کی شکل میں ان کے شہر پر منڈلانے لگا اور فضاء آسمانی سے نیچے ان کے قریب ہونے لگا۔ یہ اچانک اور وحشت ناک صورت دیکھ کر قوم کو یقین ہو گیا کہ اب ہم سب ہلاک ہونے والے ہیں۔ پھر حضرت یونسؑ کی تلاش میں نکل گئے اور طے کر لیا کہ ان پر ایمان لے آئیں گے اور پچھلے انکار سے توبہ کر لیں گے لیکن حضرت یونسؑ کو نہ پایا تو خود ہی پورے اخلاص کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے ہوئے بستی سے ایک میدان میں نکل آئے، عورتیں، بچے، مرد بوڑھے سب اس میدان میں جمع ہو گئے۔ اور نہایت آہ و زاری سے توبہ اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ پورا میدان آہ و بکا سے گونجنے لگا۔ ان کی اس سچی حالت پر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اترنے والا عذاب ان سے دور کر دیا جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے روایات میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ عاشورہ یعنی دسویں محرم کا دن تھا۔ ادھر حضرت یونسؑ بستی سے باہر اس انتظار میں تھے کہ اب اس قوم پر عذاب نازل ہوگا۔ انہیں قوم کی توبہ و استغفار کا حال معلوم نہ تھا۔

جب عذاب ٹل گیا تو فکر ہوئی کہ قوم میں مجھے جھوٹا قرار دیا جائے گا اور اس قوم کا یہ قانون تھا کہ جس شخص کا جھوٹ واضح ہو جائے اس کو قتل کر دیا جاتا۔ حضرت یونس کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ میں اب اپنی صفائی بھی پیش نہ کر سکوں گا اور قانون کی رو سے قتل کر دیا جاؤں گا انبیاء کرام اگرچہ ہر گناہ و معصیت سے پاک ہوتے ہیں مگر انسانی فطرت اور طبیعت سے جدا نہیں ہوتے۔ اس وقت طبعی طور پر یہ پریشانی اور خوف لاحق ہوا کہ اگر میں قوم میں واپس جاؤں گا تو قانون کی رو سے قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس غم و پریشانی میں شہر چھوڑ کر ہجرت کے ارادے سے نکل پڑے یہاں تک کہ بحر فرات کے کنارے پہنچ گئے وہاں ایک کشتی دیکھی جو لوگوں سے بھری ہوئی تیار کھڑی تھی لوگوں نے حضرت یونسؑ کو دیکھا تو سوار کر لیا کشتی روانہ ہوئی۔ جب وسط دریا میں پہنچی تو کشتی اچانک ٹھہر گئی نہ آگے بڑھتی نہ پیچھے چلتی۔ کشتی والوں نے اپنی کوشش پوری کرنے کے بعد اعلان کیا کہ ہماری کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے ایسے آدمی کو ظاہر ہو جانا چاہئے تا کہ ایک آدمی کی وجہ سے سب پر مصیبت نہ آ جائے۔ ہماری یہ کشتی منجانب اللہ چلتی بھی ہے اور رکتی بھی ہے۔ حضرت یونسؑ کہنے لگے اگر ایسا ہی اس کا دستور ہے تو وہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنے شہر کو بغیر اذن الٰہی چھوڑا ہے مجھے اپنے رب کی اجازت کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ لہٰذا مجھے دریا میں ڈال دو تا کہ اہل کشتی نجات پا جائیں۔ کشتی والے حضرت یونسؑ کی راست بازی اور نیک صورت دیکھ کر اس پر تیار نہ ہوئے انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا شخص مجرم بھی ہو سکتا ہے؟ آخر بعد مشورہ طے پایا کہ قرعہ اندازی کر لی جائے جس کا نام نکل آئے اس کو دریا میں پھینک دیا جائے۔

اتفاقاً قرعہ میں حضرت یونسؑ ہی کا نام نکل آیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوا دوبارہ سہ بار قرعہ اندازی کی ہر بار انہی کا نام نکلا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ حضرت یونسؑ کے خصوصی مقام کی وجہ سے تھا اگرچہ انہوں نے کوئی ایسی خلاف ورزی نہیں کی تھی جس کو گناہ یا معصیت کہا جاتا لیکن پیغمبر کے بلند مقام کے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ محض طبعی خوف کی وجہ سے بغیر اذن خداوندی ہجرت کر جائیں، شاید اسی قصور کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ الغرض جب بار بار حضرت یونسؑ ہی کا نام

آتا رہا تو سب نے انہیں دریا میں ڈال دیا شاید کنارہ قریب تھا تیر کر کنارے تک پہنچ جانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ رکی کشتی چلنے لگی۔ ادھر اللہ کے حکم سے ایک بہت بڑی مچھلی نے حضرت یونسؑ کو اپنا لقمہ بنالیا اور حضرت یونسؑ سیدھے اس کے پیٹ میں چلے گئے۔

حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت یونسؑ اس مچھلی کے پیٹ میں چالیس یوم تک رہے۔ یہ ان کو پانی کی تہہ تک لے جاتی اور دور دراز مسافتوں میں پھراتی رہتی۔ بعض مفسرین نے سات اور بعض نے تین دن اور بعض نے چند ساعات مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت لکھی ہے۔ حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ (مظہری) حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے آپ کو زندہ محسوس کیا، سجدہ میں جا کر اس ندامت کا اظہار کیا اور عفو و درگزر کی اس طرح مناجات کی:۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

"الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی یکتا ہے میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں بلاشبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کی درد بھری پکار کو سنی اور قبول فرمایا، مچھلی کو حکم ہوا کہ یونسؑ کو جو تیرے پاس ہماری امانت ہے اگل دے۔ مچھلی نے ساحل پر حضرت یونسؑ کو اگل دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پیٹ میں رہنے کی وجہ سے ان کا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے کسی پرندہ کا پیدا شدہ بچہ (جس کا جسم بے حد نرم ہوتا ہے) الغرض حضرت یونسؑ نہایت نحیف و ناتوان حالت میں خشکی پر ڈال دیے گئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان پر ایک بیلدار درخت اگا دیا جس کے پتوں کا سایہ حضرت یونسؑ پر سائبان کا کام دینے لگا اور ایک جنگلی بکری کو اللہ تعالیٰ نے مامور کر دیا وہ صبح و شام ان کے پاس آ کھڑی ہوتی اور حضرت یونسؑ اس کا دودھ پی لیتے۔ چند دن بعد جب قوت و طاقت لوٹ آئی تو حکم دیا گیا کہ دوبارہ اپنے شہر نینوی جائیں اور قوم میں رہ کر ان کی راہنمائی کریں۔ چنانچہ شہر واپس آئے قوم نے جب ان کو دیکھا کہ تو بے حد مسرت و خوشی کا اظہار کیا اور ان کی راہنمائی میں دنیا و آخرت کی کامرانی حاصل کی۔ آخر کار پوری قوم حضرت

یونسؑ کے ہاتھ پر ایمان لے آئی۔

ابن کثیرؒ نے واقعہ کی جو ترتیب قائم کی ہے وہ کچھ اسی طرح ہے جو درج کر دی گئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ الصافات)

سوال: حضرت یونس علیہ السلام کی وفات کہاں ہوئی؟

جواب: حضرت یونس علیہ السلام کے مقام وفات کے بارے میں مفسرین کے دو قول مشہور ہیں اول شہر نینویٰ جس میں وہ مبعوث کئے گئے تھے۔

دوم علاقہ فلسطین کے شہر الخلیل میں وفات پائی جو اکثر انبیاء کرام کا مدفن رہا ہے۔ اہل تحقیق نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے نجات پا کر نینویٰ واپس تشریف لے گئے اور انہوں نے اپنی بقیہ زندگی قوم کی ہدایت و رشد کے لئے وقف کر دی تھی۔ لہٰذا اقرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات بھی شہر نینویٰ میں ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔ ○○○

جب لوگ جنت میں جائیں گے تو ان کی عمر کیا ہوگی؟

جنت میں جانے کے بعد سب کی عمر تینتیس (33) سال کی ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عورتیں 17 سال یا 18 سال کی اور مرد 33 سال کے ہوں گے۔ (تفسیر عزیزی۔ پ 30)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ولادت بغداد میں 164ھ میں ہوئی اور وفات 241ھ میں ہوئی (اسماء رجال مشکوٰۃ ص: 226)

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت ذوالکفل

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پچاسی فیصد امت دین سے دور ہے...

میرے دوستو! اس وقت دنیا میں بے دینی کی آگ لگی ہوئی ہے ۸۵ فیصد امت دین سے دور ہے۔ اگر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت کو اپنی محنت نہ بنایا تو یہ بے دینی کی آگ کل بڑھتے بڑھتے ہمارے گھر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ اس وقت امت کی اکثریت جہنم کے کنارے پر کھڑی ہوئی ہے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ دردر پھر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی سنت کو زندہ کر کے لوگوں کا تعلق اللہ سے جوڑا جائے۔

حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے مسلمانوں کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہ آج قبروں سے نکل کر آئیں تو جیسا کہ ہمارے اعمال ہیں ان کو دیکھ کر ہمیں مجنوں و کافر کہیں گے۔ ﴿تبلیغ بالیقین کا ربوت ہے، حصہ دوم، ص: ۲۲۳﴾

دین کا مرکز، بے دینی کا گڑھ بن گیا

بخارا میں ایک وقت تھا کہ ۴ ہزار مدارس تھے اور ۴۰ ہزار کے قریب مساجد تھیں، جو سب دعوت و تبلیغ کو چھوڑنے کی وجہ سے کمیونسٹوں نے ختم کر دیں۔ ﴿علم اور اہل علم﴾

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس مجلس میں درس دیا کرتے تھے اس کا وضو خانہ اتنا بڑا تھا کہ ایک وقت میں ۵ ہزار آدمی وضو کر سکتے تھے۔ پھر وہ مسجد کتنی بڑی ہوگی۔ آج دعوت و تبلیغ کو چھوڑنے کی وجہ سے اس مسجد کی فضا اللہ کے نام کو سننے کے لئے ترستی ہے۔

﴿تبلیغ بالیقین کا ربوت ہے حصہ دوم، ص: ۲۲۳﴾

(۲۳) حضرت ذوالکفل علیہ السلام

سوال: حضرت ذوالکفلؑ کا ذکر قرآن مجید کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں حضرت ذوالکفلؑ کا ذکر دو سورتوں میں آیا ہے اور دونوں میں صرف نام مذکور ہے۔ یعنی انبیاء کرام کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ کوئی تفصیل یا واقعہ موجود نہیں۔ البتہ تفسیری روایات میں مختصر تفصیل ملتی ہے جو ان کے تعارف اور شخصیت کے لئے کافی ہے۔

سوال: حضرت ذوالکفلؑ کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: ذوالکفلؑ کے متعلق قرآن عزیز نے نام کے سوا کچھ نہیں بیان کیا۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کچھ منقول نہیں ہے لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس سے زیادہ نہیں کہا جاسکتا کہ ذوالکفلؑ خدا کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر تھے اور کسی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس سے زائد سے سکوت ہے، اس کے بعد دوسرا درجہ سیر وتوارخ کا ہے لیکن کافی تفتیش وجستجو کے بعد بھی ہم کو اس سلسلہ میں ایسی معلومات بہم نہیں پہنچ سکیں کہ جن کے ذریعہ سے ذوالکفلؑ کے حالات وواقعات پر مزید روشنی پڑ سکے، چنانچہ تورات بھی خاموش ہے اور اسلامی تاریخ بھی۔

سوال: حضرت ذوالکفلؑ کے نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور وہ کس زمانہ میں نبوت سے سرفراز کئے گئے؟

جواب: چونکہ قرآن حکیم نے حضرت ذوالکفلؑ کے بارے میں سوائے اسم گرامی اور کوئی واقعہ بیان نہیں کیا ہے۔ اسلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایات صحیحہ میں کچھ منقول نہیں ہے لہذا قرآن اور احادیث کی روشنی میں اس سے زیادہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ذوالکفلؑ اللہ واحد کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر تھے اور کسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے اور دیگر انبیاء کی طرح انہوں نے راہ حق میں مشقت ومصائب برداشت کئے اور کار نبوت کو کامل طور پر ادا کیا۔ اس کے

صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خاص رحمت میں داخل کر لیا جیسا کہ دیگر انبیاء کرام کے ساتھ معاملہ فرمایا ہے۔

البتہ ابن جریر نے مشہور مفسر تابعی امام مجاہدؒ سے ایک تفصیلی روایت نقل کی ہے جس سے ان کی شخصیت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بعض آثار نقل کیے ہیں اگرچہ ان کی سند میں انقطاع ہے تاہم نفس واقعہ میں دونوں مشترک ہیں۔ ذوالکفل کا لفظی ترجمہ "صاحب نصیب" ہے یعنی عادات واخلاق وبزرگی میں بہت بڑا حصہ پانے والا۔ قرآن حکیم نے ان کو اسی لقب سے یاد کیا ہے اور یہ لقب ان کے نام کی طرح استعمال کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت ایوبؑ کے بیٹے ہیں جو ان کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے اور ان کا اصل نام بشر تھا۔ علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اہل کتاب ان کا نام "حزقی ایل" بتاتے ہیں جو بنی اسرائیل کی اسیری (۵۹۷ء قبل مسیح) کے زمانے میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ بخت نصر بادشاہ نے عراق میں اسرائیلی قیدیوں کی ایک نوآبادی دریائے خابور کے کنارے قائم کر دی تھی جس کا نام تل ابیب تھا۔ اسی مقام پر ہدایت پر مامور رہے اور طرح طرح کی تکالیف اٹھاتے رہے اور دوسری طرف یروشلم کے حکمرانوں کو بھی توحید کی دعوت دیتے رہے جس کی وجہ سے ان کے مصائب میں دوچند اضافہ ہوتا رہا ممکن ہے ان کے اسی صبر وضبط کی وجہ سے انہیں ذوالکفلؑ کا لقب دیا گیا ہو۔ (ضبط وتحمل کا حصہ پانے والا) امام مجاہدؒ کی روایت حسب ذیل ہے۔

"جب اسرائیلی نبی حضرت الیسعؑ بہت بوڑھے ہو گئے تو انہیں یہ بار بار خیال آیا کہ کاش میری زندگی ہی میں کوئی شخص ایسا قابل ہو جاتا جو میرے بعد میری دعوت وتبلیغ کو صحیح طریقہ سے انجام دے سکے اور دین کا کام جاری رہ سکے۔ ایک دن انہوں نے بنی اسرائیل کا ایک بڑا اجتماع کیا اور ان کے سامنے یہ بات رکھی اور اس کے بعد اعلان کیا کہ میں تم میں سے ایک شخص کو اپنا خلیفہ نامزد کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ وہ مجھ سے تین باتوں کا عہد کرے۔

(1) دن بھر روزہ رکھے (2) شب کو یادِ الٰہی میں مشغول رہے (3) کبھی غصے میں نہ آئے۔

یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا جو عام نگاہوں میں گمنام قسم کا تھا کہنے لگا میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت الیسعؑ نے اپنی تینوں شرطیں دوبارہ بیان کیں اور دریافت کیا کہ ان کی پابندی کرو گے؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں! لیکن حضرت الیسعؑ نے اس کو قبول نہ کیا۔ دوسرے دن پھر اجتماع کیا اور کل کی بات دہرائی، سب خاموش رہے لیکن وہی شخص آگے بڑھا اور خود کو اس خدمت کے لئے پیش کیا اور تینوں شرطیں پوری کرنے کا عہد کیا۔ تب حضرت الیسعؑ نے اس کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔

شیطان مردود یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا اس کو برداشت نہ ہو سکا اس نے اپنی ذریت کو جمع کیا اور کہا کہ ایسی صورتیں اختیار کرو جن سے یہ شخص بہک جائے اور اپنی شرطوں پر قائم نہ رہ سکے۔ شیاطین نے بہت کوششیں کیں لیکن سب ناکام رہے وہ شخص دن بھر روزہ رکھتا، شب بھر عبادت کرتا اور کبھی کسی پر غصہ نہ کرتا تھا۔ آخر ابلیس لعین نے کہا کہ میں ہی اس کام کو انجام دوں گا تم مجھ پر چھوڑ دو۔

الیسعؑ کے اس خلیفہ کا یہ دستور تھا کہ وہ دن رات میں صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سو جاتے تھے تاکہ تھکان دور ہو جائے چنانچہ ایک دن ابلیس ملعون پراگندہ حال بوڑھے کی شکل میں اسی وقت ان کے دروازے پر پہنچا اور کھٹکھٹایا خلیفہ آرام چھوڑ کر باہر آئے پوچھا کہ کون ہو؟

ابلیس نے جواب دیا میں ایک مظلوم اور ناتواں بوڑھا ہوں میرے اور میری قوم کے درمیان ایک دیرینہ خصومت ہے ان لوگوں نے مجھ پر ظلم کر رکھا ہے اور مجھے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے پریشان کرتے ہیں اور پھر طویل داستان شروع کر دی یہاں تک کہ دوپہر کے سونے کا وقت ختم ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا اب تم جاؤ شام کو جو مجلس ہو گی تب آنا میں تمہاری دادرسی کروں گا۔ بوڑھا چلا گیا شام کو جب مجلس منعقد ہوئی تو خلیفہ نے دیکھا کہ وہ بوڑھا مظلوم موجود نہیں ہے یہاں تک کہ مجلس برخاست ہو گئی مگر وہ نہیں آیا۔ صبح کی مجلس میں انتظار کیا اس وقت بھی غیر موجود تھا۔

خلیفہ نے خیال کیا کہ شاید کوئی عذر پیش آگیا ہو۔ جب دو پہر کا وقت ہوا تو معمول کے مطابق لیٹے ہی تھے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی، اٹھ کر دیکھا تو وہی بوڑھا تھا پوچھا کہ کیا بات ہوئی جو تم عدالت کے وقت نہیں آئے؟ کہنے لگا اے ہمارے عزیز خلیفہ میرے مخالف بڑے خبیث قسم کے لوگ ہیں جب آپ کو مجلس میں دیکھتے ہیں تو آہستہ سے مجھ سے اقرار کر لیتے ہیں کہ مرافعہ نہ کرو ہم تمہارا حق دیدیں گے، لیکن جب آپ مجلس برخاست کر دیتے ہیں تو یکسر انکار کر دیتے ہیں اور پھر ان کی شرارتیں سنانے لگا یہاں تک کہ آرام کا وقت ختم ہو گیا خلیفہ نے کہا آج شام کو ضرور آجانا میں تیری موجودگی میں فیصلہ کر دوں گا اور اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا۔ بوڑھا معذرت کرتا ہوا دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا لیکن خلیفہ کو نیند نے بہت تھکا دیا تھا مسلسل دو دن آرام نہ کرنے پر مزاج میں تغیر پیدا ہونے لگا مگر شام کی مجلس حسب وعدہ منعقد کی اور دادرسی کے لئے بیٹھ گئے چاروں طرف نگاہ ڈالی بوڑھے کو نہ پایا، خیال کیا شاید پھر کوئی عذر پیدا ہو گیا ہو۔

تیسرا دن ہوا تو صبح کی مجلس اپنے وقت پر قائم کی سب لوگ آئے جنکے مقدمات تھے لیکن وہ بوڑھا آج بھی نہ آیا، خلیفہ نے سمجھا کہ ممکن ہے قوم کے ساتھ مصالحت ہو گئی ہو۔ عدالت سے فارغ ہو کر دو پہر کو آرام کے لئے گھر آئے اور اہل خانہ کو حکم دیا کہ آج دروازے پر کوئی شخص بھی آئے دروازہ نہ کھولا جائے۔ نیند نے مجھے بے بس اور عاجز کر دیا ہے خلیفہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ بوڑھے نے دروازے پر دستک دینی شروع کی، اندر سے جواب ملا کہ آج خلیفہ کا حکم ہے کہ کسی کے لئے بھی دروازہ نہ کھولا جائے

بوڑھے نے کہا کہ میں دو روز سے اپنے ایک اہم معاملہ میں حاضر ہو رہا ہوں اور خلیفہ نے مجھے اس وقت بلایا ہے اسلئے دروازہ کھول دیا جائے مگر دروازہ نہ کھلا۔ کچھ دیر بعد گھر والوں نے دیکھا کہ باہر کا دروازہ بند ہونے کے باوجود وہ شخص اندر موجود ہے اور خلیفہ کے کمرہ کے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔ خلیفہ نے اس غیر معمولی صورت پر دروازہ کھولا اور گھر والوں سے کہا کہ کیا

میں نے تم کو منع نہ کیا تھا کہ آج دروازہ نہ کھولنا۔ پھر یہ شخص کیسے داخل ہوا؟ پھر معاً دروازہ پر نظر ڈالی تو اس کو بند پایا اور بوڑھے کو اپنے قریب دیکھا۔ خلیفہ کو یقین ہوگیا کہ یہ ابلیس ہے ڈانٹ کر پوچھا اللہ کے دشمن کیا تو ابلیس ہے؟ کہا ہاں! میں ابلیس ہی ہوں۔ اے خلیفہ تو نے مجھے ہر طرح تھکا دیا اور میری ذریت بھی تجھ پر کسی طرح قابو نہ پا سکی تب میں نے یہ آخری صورت اختیار کی تا کہ کم از کم تجھ کو غضبناک ہی کر دوں مگر افسوس کہ میں خود ہی ناکام رہا اور تو اپنے عہد میں پورا ثابت ہوا۔

چنانچہ اس واقعہ کی بناء پر اللہ نے انہیں ذوالکفل کے نام سے مشہور فرما دیا۔ یعنی حضرت الیسعؑ سے جو انہوں نے عہد کیا تھا کہ اس کو پورا کرنے والا۔

امام مجاہدؒ کی یہ روایت چونکہ سند کے اعتبار سے محل نظر ہے اس لئے اس کی حیثیت ایک قصہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ نہ اس کو قرآن حکیم کی تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی حضرت ذوالکفلؑ کی ذاتی سیرت کے لئے دلیل و حجت کہا جا سکتا ہے۔ نیز اسی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں مرد صالح تھے۔ چونکہ قرآن کریم نے انہیں انبیاء کی فہرست میں شمار کیا ہے اس لئے یہ بات تو قطعی ہے کہ وہ یقیناً نبی تھے۔

رہی ان کی ذاتی سیرت اور واقعاتِ زندگی قرآن حکیم ان تفاصیل سے ساکت ہے۔ اسلئے اس روایت کو صرف ایک تاریخی روایت سے زائد حیثیت حاصل نہ ہوگی۔ شاہ عبدالقادر محدثؒ نے لکھا ہے کہ ذوالکفلؑ حضرت ایوبؑ کے صاحبزادے تھے اور انہوں نے حسبۃً للہ کسی شخص کی ضمانت قبول کر لی تھی جس کی پاداش میں ان کو کئی سال قید کی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ واللہ اعلم

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدت خلافت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کے بارے میں دو اقوال ہیں:

(1) سوا دو سال (تاریخ اسلام) (2) دو سال تین ماہ آٹھ دن (حیاۃ الحیوان ج:1 ص:71)

مخلوق کو راضی کرنے کی فکر

آجکل ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ اللہ کی رضا کی بجائے مخلوق کی رضا تلاش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب شادی کا موقع آتا ہے تو ہر بندہ چاہتا ہے کہ سب رشتہ داروں کو راضی کرلو۔

- ❖......یہ بھی بنالو......ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔
- ❖......انتظام ایسے کرلو......ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔
- ❖......جہیز اتنا بنالو......ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔
- ❖......کھانا ایسا بنالو......ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔
- ❖......یہ رسم بھی پوری کرلو......ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔
- ❖......وہ رسم بھی پوری کرلو......ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔
- ❖......ماموں ناراض تھا......جا کر منالیا۔
- ❖......سالا ناراض تھا......جا کر منالیا۔
- ❖......بہن ناراض تھی......جا کر منالیا۔
- ❖......چھوٹے ناراض تھے......ان کو بھی جا کر منالیا

کیا شادیوں کے موقع پر کوئی یہ بھی دیکھتا ہے کہ میں نے اللہ کو بھی راضی کیا ہے یا نہیں۔

(ازافادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم_ انمول حدیث ص:۳۴۸/۳۴۹/۳۵۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عزیر

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

۱

اولیاء اللہ اور فکر امت...

حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علاء الدین کلیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ تمام حضرات اپنے گھر اور وطن چھوڑ کر اس علاقہ میں کس غرض سے آئے۔ کیا مال و دولت اور حکومت کے حصول کے لئے آئے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ حضرات صرف اللہ کے دین کی تبلیغ اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان کا مقصد وہی تھا جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا تھا۔ ہمارے ملک میں موجودہ مسلمانوں کی تعداد اور کثرت انہیں حضرات کی تبلیغ کا صدقہ ہے۔ ان بزرگوں نے اتباع سنت میں فقیرانہ زندگی گزاری مجاہدے کئے۔ سختی اور تکالیف میں گزر بسر کی، لیکن فرض کی ادائیگی کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے درجات بلند فرمائے اور ان کے فیض کو جاری رکھے۔ آمین

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص: ۱۸۸﴾

◆◆◆

(۲۴) حضرت عزیر علیہ السلام

سوال: حضرت عزیرؑ کا ذکر قرآن کریم میں کتنے مقام پر ملتا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں حضرت عزیرؑ کا صرف اسم گرامی ملتا ہے اور وہ بھی اس ضمن میں کہ یہودیوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے لیا ہے جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا ہے۔ اس ایک جگہ کے علاوہ قرآن حکیم میں کسی اور مقام پر بھی ان کا نام لے کر ان کے حالات وواقعات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

سوال: حضرت عزیرؑ کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: مؤرخ اسلام ابن عساکر نے حضرت عزیرؑ کے والد کا نام جروہ لکھا ہے۔ اور صحیفہ عزرا میں ان کا حلقیاہ بتایا گیا ہے۔ سلسلۂ نسب کے بعض ناموں میں مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حضرت ہارونؑ بن عمران کی نسل سے ہیں۔

سوال: حضرت عزیرؑ کے تاریخی تعارف سے مطلع کریں؟

جواب: ساتویں صدی قبل مسیح کے وسط شہر بابل میں بخت نصر کا ظہور ہوا اس نے اپنی قاہرانہ اور جابرانہ طاقت سے قرب وجوار کی تمام حکومتوں کو مسخر اور زیر کر لیا اور پھر فلسطین پر مسلسل حملہ کر کے یروشلم اور فلسطین کے تمام علاقے کو تباہ وتاراج کر دیا اور بنی اسرائیل کو قید کر کے بڑی ذلت کے ساتھ بابل لے گیا، تورات کے تمام نسخوں کو جلا دیا۔ اس طرح کہ ایک نسخہ بھی یہودیوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔

اسرائیلی روایات کے مطابق بنی اسرائیل کا یہ دور ابتلاء حضرت سلیمانؑ کے عہد کے بعد کا ہے بابل کی اسیری تقریباً ستر سال قائم رہی۔ اس طویل عرصہ میں بنی اسرائیل نے اپنی شریعت، روایات، تہذیب وتمدن حتیٰ کہ اپنی قومی زبان عبرانی تک سے ناآشنا ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں حضرت عزیر صغیر سن تھے اور اسرائیلیوں کے ساتھ بابل ہی میں رہتے تھے۔ چالیس سال کی

عمر کو پہنچے تو فقیہ (مذہبی عہدہ) تسلیم کر لے گئے اور اس کے بعد ان کو منصب نبوت عطا ہوا۔ بنی اسرائیل کی اسیری بابل سے لے کر رہائی اور تعمیر بیت المقدس کی درمیانی مدت تک وہ بنی اسرائیل کی رشد وہدایت میں مشغول رہے ہیں۔

گزشتہ سطور میں یہ ذکر آچکا ہے کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کے مرد، عورتوں اور بچوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر لے چلا تو توراۃ کے تمام نسخوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے پاس نہ توراۃ کا کوئی نسخہ باقی بچا تھا اور نہ کوئی توراۃ کا حافظ تھا جس کو اول سے آخر تک توراۃ حفظ ہو۔ چنانچہ اسیری کے پورے دور میں وہ توراۃ سے محروم ہو چکے تھے۔ لیکن جب عرصۂ دراز کے بعد ان کو بابل کی اسیری سے نجات ملی اور وہ بیت المقدس میں دوبارہ آباد ہوئے تو اب انہیں فکر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب توراۃ کو کس طرح حاصل کریں۔ تب حضرت عزیرؑ نے سب اسرائیلیوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے توراۃ کو اول سے آخر تک پڑھا اور تحریر کروایا۔ بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جس وقت انہوں نے بنی اسرائیل کو جمع کیا تو سب کی موجودگی میں آسمان سے دو چمکتے ہوئے شہاب اترے اور حضرت عزیرؑ کے سینے میں سما گئے تب حضرت عزیرؑ نے بنی اسرائیل کو از سر نو توراۃ مرتب کر کے عطا کی۔ قوم میں اس خدمت سے حضرت عزیر علیہ السلام کی قدر و منزلت سو گنا بڑھ گئی اور پھر آہستہ آہستہ یہی محبت نے گمراہی کی شکل اختیار کر لی آخر انجام قوم نے حضرت عزیرؑ کو اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کیا جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہا ہے اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے اپنے اس عقیدے کے لئے یہ دلیل قائم کر لی کہ موسیٰؑ نے جب ہم کو توراۃ لا کر دی تھی تو الواح (تختیوں) پر لکھی ہوئی تھی مگر عزیرؑ نے تو کسی لوح یا قرطاس پر مکتوب لا کر دینے کی بجائے حرف بحرف اپنے سینے کی لوح سے اس کو ہمارے سامنے نقل کر دیا۔ اور عزیرؑ میں یہ قوت جب ہی ممکن ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوں۔ العیاذ باللہ۔

حضرت سلیمانؑ کے واقعات کے ضمن میں ایک صحیح روایت اس طرح نقل کی گئی ہے کہ کسی نبی

کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تھا انہوں نے غصہ میں چیونٹی کے سوراخ میں آگ ڈال کر تمام چیونٹیوں کو جلوا دیا۔ اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ ایک چیونٹی کی خطا پر تمام چیونٹیوں کو جلا دینا کس طرح جائز تھا؟ اس واقعہ کے متعلق ابن کثیرؒ نے اسحاق بن بشیر کی سند سے یہ نقل کیا ہے کہ امام مجاہدؒ، ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی عزیرؑ تھے۔ واللہ اعلم۔ (البدایہ والنہایہ، تاریخ طبری)

سوال: حضرت عزیرؑ کی موت کے واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: سورۂ بقر میں ایک برگزیدہ ہستی کا یہ واقعہ درج ہے کہ وہ اپنے خچر پر سوار ایک ایسی بستی سے گزر رہے تھے جو بالکل تباہ و برباد اور کھنڈر ہو چکی تھی وہاں نہ کوئی مکین تھا نہ مکان، مٹے ہوئے چند نقوش باقی تھے۔ ان بزرگ نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کے دل میں خواہش ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ مجھے یہ دکھا دیتے کہ یہ مردہ بستی کس طرح دوبارہ زندگی اختیار کرے گی۔ اور یہ تباہ حال ویرانہ پھر کیسے آباد ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر لی اور سو برس تک اسی حال میں رکھا۔ یہ مدت گزر جانے کے بعد ان کو دوبارہ زندگی بخشی اور پوچھا بتاؤ کتنے عرصہ اس حالت میں رہے ہو؟

(وہ جس وقت موت کی آغوش میں سوئے تھے تو دن چڑھے کا وقت تھا اور جب دوبارہ زندگی پائی تو آفتاب غروب ہو رہا تھا)۔ جواب دیا ایک دن یا اس سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ تم سو برس تک اسی حالت میں رہے ہو اب تم ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو (جو توشہ ان کے ساتھ تھا) اس میں ذرہ برابر بھی تغیر نہیں آیا ہے اور دوسری جانب اپنی سواری کے خچر کو دیکھو کہ اس کا جسم گل سڑ کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے اور پھر ہماری قدرت کا اندازہ کرو کہ جس چیز کو ہم نے چاہا کہ محفوظ رہے تو سو برس کے اس طویل عرصہ میں کسی قسم کے تغیر کے بغیر صحیح و سالم رہی اور جس چیز کے متعلق ارادہ کیا کہ اس کا جسم گل سڑ جائے تو وہ گل سڑ گیا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ سے فرمایا اسی طرح ہم مرنے کے بعد دوبارہ

زندگی عطا کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کیا تا کہ ہم تم کو اور تمہارے واقعہ کو لوگوں کے لئے ''نشان'' بنادیں اور تا کہ تم یقین کے ساتھ مشاہدہ کرلو کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندگی بخشے گا اور تباہ شدہ شئی کو دوبارہ آباد کرے گا۔ ان بزرگ نے قدرت الٰہی کے یہ ''نشانات'' دیکھنے کے بعد شہر کی جانب نظر کی تو اس کو پہلے سے زیادہ آباد اور بارونق پایا۔ پھر وہ پکار اٹھے کہ بلاشبہ تیری قدرت کاملہ کے لئے یہ سب کچھ آسان ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ واقعہ قرآن حکیم کی سورۂ بقرہ آیت: 259 میں موجود ہے۔ ان بزرگ کے نام کے سلسلے میں تفسیر روح المعانی کے مصنف نے مسند حاکم کی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ و حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بزرگ حضرت عزیرؑ ہیں۔

اور ایک دوسری روایت کے مطابق ان بزرگ کا نام حضرت ارمیاؑ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا تھا کہ تم یروشلم (فلسطین) جاؤ ہم اس کو دوبارہ آباد کریں گے۔ جب یہ وہاں پہنچے اور شہر کو تباہ و کھنڈر پایا تو بشری تقاضہ کے تحت ان کی زبان مبارک پر یہ جملہ آیا کہ اللہ تعالیٰ اس مردہ بستی کو دوبارہ کیسے زندگی عطا کرے گا؟ پھر ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش آیا جس کا ذکر آیات میں ہے اور جب وہ سو سال بعد زندہ کئے گئے تو یروشلم (بیت المقدس) آباد ہو چکا تھا اور ایک نئی نسل آباد تھی۔ جب یہ منظر دیکھا تو بے اختیار بول پڑے کہ میں اللہ کی قدرت کا یقین رکھتا ہوں۔

یہ ایک طبعی و اضطراری حالت ہے کہ نئی بات کو دیکھ کر اقرار قدرت کو تازہ کیا جاتا ہے جیسے **سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اللہ اکبر**، ایسے موقع پر ہمارے محاورات میں بھی عادت ہے۔

حالانکہ ان کے معنیٰ و مطلب کا پہلے سے بھی عقیدہ رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کے اس اعلان پر کہ حضرت عزیرؑ کو یہودی اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ آج کے بعض یہودی عالم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نے تو عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کبھی نہیں مانا ہے اسلئے قرآن کا دعویٰ غلط ہے۔ علماء یہود کا یہ اعتراض بھی اپنے آباء واجداد کی طرح تلبیس اور حق پوچی پر مبنی ہے ورنہ تو وہ جانتے ہیں اور ان

کے علاوہ ہر وہ شخص جانتا ہے کہ جس نے ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کی اور اس کو اقوام عالم کے مذاہب کی تحقیق سے دلچسپی رہی ہو اسے وہاں یہ نظر آئے گا کہ آج بھی نواح فلسطین میں یہودیوں کا وہ فرقہ موجود ہے جو حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتا ہے۔ اور رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح ان کا مجسمہ بنا کر ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ یہ ایک قدیم گمراہی ہے کہ انسان کسی میں فوق الفطرۃ واقعات کو دیکھ کر اس میں خدائی اقتدار کا نظریہ قائم کر لیتا ہے اور اس کو بشریت سے ماوراء خیال کرنے لگتا ہے۔ اہل تحقیق نے عبد و رب کے اس فلسفہ کو کس خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اَلعَبْدُ عَبْدٌ اِنْ تَرَقّٰی
وَالرَّبُّ رَبٌّ اِنْ تَنَزَّلَ

بندہ بندہ ہی ہے اگرچہ بلند تر ہو جائے
اللہ اللہ ہی ہے اگرچہ وہ نزول کرے

تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

ابن کثیر نے وہب بن منبہؒ، کعب احبارؓ اور عبداللہ بن سلامؓ سے عزیرؑ کے متعلق جو طویل روایت نقل کی ہے اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے توراۃ کی تجدید عراق میں کی تھی اور اس کے نواح کے ایک قریہ سائز آباد میں ان کی وفات ہوئی۔ ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ بعض آثار سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی قبر دمشق (ملک شام) میں ہے۔ واللہ اعلم

❄ ❄ ❄ ❄ ❄ ❄ ❄ ❄ ❄ ❄ ❄

محبت کا چراغ

جیسے روشن چراغ ہو جائے تو کیڑے مکوڑے سب بھاگ جاتے ہیں اسی طرح محبت کا چراغ اگر دل میں راشن ہو جائے تو یہ جو ماسوا کی محبتوں کے کیڑے مکوڑے ہیں سب بھاگ جائیں گے۔ اس لئے محبت کا چراغ روشن کر لیجئے۔ ایسے بندے کو پھر بس اللہ رب العزت کی ملاقات چاہیئے۔ یہ بیمار عشق ہوتا ہے۔ وہ کسی نے کہا۔

دیکھی نبض جو میری تو کاغذ لیا
کچھ دیر سوچا عشق کا بیمار لکھ دیا
قربان کیوں نہ جاؤں میں ایسے طبیب پر
نسخے میں جس نے شربت دیدار لکھ دیا

طبیب نے نسخہ لکھا کہ اس کو تو شربت دیدار چاہیئے۔ یہ بندے کی کیفیت ہونی چاہیے۔

(از افادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم۔ انمول حدیث ص: ۱۲۷)

حضرت زکریا

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین اسلام کا مرکز ویران بن گیا...

اسپین میں نوسو سال (۹۰۰) مسلمانوں نے حکومت کی۔ وہاں سو (۱۰۰) فیصد مسلمان تھے۔ دین کی محنت نہ ہونے کی وجہ سے اب پانچ (۵) فیصد مسلمان نہیں۔ وہاں کی جامع مسجد قرطبہ جس کی ایک ایک اینٹ پر ہزاروں سجدے کئے گئے۔ اب وہاں لوگ جوتے سمیت آتے ہیں۔ جس کے ایک ستون پر ہزاروں قرآن ختم کئے، آج وہاں کی عوام قرآن سننے سے محروم ہیں۔ اس کی وجہ دعوت وتبلیغ کو چھوڑنا ہے۔

﴿تبلیغ بالیقین کارِنبوت ہے، حصہ دوم، ص: ۲۲۱﴾

◆◆◆

(۲۵) حضرت زکریا علیہ السلام

سوال: حضرت زکریاؑ کی اہلیہ کا نام کیا ہے؟

جواب: آپ کی اہلیہ کا نام ایشاع بنت فاقود ہے۔ (حاشیۂ جلالین، صاوی ص: 31)

سوال: حضرت زکریاؑ کو جس وقت فرزند کی بشارت ملی اس وقت آپ کی عمر شریف کیا تھی؟

جواب: ایک قول یہ ہے کہ 92 سال تھی دوسرا قول یہ ہے کہ 99 سال تھی تیسرا قول یہ ہے کہ 120 سال تھی۔ (الاتقان ص: 348 ج: 2)

سوال: حضرت زکریاؑ کا ذکر قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں حضرت زکریاؑ کا ذکر خیر چار سورتوں میں آیا ہے۔ سورۂ انعام کی آیت میں تو صرف فہرست انبیاء میں نام مذکور ہے اور باقی تین سورتوں میں مختصر تذکرہ مذکور ہے۔

سوال: حضرت زکریاؑ کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی حضرت زکریاؑ کا ذکر آیا ہے ان سے مراد وہ زکریا نہیں ہیں جن کا ذکر تورات کے صحیفۂ زکریا میں آیا ہے۔ اس لئے کہ تورات میں جن زکریا کا تذکرہ ہے انکا وجود داریوس (دارا) کے زمانے میں رہا ہے چنانچہ زکریا نبی کی کتاب میں ہے:۔ دارا کے دوسرے برس کے آٹھویں مہینہ میں خداوند کا کلام زکریا بن برخیا بن عدد کو پہنچا۔ اور دارا کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے پانسو برس قبل ہے۔ کیونکہ وہ کیقباد بن کخسیرو کے انتقال کے بعد 521ء قبل مسیح میں تخت نشین ہوا اور قرآن حکیم نے جن زکریاؑ کا ذکر کیا ہے وہ حضرت مریم کے سرپرست اور مربی اور عیسیٰؑ کے ہم زمانہ ہیں۔ لہٰذا تورات میں جن زکریا کا ذکر ہے وہ کوئی اور شخصیت ہیں۔ نام میں اشتراک کی وجہ سے بعض لوگوں کو اشتباہ ہوگیا، علاوہ ازیں حضرت زکریاؑ حضرت یحیٰ علیہ السلام کے والد بزرگوار بھی ہیں۔ مؤرخین حضرات زکریاؑ کے والد کے مختلف نام لکھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک نام وثوق کے ساتھ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں مؤرخ ابن عساکر کے حوالہ سے وہ تمام اقوال نقل کر دیئے ہیں لیکن یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ وہ حضرت سلیمانؑ کی اولاد سے ہیں۔

سوال: حضرت زکریاؑ کی حیات طیبہ کے اہم واقعات کیا ہیں؟

جواب: حضرت زکریاؑ کی حیات طیبہ کے واقعات کچھ تو قرآن حکیم میں موجود ہیں اور کچھ سیر و تاریخ کی قابل اعتماد روایات سے ثابت ہیں۔ تاہم تفصیلات کا کوئی قابل اعتماد ماخذ نہیں ہے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت زکریاؑ ذریت داوٗدؑ سے تھے اور ان کی زوجۂ مطہرہ ایشاع حضرت ہارونؑ کی ذریت میں سے تھیں۔

حضرت زکریاؑ اپنی روزی کیلئے نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔ جیسا کہ کتب احادیث میں صراحت موجود ہے۔ حضرت زکریاؑ کی بیوی ایشاع اور سیدہ مریمؑ کی والدہ حنہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت زکریاؑ رشتہ میں مریمؑ کے خالو ہوئے۔ حضرت زکریاؑ کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔

وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اپنے بعد بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کیلئے کوئی وارث نبوت ہونا چاہئے۔ انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ میرے گھر والے اس مقدس سلسلہ کو باقی نہ رکھ سکیں گے۔ مگر چونکہ ان کی عمر بقول ابن کثیرؒ ستر سال اور بقول ثعلبی نوے یا نوے سال ہو چکی تھی اور ان کی بیوی بانجھ بھی تھیں۔ اس لئے وہ ان ظاہری اسباب کی وجہ سے شکستہ دل تھے کہ اب اولاد ہونے کی بظاہر کوئی صورت نہیں ہے۔

لیکن جب انہوں نے حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل پائے اور اللہ کا یہ فضل و انعام آنکھوں سے دیکھا تو خیال آیا کہ جو ذات بے موسم پھل مریمؑ کو عطا کرتی ہے تو کیا وہ موجودہ ناموافق حالات میں ثمر حیات (بیٹا) نہ بخشے گی؟ چنانچہ اسی وقت انہوں نے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھایا:

''پروردگار بڑھاپے میں میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی ہے۔ الٰہی! میں تنہا ہوں وارث کا محتاج ہوں، حقیقی وارث صرف تیری ہی ذات ہے۔ ایسا وارث عطا فرما جو خاندان نبوت کا وارث بنے۔ الٰہی! مجھ کو نیک اولاد عطا فرما۔ میں تم سے مانگ کر کبھی ناکام نہیں ہوا۔ تو حاجت مند کی دعا کو ضرور سنتا ہے''۔ (مریم آیت:4) نبی کی دعا اور دعا بھی اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ قوم کی رشد وہدایت کے لئے تھی۔ مستجاب ہوئی اور اسکی یہ صورت نمودار ہوئی کہ جب آپ ہیکل میں مشغول عبادت تھے خدا کا فرشتہ ظاہر ہوا اور اس نے بشارت دی کہ تمہارے یہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام یحییٰ رکھنا۔ مذہب اسلام نے طلب اولاد کو سنت انبیاء وسنت صدیقین قرار دیا ہے۔ (قرطبی) □□□

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
کی مدت خلافت

حضرت عثمانؓ کی مدت خلافت کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(1) بارہ دن کم بارہ سال (2) گیارہ سال گیارہ ماہ چودہ دن (3) بارہ سال۔

(حیاۃ الحیوان ج:1 ص:78)

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ
کی مدت خلافت

چار سال نو ماہ اور ایک دن۔ (حیاۃ الحیوان ج:1 ص:82)

اللہ کا کوئی بدل نہیں مل سکتا

لِكُلِّ شَيْءٍ إِذَا فَارَقْتَ لَهٗ عِوَضًا
وَلَيْسَ لِلّٰهِ إِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضًا

[اگر تو کسی چیز سے جدا ہو جائے تو تیرے لئے اس کا کوئی نہ کوئی بدل موجود ہے۔ اگر تو اللہ سے جدا ہو گیا تو اس کا تجھے کوئی اور بدل نہیں مل سکتا]

مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا
الٰہی غمِ حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولا!

اے اللہ! میں نہیں بچ سکتا۔ میں بہت کمزور ہوں۔ میرے مولا! مجھے گناہ کے مواقع سے بچالے۔ جب انسان اللہ کے سامنے یوں فریاد کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو گناہوں سے بچالیا کرتا ہے۔

(ازافادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم۔ انمول حدیث ص:۱۵۰)

* * * * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت یحییٰ

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پانچ سو مساجد کی شہادت کی وجہ.....

بوسینا میں جہاد اور دعوت وتبلیغ کی محنت نہ ہونے کی وجہ سے ۵۰۰ مدرسے اور ۵۰۰ مساجد شہید کردی گئیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف دعوت وتبلیغ کو چھوڑنا ہے۔ آج تو میرے دوستو بے دینی کی انتہا ہو چکی ہے۔ باپ کا انتقال ہوتا ہے تو لڑکے کو غسل دینا نہیں آتا کہ باپ کو سنت طریقے سے غسل دینے کا طریقہ کون سا ہے۔ جس باپ نے اس کے لئے لاکھوں روپے چھوڑے۔ جب اس پر مصیبت کا وقت آیا تو بیٹا باپ کے کام نہ آسکا۔ غسل تو درکنار ۹۹ فیصد مسلمانوں کو نمازِ جنازہ پڑھنے نہیں آتا۔

امریکہ میں پڑھانے کا انعام

ایک مسلمان بوڑھا ۲۵ دن آکسیجن میں پڑا ہوا تھا (یعنی مصنوعی طریقہ سے اسے سانس دیا جا رہا تھا) حجامت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ڈاڑھی بڑھ گئی تھی۔ باپ کی نازک حالت کو سن کر بیٹا امریکہ سے آیا۔ اس وقت باپ کا انتقال ہو چکا تھا' باپ کے مرنے کے بعد ظالم نے حجام کو بلا کر باپ کی ڈاڑھی منڈوائی اور کہنے لگا میں اپنے باپ کو اس خراب شکل میں دفن نہیں کروں گا۔

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص: ۲۲۲﴾

◆◆◆

(۲۶) حضرت یحیٰ علیہ السلام

سوال: حضرت یحیٰ علیہ السلام کا نام یحیٰ کیوں رکھا گیا؟

جواب :اس میں دو قول ہیں (1) ان کی والدہ ماجدہ عقیمہ یعنی بانجھ ہو چکی تھیں ان کے ذریعہ رحم مادر کو حیات ملی (2) اس وجہ سے کہ ان کے ذریعہ اللہ ان کے قلوب کو زندہ کر دیا تھا۔

(حاشیۂ جلالین ص:254)

سوال: حضرت یحیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

جواب :جن سورتوں میں حضرت زکریاؑ کا تذکرہ موجود ہے انہی میں حضرت یحیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ملتا ہے۔ یعنی سورۂ آل عمران، انعام، مریم اور انبیاء۔

حضرت یحیٰ علیہ السلام حضرت زکریاؑ کے صاحبزادے اور ان کی پیغمبرانہ دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔ جس عمر میں سلسلہ توالد منقطع ہو جاتا ہے "بطور معجزہ ونشانی" حضرت یحیٰ علیہ السلام عطا کیے گئے اور نام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجویز ہوا اور یہ ایسا نام تھا کہ اس سے پہلے کسی شخص کا نہ تھا۔ اور بعض خاص صفات بھی ایسے دیے گئے جو گزشتہ انبیاء میں نہ تھے۔ نام کی یکتائی اور صفات کی یہ خصوصیت حضرت یحیٰ علیہ السلام کا امتیاز رہا ہے۔

سوال: حضرت یحیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی کیا ہیں؟

جواب : تاریخی روایات کے مطابق حضرت یحیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے تھے۔ ان کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ آپس میں حقیقی بہن اور ایک روایت کے مطابق خالہ زاد بہنیں تھیں۔ تقریباً تیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائز کیے گئے۔

شرق اردن کے علاقہ میں دعوت الی اللہ کا کام شروع ہو گیا۔ لوگوں کو گناہوں سے توبہ کراتے تھے اور توبہ کرنے والوں کو روحانی تسکین دیتے تھے، اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنتے تھے، ان کی خوراک جنگل کے پرندے اور شہد تھا۔ وہ اس فقیرانہ زندگی کے ساتھ یہ منادی کرتے پھرتے

تھے کہ توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت قریب آگئی ہے۔ یعنی حضرت مسیحؑ کی دعوت نبوت کا آغاز ہونے والا ہے اور لوگوں کو نماز وروزہ کی تلقین کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچپن میں ہی علم وحکمت سے معمور کردیا تھا۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی بشارت دیتے تھے اور ان کی آمد سے قبل رشد وہدایت کے لئے زمین ہموار کرتے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے والد حضرت زکریاؑ کی طرح اولوالعزم نبی تھے تورات کی شریعت کے پابند تھے۔ اللہ نے انہیں بچپن ہی میں نبوت کی صفات سے ممتاز فرمایا تھا۔ ان کے بچپن کی زندگی عام بچوں سے جدا تھی۔ جب بچے ان سے کھیلنے پر اصرار کرتے تو وہ جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لہو ولعب کیلئے نہیں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تین اہم ونازک اوقات میں سلامتی کی دعا دی ہے۔

وقت ولادت۔ وقت موت۔ وقت حشر ونشر

یہ حقیقت ہے کہ انسان کیلئے یہی تین اوقات سب سے زیادہ نازک اور اہم ہیں۔ کیوں کہ ہر انسان وقت ولادت جس میں بطن مادر سے جدا ہوکر عالم دنیا میں آتا ہے۔ وقت موت جس میں عالم دنیا سے رخصت ہوکر عالم برزخ میں پہنچتا ہے۔ وقت حشر ونشر، جس میں عالم برزخ (قبر) سے عالم آخرت میں اعمال کی جزاء وسزا کے لئے پیش ہوتا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اللہ کی جانب سے ان تینوں اوقات کے لئے سلامتی کی بشارت مل گئی اس کو دارین کا کل ذخیرہ مل گیا۔

قرآن حکیم کی سورۂ آل عمران، سورۂ مریم اور سورۂ انبیاء میں ان حالات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

سوال: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ کیا ہے؟

جواب: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ مؤرخ ابن عساکر اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے لیکن اہل تحقیق نے ان ہر دو کی روایت پر تنقید کی ہے۔ درج شدہ روایت میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جس کی وجہ سے روایت ناقابل اعتبار ہوجاتی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس قصہ کی وہ روایت ہے جو انہوں نے اپنی کتاب مستدرک میں نقل کی ہے تاہم حاکم کی یہ روایت روایۃً اور درایۃً محل نظر ہے۔ البتہ مؤرخ ابن طبریؒ نے اس واقعہ کو جس طرح نقل کیا ہے وہ قابل ذکر ہے۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں عام طور پر بنی اسرائیل کے قلوب مسخر ہوتے جا رہے تھے اور جہاں بھی ان کا وعظ ہوتا ہزاروں انسان پروانہ وار جمع ہو جاتے تھے۔ ان کے اس دور میں ارض یہودیہ کا بادشاہ ہیرودیس نہایت بدکار اور ظالم قسم کا تھا اس کو حضرت یحیٰ علیہ السلام کی یہ مقبولیت سخت ناپسند آ رہی تھی اس کو یہ بھی اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ملک کی یہ بادشاہت حضرت یحیٰ علیہ السلام کی جانب منتقل نہ ہو جائے۔ اسی زمانے میں اس کے ایک سوتیلے بھائی کا انتقال ہو گیا اس کی بیوی بے حد حسین و جمیل تھی یہ اس پر عاشق ہو گیا اور اس سے عقد کر لیا۔ چونکہ یہ نکاح ملت اسرائیلی کے قانون کے خلاف تھا اس لئے حضرت یحیٰ علیہ السلام نے اس کو سر دربار اس حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ ہیرودیس کی محبوبہ نے یہ سنا تو غم و غصہ سے پاگل ہو گئی اور ہیرودیس کو آمادہ کیا کہ وہ کسی طرح حضرت یحیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے۔ ہیرودیس اگرچہ خود بھی چاہتا تھا مگر حضرت یحیٰ علیہ السلام کی عوام میں غیر معمولی مقبولیت کے باعث اقدام کرنے میں متردد تھا۔ بادشاہ کی محبوبہ موقع کی تاک میں تھی آخر ہیرودیس کی سالگرہ کے جشن میں اس نے یہ موقع پا لیا جشن کے دربار میں اس کی بیٹی نے خوب رقص کیا جس پر خوش ہو کر ہیرودیس نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے! بیٹی نے اپنی فاحشہ ماں سے پوچھا کیا مانگوں؟ ماں نے کہا کہ (حضرت) یحیٰ کا سر مانگ لے۔ چنانچہ اس نے ہیرودیس کے آگے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا مجھے یوحنا (یحیٰ) کا سر ایک تھال میں رکھوا کر ابھی دے دیا جائے۔ ہیرودیس یہ سن کر کچھ غمگین سا ہوا مگر محبوبہ کی بیٹی کا تقاضہ رد نہ کر سکا اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کا سر کٹوا کر منگوایا اور ایک تھال میں رکھوا کر رقاصہ کی نذر کر دیا۔ (تاریخ طبری ج:2 ص:45) سخت حیرت کا مقام ہے کہ بنی اسرائیل میں کسی کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ ہیرودیس کی اس ملعون حرکت پر کوئی آواز بلند کرتا۔ سب

کے سب خاموش تماشائی بنے رہے یہ واقعہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالئے جانے کے ایک سال بعد پیش آیا۔ 30ء میں انجام کار حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اظہار حق کے سلسلے میں شہادت کا مقام حاصل ہوا۔ علماء تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا واقعۂ شہادت کس جگہ پیش آیا؟

ایک قول یہ ہے کہ بیت المقدس میں ہیکل اور قربان گاہ کے درمیان ہوا۔ سفیان ثوریؒ نے شمر بن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ ستر انبیاء شہید کیے گئے۔ (تاریخ ابن کثیر ج:2 ص:50)

قاسم بن سلام نے سعید بن میتب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ دمشق میں شہید کئے گئے جامع اموی دمشق (شام) میں ایک قبر کے بارے میں عام شہرت ہے کہ وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن عساکر نے ولید بن مسلم کی سند سے نقل کیا ہے کہ زید بن واقد کہتے ہیں کہ دمشق میں عمود سکاسکہ کے نیچے ایک مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا جارہا تھا تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ مشرقی جانب محراب کے قریب ایک ستون کی کھدائی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر برآمد ہوا چہرہ مبارک اور بالوں میں تک کوئی تغیر نہیں آیا تھا اور خون آلود ایسا تھا کہ گویا ابھی ابھی کاٹا گیا ہو

(تاریخ ابن کثیر ج:2 ص:55)

الحاصل اس بارے میں کوئی فیصلہ کن بات مہیا نہیں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مقتل کون سا مقام ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہود نے ان کو شہید کیا۔

قرآن حکیم نے متعدد جگہ اس بات کو دہرایا ہے کہ یہود نے اپنی فتنہ پردازیوں میں جہاں بغاوت و سرکشی کو اپنا شعار بنالیا تھا وہاں اپنے نبیوں کو بھی قتل کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ (آل عمران آیت:21) ابن ابی حاتم نے بسلسلۂ سند حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل نے ایک دن میں 43 نبیوں اور 170 نیک لوگوں کو قتل کردیا جو ان کو امر بالمعروف (نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنے

کا کام) کیا کرتے تھے۔

وہب بن منبہ کی ایک روایت ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو آپ کی والد بزرگوار حضرت زکریاؑ کی جانب متوجہ ہوئے تا کہ ان کو بھی قتل کر دیں۔ حضرت زکریاؑ نے جب یہ دیکھا تو وہ دوڑے تا کہ ان کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ سامنے ایک درخت آ گیا اور وہ اس کے شگاف میں گھس گئے۔ یہودی تعاقب کر رہے تھے شیطان نے مقام کی رہبری کی۔ لوگوں نے بجائے باہر نکلنے پر مجبور کرنے کے درخت پر آرا چلا دیا۔ درخت کے ساتھ حضرت زکریاؑ کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے۔ □□□

حضرت امام اعظم

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ابو حنیفہؒ 80ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور وفات 150ھ بغداد میں ہوئی آپ کی قبر مقبرۂ خیزران میں ہے، آپ کے زمانہ میں چار صحابہؓ زندہ تھے۔

(1) حضرت انس بن مالکؓ بصرہ میں۔

(2) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ میں۔

(3) حضرت سہل بن سعدؓ الساعدی مدینہ میں۔

(4) حضرت ابو طفیل عامرؓ بن واثلہ مکہ میں۔

(سب سے آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ ہیں۔ جن کا انتقال 102ھ مکہ میں ہوا۔ تراشے مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ان چار صحابہ میں کسی سے ملاقات نہ ہو سکی

(اسماء رجال مشکوٰۃ ص:624)

رابعہ بصریہؒ کا حوصلہ

رابعہ بصریہ اللہ کی ایک نیک بندی تھی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ عبادت کے لئے بنا ہوا تھا۔ وہیں رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ دوپہر کو آرام کر رہی تھیں کہ ایک چور آ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کوئی چیز نہ ملی تو ایک چادر اس نے اٹھا لی لے جانے کیلئے۔ جیسے ہی جھک کے چادر اٹھائی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، بینائی چلی گئی۔ راستہ نظر ہی نہیں آتا۔ اس نے گھبرا کر چادر وہیں پھینکی۔ جیسے ہی چادر پھینکی بینائی لوٹ آئی۔ تو وہ بھاگ کے نکلنے لگا۔ آواز آئی کہ ایک دوست اگر سویا ہوا ہو، دوسرا دوست جاگتا ہے۔ یہاں چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہیں، تم کیسے چادر کو لے کر جا سکتے ہو۔ ہم اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر کے تو دیکھیں۔ مسئلہ بنتا ہے، جب احکام خداوندی کو توڑتے ہیں، سنت رسول ﷺ کو چھوڑتے ہیں پھر اللہ سے امیدیں لگاتے ہیں کہ اللہ ہماری مدد فرمائے گا۔ جو ہمارے کرنے کا کام ہے وہ ہم کریں اور پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کی کیسے بارش فرماتا ہے۔

(ازافادات: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم _ انمول حدیث ص: ۲۰۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عیسیٰ

علیہ السلام

مولانا بدیع الزماں ندوی قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور فکر امت.....

شاہ جہان پور میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر سے مخالفین بے حد مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے چیلنج کیا کہ، آئندہ بھی ایسی تقریر کی گئی تو آپ اپنے ساتھ کفن لائیں، اسی جلسہ میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان فرمایا کہ دوسرے جمعہ کو اسی جگہ پھر تقریر ہوگی۔

حضرت جب گاڑی سے اترے تو بغل میں کپڑے کی ایک گٹھڑی دبی ہوئی تھی اور اسی شان سے جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ گٹھڑی کھول کر دکھلائی کہ میں کفن اپنے ساتھ لایا ہوں۔

پھر سابقہ تقریر سے زیادہ زوردار تقریر فرمائی۔ اعلاء کلمۃ اللہ میں اس ہمت و جرات کا یہ اثر ہوا کہ مخالفین کی اکثریت بدعت سے تائب، معافی کی خواستگار اور داخل اسلام ہوگئی۔ ﴿حکایات و عملیات مدنی ص:۴۴﴾

میرے دوستو! یہ امت کا درد ہی تو تھا کہ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر لوگوں کو ہدایت کے لئے آپ اس جلسہ میں پہنچے۔

﴿تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے، حصہ دوم، ص:۱۹۱/۱۹۲﴾

◆◆◆

(27) حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مائدہ (کھانے کا دسترخوان) کتنے دن تک کس کیفیت کے ساتھ نازل ہوتا رہا اور مائدہ کس رنگ کا تھا؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے مائدہ چالیس دن تک اس کیفیت سے نازل ہوتا تھا کہ ایک دن نازل ہوتا ایک دن نہیں اور اس دسترخوان کا رنگ سرخ تھا۔

(المنتظم فی التاریخ الامم لابن الجوزی ص:36 ج:2)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی تعداد کیا تھی اور ان کے نام کیا تھے؟

جواب: حواریین کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں (1) 17، (2) 19 اور ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ ان کی تعداد 17 تھی جن میں سے بارہ حواریین کے نام البدایہ والنہایہ ج:2 ص:92 پر ذکر کئے گئے ہیں۔ ان میں بعض کپڑا رنگنے والے تھے، بعض شکاری، بعض دھوبی اور بعض ملاح تھے۔ (الکامل فی التاریخ ص:315) جس وقت یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے تلاش کر رہے تھے اور آپؑ ایک مکان میں چھپ گئے تو ان حواریین میں سے یودس کریایونامی نالائق نے اس مکان کا پتہ دیا تھا۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے کتنے سال بعد کس قبیلہ کی کس عورت سے شادی کریں گے؟

جواب: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں نازل ہونے کے 21 سال بعد قبیلۂ جزم کی ایک خاتون سے نکاح فرمائیں گے اور آپ سے ان کی اولاد بھی ہوگی۔

(علامات نزول مسیح ص:90 جواب ہذا کا بعض حصہ فتح الباری میں ہے)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح کرنے کے بعد کتنے سال زندہ رہیں گے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح کرنے کے بعد 19 سال زندہ رہیں گے۔

(علاماتِ نزولِ مسیحؑ ص:90)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سانس کہاں تک پہنچے گا اور اس کی تاثیر کیا ہوگی؟

جواب: جہاں تک آپ کی نگاہ جائے گی وہاں تک آپ کا سانس پہنچے گا اس کا اثر یہ ہوگا کہ جس کافر کو آپ کے سانس کی ہوا بھی لگ جائے گی اس کا کام تمام ہو جائیگا یعنی انتقال کر جائے گا

(علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیحؑ ص:22)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس صحابیٔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کے مشابہ ہوں گے۔ (علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیحؑ ص:20)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کا جانشین کون بنے گا اور آپ کی وفات کے کتنے سال بعد قیامت قائم ہوگی؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے فرمان کے مطابق مُقعَدُ نامی شخص آپ کا جانشین ہوگا جو قبیلۂ بنی تمیم کا ایک شخص ہوگا اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جملہ مؤمنین یاجوج ماجوج کے فتنہ سے فارغ ہو جائیں گے تو کئی سال بعد (جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال کو بھی کئی سال گزر جائیں گے) لوگوں کو غبار کی طرح ایک چیز نظر آئے گی تو اچانک معلوم ہوگا کہ یہ ایک ہوا ہے جو اللہ نے مؤمنین کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجی ہے، پس وہ ہوا مومنین کی ارواح قبض کر لے گی اس کے بعد ایک سو سال تک ایسے کافر لوگ دنیا میں رہیں گے جو کسی دین کو مانتے ہی نہ ہوں گے حتیٰ کہ لوگ گدھوں کی طرح کھلم کھلا شارع عام پر جماع کریں گے ان ہی لوگوں پر قیامت آجائے گی۔ (الحاوی ص:90 ج:2) اور ایک روایت میں ایک سو بیس سال کا بھی ذکر ہے کہ دجال کے بعد اور نزول مسیحؑ کے بعد اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک عرب لوگ ایک سو بیس سال

تک ان چیزوں کی عبادت نہ کرلیں جن کی عبادت ان کے آباء واجداد کرتے تھے۔ (الاشاعۃ لاشراط الساعۃ ص:346) اور فتح الباری میں ہے کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا تو اس کے بعد ایک سو بیس سال تک لوگ دنیا پر آباد رہیں گے اس کے بعد قیامت آئے گی۔

(فتح الباری ص:354 ج:11)

سوال: قیامت کے قریب قرآن مؤمنین کے سینوں سے کب اٹھالیا جائے گا؟

جواب: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوجائے گا پھر آپ کی وصیت کے مطابق لوگ قبیلۂ بنی تمیم کے مُقعَدْ نامی ایک شخص کو خلیفہ بنالیں گے پھر مقعد کا بھی انتقال ہوجائے گا ابھی مقعد کے انتقال کو 30 سال بھی گزرنے نہ پائیں گے کہ قرآن پاک مؤمنوں کے سینوں اور مصحفوں سے اٹھالیا جائے گا۔ (علامات قیامت ونزول مسیح ص:87)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخت طوبیٰ کے متعلق کیا کیا سوالات کیے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ سے معلوم کیا کہ درخت طوبیٰ کیا ہے اللہ نے جواب میں فرمایا اس درخت کو میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا یہ جنتیوں کے لئے ہے۔ اس کی جڑ میری خوشنودی ہے اور اس کا پانی تسنیم کا ہے اس کی ٹھنڈک کافور کی اس کا ذائقہ زنجبیل (سونٹھ) کے مثل ہے اس کی خوشبو مشک کی خوشبو کے مثل ہے۔ جس نے اس میں سے ایک گھونٹ پی لیا اس کو کبھی بھی پیاس نہ لگے گی۔ (البدایہ والنہایہ ص:78 و79 ج:2)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اس درخت کی تعریف وتوصیف سنی تو دل میں اس کا پانی پینے کی تمنا ہوئی اور خداوند کی جناب میں عرض کیا کہ مجھ کو اس درخت کا پانی پلا دیجئے اللہ نے فرمایا میں نے اس کا پانی تمام انبیاء اور تمام امتوں پر اس وقت تک حرام کردیا ہے جب تک کہ میرا نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی امت نہ پی لیں۔ اور اے عیسیٰؑ میں نے تجھ کو اپنی طرف اٹھایا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا کہ اے اللہ تو نے مجھ کو اپنی طرف کیوں اٹھایا

ہے جواب ملا میں نے تجھ کو اس لئے اٹھایا تا کہ تجھ کو آخری زمانہ میں اتاروں اور تو اس امت کے عجائبات کو دیکھے اور تو دجال کے قتل پر معین ہے اس پر حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا اے اللہ مجھ کو اس امت کے متعلق خبر دیجئے۔ اللہ نے فرمایا محمد عربی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی اس امت کے علماء وحکماء انبیاء جیسے ہوں گے وہ مجھ سے تھوڑی چیز پر راضی ہو جائیں گے اور میں ان سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاؤں گا اور میں ان کو لا الہ الا اللہ سے جنت میں داخل کر دوں گا اور اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰؑ جنت میں سب سے زیادہ یہی امت ہوگی۔

(البدایہ والنہایہ ص:79 ج:1)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو نصاریٰ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: دراصل بات یہ ہے کہ جب آپ کی والدہ محترمہ آپ کو اپنے ملک (قوم) میں لے کر آئیں جس گاؤں میں سکونت اختیار کی اسکا نام ناصرہ تھا آپ نے وہاں رہتے ہوئے تیس سال کی عمر میں باقاعدہ تبلیغ شروع کی چونکہ آپ ناصرہ گاؤں کے رہنے والے تھے اس لئے گاؤں کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کی جماعت کا نام نصاریٰ پڑ گیا تھا۔ (الکامل ص:314)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کے نام کیا تھے اور ان کو حواریین کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: سب کے نام معلوم نہ ہو سکے البتہ ان میں سے بعض کے نام یہ تھے:۔

فطرس، یعقوبس، یحنس، اندرانیس، فیلس، درنابوطا، سرجس۔ لفظ حواریین حور سے ماخوذ ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے آتے ہیں بقول سعید بن جبیر یہ لوگ سفید کپڑے پہنتے تھے اور بقول مقاتل یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو سفید کرتے تھے اور بقول قتادہ ان لوگوں کے قلوب صاف اور پاکیزہ تھے اس لئے ان کو حواریین کہا جاتا ہے۔

(انوار الدرایات لدفع التعارض بین الآیات مع ضمیمہ ص:259)

سوال: جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان پر اٹھایا اس وقت ان

کی عمر کتنی تھی؟

جواب: اس میں دو قول ہیں (1) 33 سال کے تھے۔ (2) 120 سال کے تھے۔

(حاشیۂ جلالین ص:53)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر دنیا میں کب تشریف لائیں گے کس چیز کے ذریعہ زمین پر اتریں گے اور کہاں اتریں گے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آئیں گے دوسرے فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اور دو رنگین چادر اوڑھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے منارۂ بیضاء پر اتریں گے جو مشرق کی جانب میں ہے۔ (حاشیہ جلالین ص: 52 پ:3 ترمذی مترجم بہشتی زیور)

سوال: آسمان سے اترنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اولاد بھی ہوگی یا نہیں؟

جواب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آئیں گے اور وہ نکاح کریں گے جس سے ان کی اولاد بھی ہوگی۔ (مشکوٰۃ، حاشیۂ جلالین ص:52 پ:3)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آنے کے بعد کتنے سال تک زندہ رہیں گے اور انکا مدفن کہاں ہوگا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آئیں گے اور 45 سال زندہ رہیں گے پھر مرجائیں گے اور میرے مقبرہ میں دفن ہوں گے تو قیامت کے دن میں اور حضرت عیسیٰؑ ایک ہی قبر سے ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان اٹھیں گے یہ حدیث علامہ ابن الجوزی نے عقائد نفسی میں بھی ذکر کی ہے۔ (مشکوٰۃ ص:480 ج:2، حاشیہ جلالین ص: 52)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے اتنی متصل ہوگی کہ ایسا محسوس ہوگا کہ ایک ہی قبر ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص:480 ج:2)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو دسترخوان نازل ہوا تھا اس میں کیا کیا چیزیں تھیں؟

جواب: اس دسترخوان میں مختلف چیزیں تھیں (1) بھنی ہوئی مچھلی تھی اس کے سر کے پاس نمک رکھا ہوا تھا اور دم کے پاس سرکہ تھا اور طرح طرح کی سبزیاں تھیں اور پانچ چپاتیاں تھیں جن میں سے ایک پر گھی دوسری پر زیتون کا تیل تیسری پر شہد چوتھی پر پنیر پانچویں پر قدید یعنی قیمہ شدہ گوشت تھا۔ (حاشیہ جلالین ص: 111 ج: 1 پ: 7)

سوال: اس دسترخوان میں جو کھانا تھا یہ جنت کا کھانا تھا یا دنیا کا؟

جواب: اس میں نہ تو جنت کا کھانا تھا اور نہ دنیا کا بلکہ اللہ نے ان دونوں کے علاوہ اپنی قدرت سے مستقل تیار کر کے بھیجا تھا۔ (حاشیہ جلالین ص: 111)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کس مقام میں ہوئی؟

جواب: وادی بیت اللحم میں ہوئی جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے اور یہی قول مشہور ہے۔ (جمل ص: 57 ج: 3)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جن لوگوں کو خنزیر بنایا گیا ان کی تعداد کتنی ہے اور وہ کتنے دن تک زندہ رہے؟

جواب: ان کی تعداد 330 تھی اور وہ تین دن تک زندہ رہے اور بعض نے کہا کہ سات دن تک، اور بعض نے کہا کہ چار دن کے بعد مر گئے تھے۔ (حاشیہ جلالین ص: 111 ج: 1 پ: 7)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطن مادر میں کتنے دنوں تک زندہ رہے؟

جواب: بعض نے کہا کہ آٹھ ماہ بعض نے چھ ماہ بعض نے تین گھنٹے بعض نے ایک گھنٹہ کہا اور بعض نے کہا کہ آٹھ ماہ رہے آخری قول زیادہ قوی ہے۔ (حاشیہ جلالین ص: 255 ج: 2)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کونسا بادشاہ حکومت کرے گا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آنے کے بعد جب انتقال کر جائیں گے تو جہجاہ بادشاہ حکومت کرے گا۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر پاک قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیا ہے؟

جواب: یہ ذکر قرآن کریم کی چودہ سورتوں میں آیا ہے کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں اختصار واجمال کے ساتھ ان میں کسی جگہ اسم مبارک ''عیسیٰ'' سے یاد کیا گیا ہے اور کہیں ''مسیح'' اور ''عبداللہ'' کے لقب سے اور کسی مقام پر کنیت ''ابن مریم'' اور کہیں ''کلمہ'' اور ''روح'' سے ذکر کیا گیا ہے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مختصر تعارف کیا ہے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء ورسل کے خاتم ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں جس قدر بھی نبی ہوئے ہیں ان سب کے آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہین۔

تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں کوئی نبی اور رسول مبعوث نہیں ہوئے اور درمیان کا یہ زمانہ جس کی مدت تقریباً 570 سال ہے زمانہ فترۃ (انقطاع وحی کا زمانہ) کہلاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جلالت قدر اور عظمت شان کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل پر کتاب، تورات کے علاوہ ''انجیل'' سے زیادہ عظیم المرتبت دوسری کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ نزول تورات کے بعد یہودیوں نے جو قسم قسم کی گمراہیاں دین حق میں ایجاد کر لی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ کتاب تورات کی شرح بن کر بنی اسرائیل کو ان گمراہیوں سے بچنے کی تعلیم دی۔ اس طرح اس کتاب نے تکمیل تورات کا فرض انجام دیا۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فراموش شدہ پیغام ہدایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی نے دوبارہ تازہ کیا۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرور کائنات رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے منادی اور مبشر بھی ہیں جیسا کہ قرآن حکیم نے انکشاف کیا ہے۔ قرآن حکیم نے جن مقدس ہستیوں کے واقعات سے بہت زیادہ بحث کی ہے ان میں ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی

ہیں۔ قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی حیات طیبہ کے سلسلے میں بطور دیباچہ ان کی والدہ محترمہ سیدہ مریمؑ کی واقعاتِ زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے تا کہ قرآن حکیم کا مقصد ''تذکر بایام اللہ'' پورا ہو۔ ان ہر دو کی حیات طیبہ دلیل، برہان، آیت، ہدایت، درس و نصیحت سب کچھ ہے۔

سوال: حضرت مریمؑ کے حالاتِ زندگی کیا ہیں؟

جواب: حضرت عیسیٰؑ کے تذکرے سے قبل حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہیں اور اس کے علاوہ ایک ایسی مقدس خاتون بھی ہیں جن کا تذکرہ قرآن حکیم نے مستقل طور پر کیا ہے۔

قوم بنی اسرائیل میں حضرت عمران ایک عابد و زاہد شخص تھے اور اسی زہد و عبادت کی وجہ سے مسجد اقصیٰ میں نماز کی امامت بھی ان ہی کے سپرد تھی۔ ان کی بیوی سیدہ حنہ بھی بہت ہی نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ اپنی نیکی اور شرافت کی وجہ سے دونوں قوم میں بہت زیادہ احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت عمران صاحب اولاد نہ تھے ان کی بیوی حضرت حنہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو اور اس کے لئے وہ ہمیشہ درگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہو کر قبولیت دعا کے لئے منتظر رہتی تھیں، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حنہ اپنے مکان کے صحن میں چہل قدمی کر رہی تھیں دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچے کو محبت و پیار سے چوم رہا ہے۔ پیار و محبت کے اس منظر نے حضرت حنہ کو بہت ہی متاثر کیا اولاد کی تمنا نے دل کو مزید بے قرار کر دیا۔ حالتِ اضطراب میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ عرض کیا:۔

''پروردگار اسی طرح مجھ کو بھی اولاد عطا کر جو ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے'' بے قرار دل کی دعا نے قبولیت کا جامہ پہنا اور حضرت حنہ نے چند روز بعد محسوس کیا کہ وہ پر امید ہیں حضرت حنہ کو اس احساس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ انہوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا

ہوگا اس کو ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی (بنی اسرائیل کے مذہبی رسوم میں یہ رسم بہت ہی مقدس سمجھی جاتی تھی کہ اپنی اولاد کو مقدس ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کردیا جائے۔)

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران کی بیوی حضرت حنہ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور وہ مسرت وشادمانی کے ساتھ امید برآنے کی گھڑی کا انتظار کرنے لگیں۔ محمد بن اسحٰق اور حافظ ابن عساکر اور اکثر اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عمران، حضرت سلیمانؑ کی اولاد میں سے ہیں اسی طرح انکی بیوی حضرت حنہ بھی حضرت داؤدؑ کی ذریت میں سے ہیں۔ حضرت حنہ کی مدت حمل جب پوری ہوگئی تو ولادت کا وقت آپہنچا۔

ولادت کے بعد حضرت حنہ کو اطلاع دی گئی کہ ان کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ جہاں تک اولاد کا تعلق ہے حضرت حنہ کے لئے یہ لڑکی بھی لڑکے سے کم نہ تھی مگر ان کو شدت سے یہ احساس ہوا کہ میں نے جو نذر مانی تھی وہ پوری نہ ہوسکے گی کیونکہ لڑکی مسجد اقصیٰ کی خدمت کیونکر انجام دے گی؟ یہ کام تو مرد ہی انجام دے سکتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور الہام یا ہاتف غیبی ان کے افسوس کو مسرت سے یہ کہہ کر بدل دیا کہ ہم نے تیری لڑکی کو ہی قبول کرلیا ہے اور اس کی وجہ سے تیرا خاندان اور بھی معزز اور مبارک قرار پائے گا۔ حضرت حنہ نے لڑکی کا نام مریم رکھا اور دعا کی کہ ”اے پروردگار اسکو اور اسکی اولاد کو شیطان کے ہر فتنہ سے محفوظ فرما“۔

سریانی زبان میں مریم کے معنیٰ خادم کے ہیں۔ چونکہ یہ مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لئے وقف کردی گئی تھیں اس لئے یہ نام موزوں سمجھا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مریم کے معنیٰ ”بلند“ اور ”عبادت گزار“ کے ہیں۔ بشر بن اسحٰق کہتے ہیں کہ سیدہ حنہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت عمران کا انتقال ہوگیا۔ (فتح الباری ج:2 ص:364) بعض دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ سیدہ مریم ابھی شیر خوار ہی تھیں کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔

یتیم بچی مریم کی پرورش ماں نے بہت اچھے طریقے پر کی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی قدم قدم پر شامل حال رہا جب وہ سن شعور کو پہنچیں اور نذر کے مطابق بیت المقدس کی عبادت گاہ (ہیکل) میں داخل کر دی گئیں تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ہیکل کی یہ مقدس امانت کس کے سپرد کی جائے اور کون اس کا کفیل ونگراں ہو؟ ہیکل کے کاہنوں میں سے ایک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مقدس امانت کا کفیل مجھ کو بنایا جائے۔ ایک دوسرے کاہن نے کہا کہ اس امانت کو میرے حوالہ کیا جائے۔ بیت المقدس کے مقیمین اور عابدین میں حضرت زکریاؑ بھی تھے۔ انہوں نے بھی اس کا مطالبہ کیا اور وجہ ترجیح یہ بیان کی کہ میری بیوی اس لڑکی کی خالہ ہوتی ہیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اور ماں کے بعد خالہ ہی پرورش کی حقدار ہے۔ لہٰذا مجھ کو اس بچی کا کفیل قرار دیا جائے۔ لیکن دوسرے مقدس کاہنوں نے اس دلیل کو قبول نہ کیا۔ آخر کار طے پایا کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا فیصلہ کیا جائے۔ اس زمانے میں قرعہ اندازی کو ایک سند ودلیل سمجھا جاتا تھا اور اس کا ایک خاص طریقہ تھا جو اس وقت رائج تھا۔ (وہ اس طرح کہ بانس کے قلم جو تورات کے لکھنے میں کام آتے تھے ان پر تورات ہی کے چند کلمات لکھ کر دریا میں ڈال دئے جاتے تھے۔ قلم عموماً دریا ہی کے رخ بہنے لگتے لیکن بعض قلم دریا کے مخالف رخ کو بہتے اور یہی مخالف رخ کامیابی کی علامت سمجھا جاتا تھا) اسی رواج کے مطابق ہر خواہشمند نے اپنے اپنے قلم دریا میں ڈالے مگر قرعہ کے مطابق ہر مرتبہ حضرت زکریاؑ کا ہی نام نکلا بعض روایات کے مطابق یہ قرعہ اندازی تین مرتبہ کی گئی مقدس کاہنوں نے جب یہ معاملہ دیکھا تو سب نے یہ یقین کر لیا کہ حضرت زکریاؑ کے ساتھ تائید غیبی ہے۔ پھر سب نے دست برداری اختیار کر لی اور مقدس امانت (مریم) حضرت زکریاؑ کے سپرد کر دی گئی۔ اس طرح سیدہ مریم کی پرورش اور نگرانی حضرت زکریاؑ کے تحت ہوگئی۔

حضرت زکریاؑ نے سیدہ مریم کے لئے مسجد کا ایک محراب (حجرہ) منتخب کیا اور اس میں ان کا قیام طے پایا۔ گزشتہ زمانے میں گرجاؤں اور کلیساؤں میں عبادت گاہ کی عمارت سے متصل سطح زمین سے کچھ بلندی پر حجرے بنائے جاتے تھے جن میں عبادت گاہ کے منتظمین، خدام اور معتکف

حضرات رہا کرتے تھے انہیں محراب کہا جاتا تھا۔ اسی قسم کے کمروں میں سے ایک میں سیدہ مریم بھی معتکف تھیں۔ وہ تمام دن عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتیں۔ رات کو حضرت زکریاؑ انہیں اپنے گھر لاتے اور وہ اپنی خالہ کے گھر رات بسر کرتیں۔ (روح المعانی، آل عمران)

ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی تاریخ میں یہ ایک نئی بات تھی کہ کسی لڑکی کو مسجد کی خدمت کیلئے منتخب کرلیا گیا ہو۔ مسیحی روایات کے مطابق سیدہ مریم تین سال کی عمر میں ہیکل کی خادمہ کی حیثیت سے داخل ہوئیں جہاں عبادت گاہ کے چھوٹے بڑے سب خادم اس کمسن بچی کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ حضرت زکریاؑ ویسے بھی ہیکل کے افسر اعلیٰ تھے۔ اس لحاظ سے ہر خادم کی نگرانی کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا اور پھر سیدہ مریم کے تو آپ عزیز قریب اور قابل اعتماد سرپرست بھی تھے ان کے حجرے میں قدرۃً آپ کی آمد ورفت رہا کرتی تھی۔ قرآن حکیم میں ایک لفظ "كُلَّمَا دَخَلَ" سے اس سارے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ حضرت زکریاؑ جب بھی حجرۂ مریم میں آتے تو وہاں قسم قسم کے پھل میوے رکھے ہوئے دیکھتے بلکہ بعض تو پھل ایسے ہوتے کہ جن کا ان دنوں موسم بھی نہ ہوتا تھا۔ تعجب سے پوچھتے اے مریمؑ یہ "رزق" کہاں سے آیا ہے؟ سیدہ مریم جواب دیتیں کہ یہ اللہ کی جانب سے آجاتا ہے بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے بعض روایات میں ہے کہ حضرت زکریاؑ کو اپنے گھر سے سیدہ مریمؑ کے لئے کھانے پینے کی چیزیں لانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

الغرض سیدہ مریمؑ شب وروز عبادت الٰہی میں رہتیں اور جب ہیکل کی خدمت کا وقت آتا تو اس کو بھی بخوبی انجام دیتی تھیں حتیٰ کہ ان کا زہد وتقویٰ بنی اسرائیل میں ضرب المثل ہوگیا اور انکی زہد وعبادت کی مثالیں دی جانے لگیں، حضرت زکریاؑ بھی ان کے تقویٰ وطہارت سے بے حد متاثر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس یتیم لڑکی کی عظمت وجلالت قدر کو بہت بلند کیا ہے۔ سیدہ مریمؑ کا یہ مقام اور شب وروز تائید الٰہی دیکھ کر حضرت زکریاؑ کے قلب میں اسی طرح نیک وصالح اولاد کی تمنا پیدا ہوئی ابھی تک یہ لاولد تھے سیدہ مریمؑ کے پاس بے موسم پھل آتے دیکھ کر یہ احساس

شدید تر ہو گیا کہ یہ مقام مبارک اور نزول رحمت کا ہے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے:۔

"پروردگار مجھے بھی اپنی عنایت سے اسی طرح اولاد دے جیسے تو بے موسم تر و تازہ میوے مریمؑ کو عطا کرتا ہے"۔ حضرت زکریاؑ کی یہ دعا ایسے وقت قبول ہوئی جبکہ وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں تھے اور بیوی محترمہ بانجھ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے موسم میووں کی طرح حضرت زکریاؑ کو فرشتوں کے ذریعہ یہ بشارت سنائی کی عنقریب تمہیں بھی ایک لڑکا ہوگا جو بلند مرتبہ نبیوں میں شامل ہوگا۔

چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ سیدہ مریم چونکہ نہایت عابدہ و زاہدہ اور تقویٰ و طہارت میں ضرب المثل تھیں اور جبکہ عنقریب ان کو ایک جلیل القدر نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہونے والا تھا تو منجانب اللہ ان کی تقدیس و تطہیر (آیت تطہیر) کا یہ اعلان فرشتوں کے ذریعہ انہیں پہنچایا گیا:۔

اے مریم بیشک آپ کو اللہ نے پسند کرلیا ہے اور پاک کردیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب (مقبول) کیا ہے۔ اے مریم اپنے پروردگار کی (اسی طرح) اطاعت کرتی رہیئے اور سجدہ کرتی رہیئے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہیئے۔

(آل عمران آیت:42) عمران کی بیوی سیدہ حنہ (والدہ مریم) کا تذکرہ، سیدہ مریم کی ولادت، ان کی پرورش، ہیکل کی خدمت، حضرت زکریاؑ کی کفالت، حضرت مریم کی زہد و عبادت اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت و کرم کا یہ تذکرہ قرآن حکیم (سورۂ آل عمران آیات:33 تا38 اور آیت :42 تا44) میں بیان کیا گیا ہے۔

سوال: بشارت مسیحؑ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: انبیاء و رسل کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اولوالعزم انبیاء کی پیدائش سے قبل بشارتیں، الہام و غیبی اشارے ظاہر ہوئے ہیں اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ انبیاء سابقین اپنی وفات سے پہلے آنے والے نبی و رسول کی بشارت و خبر دے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت موسیٰ و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے اسمائے گرامی لئے جاسکتے ہیں جنہوں

نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں اپنے بعد آنے والے اولوالعزم نبیوں کی بشارت دے گئے ہیں۔ یہ اس لئے بھی کہ ان کی آمد سے پہلے دعوتِ حق کے لئے زمین ہموار رہے اور انسان کیلئے زیادہ سے زیادہ ہدایت فراہم ہو سکے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی ان چند اولوالعزم مقدس رسولوں میں سے ایک ہیں اور اسی بناء پر انبیاء بنی اسرائیل میں سے متعدد انبیاء کرام ان کی بعثت سے قبل بشارت سناتے رہے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم نے خاص طور پر یہ صراحت کی ہے کہ وہ "مُصَدِّقًا بِکَلِمَۃٍ مِنَ اللّٰہِ" یعنی عیسیٰؑ کی تصدیق کرنے والے تھے۔

(آل عمران آیت:39)

”عابدہ وزاہدہ پاک مریم اپنے خلوت کدہ میں مشغول عبادت رہتیں اور ضروری حاجات کے علاوہ باہر نہ نکلتی تھیں۔ ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ (ہیکل) کے مشرقی جانب لوگوں کی نگاہوں سے دور ایک گوشہ میں مشغول عبادت تھیں کہ اچانک اللہ کا فرشتہ (جبرئیل) انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ سیدہ مریمؑ نے ایک اجنبی آدمی کو اس طرح خلوت کدہ میں اچانک آتے دیکھا تو گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ اگر تجھ کو اللہ کا ذرا بھی خوف ہے تو میں تجھ کو اللہ رحمٰن کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ چاہتی ہوں۔ فرشتے نے کہا مریم! خوف نہ کھا میں انسان نہیں بلکہ اللہ کا فرستادہ فرشتہ ہوں اور تجھ کو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں“۔

سیدہ مریم نے جب یہ سنا تو انتہائی تعجب سے کہنے لگیں، میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ آج تک مجھے کسی بھی شخص نے ہاتھ نہیں لگایا، اس لئے کہ میں نے نہ تو نکاح کیا ہے اور نہ میں کوئی بدکار ہوں۔ فرشتے نے جواب دیا میں تیرے رب کا قاصد ہوں اس نے مجھے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ تجھ کو اور تیرے لڑکے کو کائنات کے لئے اپنی قدرت کا ”نشان“ بنا دوں گا اور لڑکا میری جانب سے ”رحمت“ ثابت ہوگا اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے۔ اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے جو اس کا ”کلمہ“ ہوگا اس کا لقب ”مسیح“ اور اس کا نام ”عیسیٰ“ ہوگا اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں عظمت والا اور باوجاہت ہوگا۔ اور وہ

''مقربین'' میں سے ہوگا اور وہ اللہ کے نشان کے طور پر شیر خوارگی کے زمانے میں لوگوں سے باتیں کرے گا اور بڑھاپے کا (ابتدائی دور) بھی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت ہے کہ جب وہ کسی شئی کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اس کا محض یہ ارادہ اور حکم کہ ''ہوجا'' اس شئی کو عدم سے وجود میں کر دیتا ہے۔ لہٰذا اے مریم! یہ یوں ہی ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی کتاب عطا کرے گا، اس کو حکمت سکھائے گا اور اس کو بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے رسول اور اولوالعزم پیغمبر بنائے گا۔ قرآن حکیم نے ان واقعات کو معجزانہ اسلوب کے ساتھ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں ذکر کیا ہے۔

سوال: ولادتِ مسیحؑ کا واقعہ کیا ہے؟

جواب: جبرئیلؑ امین نے سیدہ مریمؑ کو یہ بشارت سنا کر ان کے گریبان میں پھونک دیا۔ اس طرح اللہ کا حکم ان تک پہنچ گیا۔ پھر سیدہ مریمؑ نے کچھ عرصہ بعد خود کو حاملہ محسوس کیا تو بہ تقاضۂ بشری ان پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی اور دن بدن ان کا یہ اضطراب بڑھتا چلا گیا اور اس کیفیت نے اس وقت شدید صورت اختیار کر لی جب انہوں نے دیکھا کہ مدت حمل ختم ہو کر ولادت کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر یہ بات قوم کے اندر رہ کر پیش آئی اور چونکہ قوم حقیقتِ حال سے واقف نہیں اس لئے معلوم نہیں کہ وہ کس طرح بدنام اور بہتان طرازیوں سے پریشان کرے گی اس لئے اب اس مقام سے کہیں دور چلے جانا چاہئے اور اسکے لئے وہ بیت المقدس سے تقریباً نو میل کوہ سراۃ کے ایک ٹیلے پر چلی گئیں جو آج ''بیت اللحم'' کے نام سے مشہور ہے۔

سیدہ مریمؑ کا اپنے اعتکاف گاہ سے نکل کر وہاں جانا ایک فطری امر تھا، بنی اسرائیل کے مقدس ترین خاندان بنی ہارون کی لڑکی اور پھر وہ جو بیت المقدس میں اللہ کی عبادت کے لئے وقف ہو کر بیٹھی تھی یکا یک حاملہ ہوگئی۔ اس حالت میں اگر وہ اپنی جائے اعتکاف پر بیٹھی رہتیں اور ان کا حمل لوگوں پر ظاہر ہو جاتا تو خاندان والے ہی نہیں قوم کے دوسرے لوگ بھی ان کا جینا

مشکل کر دیتے اس لئے پاک مریم اس شدید آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد خاموشی کے ساتھ اپنے اعتکاف کا حجرہ چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں تا کہ جب تک اللہ کی مرضی پوری ہو قوم کی لعنت اور عام بدنامی سے تو بچی رہیں، ''بیت اللحم'' پہنچ کر چند گھنٹوں بعد دردِ زہ شروع ہوا تو تکلیف اور اضطراب کی حالت میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے تنے کے سہارے بیٹھ گئیں اور پیش آنے والی نازک حالت کا اندازہ کر کے انتہائی قلق اور بے چینی میں کہنے لگیں کاش کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میرا نام ونشان بھی گم ہو جاتا۔ سیدہ مریم کی زبان سے یہ الفاظ دردزہ کی تکلیف کے علاوہ اس گہری فکر کی وجہ سے بھی ظاہر ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس آزمائش میں انہیں ڈالا ہے اس سے وہ کس طرح بخیریت عہدہ برآ ہوں گی؟ حمل تو اب تک کسی نہ کسی طرح چھپا لیا اب اس بچہ کو کہاں لے جائیں اور کس طرح لوگوں کو یقین دلائیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت مریم شادی شدہ لڑکی ہوتیں تو کوئی بات نہ تھی کیونکہ شادی شدہ لڑکی کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہو رہا ہو تو وہ چاہے تکلیف سے کتنی ہی تڑپے اور بے چین ہو لیکن اسے رنج وغم کبھی لاحق نہیں ہوا کرتا کیونکہ ولادت ایک خوشی کا پیام بھی ہوتی ہے۔

اسی کرب و بے قراری میں نخلستان کے نشیب سے اللہ کے وہی فرشتے نے پھر آواز دی کہ اے مریم علیہا السلام! غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے لئے پانی کا چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کا تنہ پکڑ کر اپنی جانب حرکت دے تو پکے اور تازہ کھجور تجھ پر گرنے لگیں گے پس تو کھا پی اور اپنے بچے کے نظارے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر اور رنج وغم کو بھول جا۔

سیدہ مریمؑ چونکہ اس سے پہلے اس فرشتے کو دیکھ چکی تھیں اور اس کی آواز سے بھی مانوس تھیں فوری سمجھ گئیں کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو چند ماہ پہلے خلوت کدہ میں اچانک آ کر خوشخبری دے گیا تھا۔

فرشتے کی اس تسلی اور پاکیزہ بچے کی حسین وجمیل صورت نے کچھ دیر کے لئے رنج وغم اور تنہائی کے احساس کو دور کر دیا، بچے کو گود میں لیا اور اللہ کی نازل شدہ نعمت کھجور اور پانی استعمال کیا۔ بچے کو لے کر ایک محفوظ جگہ آ بیٹھیں، قدرے سکون ہوا تاہم یہ خیال ضرور کھٹکتا رہا کہ اگرچہ

اہل خاندان کو میری عصمت و پاکدامنی کا یقین ہے لیکن ان کی اس حیرت کو کس طرح دور کیا جا سکے گا کہ بن باپ کے کس طرح بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟ مگر جس اللہ برتر نے ان کو یہ بزرگی اور برتری بخشی وہ پاک مریم کو اس بے چینی میں کیوں مبتلا رہنے دیتا؟ اس نے پھر فرشتے کے ذریعہ سیدہ مریمؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ اے مریم جب تو اپنی قوم میں پہنچے اور وہ لوگ تجھ سے اس معاملہ کے متعلق سوالات کریں تو خود جواب نہ دینا بلکہ اشارہ سے ان کو بتانا کہ میں روزہ سے ہوں اور آج کسی سے بات نہیں کر سکتی تم کو جو کچھ دریافت کرنا ہو اس بچے سے دریافت کر لو۔ سیدہ مریمؑ وحی الٰہی کے ان پیغامات پر مطمئن ہو کر بچہ گود میں لئے بیت المقدس کو روانہ ہو گئیں جب شہر میں پہنچیں اور لوگوں نے اس حالت میں دیکھا تو چہار جانب سے انہیں گھیر لیا اور کہنے لگے، مریم یہ کیا ہوا؟ تو نے تو عجیب بات کر دکھائی اور بڑی تہمت کا کام کر گزری ہے۔ اے ہارون کی بہن (یعنی اے خاندان ہارون کی چشم و چراغ) نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدچلن تھی پھر تو یہ کیا کر بیٹھی؟

سیدہ مریمؑ نے اللہ کی بات کی تعمیل کرتے ہوئے بچے کی جانب اشارہ کیا کہ جو کچھ دریافت کرنا ہو اس سے معلوم کر لیں۔ میں تو آج روزہ سے ہوں (بنی اسرائیل کے ہاں روزے میں خاموشی بھی داخل عبادت تھی) لوگوں نے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب سے کہا کہ ہم اس بچے سے کیا بات کر سکتے ہیں جو گہوارے میں پڑا ہوا ہے؟ مگر بچہ فوراً بول اٹھا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے (اپنے فیصلہ تقدیر میں) مجھ کو کتاب (انجیل) دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھے مبارک بنایا خواہ میں کسی حال میں اور کسی بھی جگہ ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا شعار ہوگا اور اس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا ہے خودسر اور نافرمان نہیں بنایا اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ میں وفات پاؤں گا اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"یہ ہے عیسیٰ (علیہ السلام) مریم کا بیٹا، وہ سچی بات جس میں آج لوگ شک کر رہے ہیں اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ اس سے پاک ہے البتہ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتی ہے"۔

یہاں جو بات واضح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں "ابن اللہ" ہونے کا جو عقیدہ اختیار کر لیا ہے وہ باطل ہے۔ جس طرح ایک معجزے سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش نے ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں بنا دیا اسی طرح ایک دوسرے معجزے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی بناء پر انہیں اللہ کا بیٹا قرار دیا جائے۔ یہ عیسائیوں کا غلو ہے کہ وہ ایک معجزے سے پیدا ہونے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ (جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے) اور دوسرے معجزے سے پیدا ہونے والے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھے ہیں۔

اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ ہمارے کلمۂ کن سے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور اس کی تفصیلات کو سورۂ انبیاء، سورۂ تحریم، سورۂ مریم میں بیان کیا ہے۔

سوال: حضرت مسیحؑ کا اعلان رسالت کب اور کیسے ہوا؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے، انفرادی اور اجتماعی عیوب و نقائص کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان میں موجو نہ ہو۔ برے اعمال کے ساتھ اعتقادی گمراہیوں کا مرکز بن گئے تھے۔ حتیٰ کہ دین بیزاری کا مرض یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ اپنے ہی قوم کے ہادیوں اور پیغمبروں کے قتل پر جری اور دلیر ہو گئے تھے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو محض اپنی محبوبہ کے اشارہ پر قتل کروا دیا تھا۔ اس کا یہ سفاکانہ اقدام صرف نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے کے سلسلے میں ہوا تھا۔ یہ مظلومانہ حادثہ حضرت عیسیٰؑ کی ابتدائی زندگی ہی میں پیش آ چکا تھا۔ ان کے علماء اور احبار نے دنیا

کی حرص وہوس میں اللہ کی کتاب تورات تک کو تحریف کئے بغیر نہ چھوڑا۔ معمولی قیمت پر بھی اللہ کی آیات کو فروخت کرڈالتے تھے۔ عوام سے نذرونیاز حاصل کرنے کے لئے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتاتے، برائی کو آنکھوں سے دیکھتے اور پھر صرف نظر کرجاتے، بروں کے ساتھ خلاملا رکھتے اور ان کے حرام امور میں بے حجاب شرکت کرتے، سود اور رشوت کو پاک وحلال بتاتے، اہل شرک وکفر سے محبت رکھتے اور ان کو اپنا دوست بناتے تھے۔ اس تاریک ماحول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سن رشد کو پہنچتے ہی یہ اعلان کردیا کہ ''وہ اللہ واحد کے پیغمبر ورسول ہیں اور رشد وہدایتِ خلق ان کا فرض منصبی ہے''۔

اس اعلان نے قوم میں ہلچل پیدا کردی لوگ اردگرد جمع ہوگئے پوچھا کہ تمہارا کیا پیغام ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت کا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

''لوگو! اللہ نے مجھے اپنا رسول اور قاصد بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہاری اصلاح کی خدمت میرے سپرد کی ہے۔ میں اس کی جانب سے پیغام ہدایت لے کر آیا ہوں۔ تمہارے ہاتھ میں اللہ کا جو قانون (تورات) ہے اور جس کو تم نے اپنی نادانی اور غفلت سے پس پشت ڈال دیا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اللہ نے اس کتاب کی مزید تکمیل کے لئے ایک اور کتاب انجیل دی ہے۔ یہ کتاب تورات کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے حق کو حق ثابت کرتی ہے اور باطل کو باطل، سنو اور سمجھو اور اطاعت کے لئے خدا کے حضور جھک جاؤ یہی دنیا اور آخرت کی فلاح ہے''۔

قرآن حکیم نے ان حقائق اور ان کے عواقب ونتائج کو سورۂ بقرہ، سورۂ مائدہ، سورۂ آل عمران سورۂ نساء، سورۂ حدید اور سورۂ صف میں بیان کیا ہے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزاتِ اربعہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: زمانۂ قدیم سے ''سُنَّةُ اللّٰهِ'' یہ جاری رہی ہے کہ جب کسی قوم کی ہدایت یا کائنات انسانی کی صلاح وفلاح کے لئے نبی اور رسول مبعوث ہوتا ہے تو اس کو منجانب اللہ دلائل اور براہین اور معجزات سے نوازا جاتا ہے۔ وہ جہاں اللہ کی وحی اور پیغام سے زندگی کے طور

وطریقے سکھاتا ہے وہاں دوسری جانب معجزات (خدائی نشانات) کے ذریعہ اپنی صداقت اور ”مُؤَیِّدٌ مِّنَ اللّٰهِ“ ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ نیز ہر ایک پیغمبر کو اس قسم کے معجزات ونشانات عطا کیئے جاتے ہیں جو اس زمانے کے مناسب حال ہوتے ہیں۔ اور جو انسانوں کی قدرت سے بالاتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت داوٗدؑ وسلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں، تسخیر جن وانس اور تسخیر ہوا، لوہے کا ہاتھ میں نرم ہو جانا وغیرہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ”تِسْعَ آیَاتٍ“ نو معجزات دیئے گئے۔ جن میں سے دو نشان ”عصا“ اور ”ید بیضا“ کو قرآن حکیم نے بڑی نشانی کہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دہکتی آگ کے شعلوں کو ”بَرْدًا وَّ سَلَامًا“ بنا دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لئے ناقۃ اللہ (اونٹنی) کو نشان بنایا۔ حضرت نوحؑ وہودؑ سے ان کی قوم نے عذاب طلب کیا پیغمبر کی دعا سے ایسا عبرتناک عذاب آیا جو آنے والے انسانوں کے لئے عبرت ثابت ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن جیسا معجزہ عطا کیا گیا جس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ نیز بدر کے معرکہ میں مٹھی بھر خاک کو ایک ہزار دشمنوں کی آنکھوں کا آزار بنا دیا اور ”شق القمر“ کا معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو جب انسانی ہدایت ورشد کے لئے منتخب کیا گیا تو جہاں انہیں حجت وبرہان (انجیل) عطا کی اس زمانے کے مخصوص حالات کے مناسب چند ایسے معجزات بھی عطا کیئے گئے جو اس زمانے کے ارباب کمال اور انکی پیروی کرنے والوں پر اثرانداز ہوئے بغیر نہ رہے اور انہیں اعتراف کیئے بغیر چارہ نہ ہوا کہ بلاشبہ یہ اعمال ذاتی یا اکتسابی نہیں ہیں بلکہ محض اللہ کی جانب سے اسکے رسول کی تائید میں رونما ہوئے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے ان معجزات میں سے جن کا مظاہرہ قوم کے سامنے ہوا قرآن حکیم نے چار معجزات (معجزات اربعہ) کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(1) وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردہ انسانوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ (2) پیدائشی نابینا کو بینا اور کوڑھی وجذامی کو چنگا کر دیا کرتے تھے۔ (3) مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک دیتے تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا تھا۔ (4) وہ یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ کس نے کیا کھایا ہے اور گھر میں کیا

ذخیرہ محفوظ کر رکھا ہے۔ اس وقت قوم میں ایسے مسیحا موجود تھے جن کے علاج ومعالجہ وتدابیر خصوصی سے مریض شفا پاتے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کے سامنے کسی اسباب ووسائل اور تدابیر کے اختیار کئے بغیر جب ان امور کا مظاہرہ کیا تو حق وباطل، ہدایت وضلالت، نور وظلمت قدرتی تقسیم کے مطابق یہی اثر پڑا کہ جس شخص کے قلب میں حق کی طلب موجود تھی اس نے اقرار کیا کہ بلاشبہ اس قسم کا مظاہرہ انسانی وبشری طاقت سے باہر ہے، جو گزشتہ نبیوں کی طرح حضرت عیسیٰؑ کی تائید ونصرت میں جاری ہوا ہے۔ اور جن لوگوں کے قلوب میں جو دوانکار اور بغض وعناد تھا ان کے تعصب نے وہی کہنے پر مجبور کیا جو ان کے پیشتر انبیاء ورسل کے بارے میں کہتے رہے ہیں۔ " اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ" کچھ نہیں یہ سب کچھ جادو اور نظر بندی ہے۔ ان معجزات اربعہ کے علاوہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی ایک "عظیم الشان نشانی" تھی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات اربعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ سننے والے کو موعظت وعبرت کا درس ملتا ہے اور ان واقعات کی تذکیر سے قرآن حکیم کا یہی عظیم مقصد ہے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نزول مائدہ کا مطالبہ کرنے والے کون تھے اور نزولِ مائدہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: مخلص اور فداکار حواریوں کی جماعت اگرچہ صادق الایمان تھی لیکن علم وفہم کی کمی اور سادہ لوحی اور دنیاوی سروسامان کے اعتبار سے غرباء ومساکین کی جماعت تھی۔ دین حق کی تائید ونصرت کے لئے جہاں ایثار وقربانی ضروری ہے وہاں فارغ البالی اور کسب معاش سے یکسوئی بھی اہمیت رکھتی ہے ان غریب فداکاروں کے ہاں ایسا کوئی سامان زندگی نہ تھا جو ان کو یکسوئی کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ میں معاون ومددگار ثابت ہوتا۔ رزق فردا تو کیا رزق امروز بھی میسر نہ تھا۔ وہ بارہا حضرت مسیحؑ کے معجزات اور تائیدات غیبی کو دیکھ چکے تھے، خود حضرت مسیحؑ کا وجود اقدس بھی اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل نشان تھا، مخلص حواریوں نے ازراہ

سادگی یہ درخواست پیش کر دی کہ اے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان (مائدہ) اتار سکتا ہے؟ ان پڑھ کم علم انسانوں کا لب ولہجہ علم وادب والوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ علمی ومجلسی گفت وشنید کے طور طریقوں سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں ان میں ادب واحترام مفقود ہوتا ہے لیکن اس کا اظہار غیر مہذب اور گنوار پن جیسا ہوتا ہے بسا اوقات انکا یہ طرز بے ادبی اور گستاخی کی حدود میں آجاتا ہے، ایسا ہی کچھ عنوان حواریوں سے صادر ہو گیا۔ منشاء تو ان کا یہ تھا کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق نبوت کے بے شمار معجزات اور انعامات ظاہر فرمائے ہیں وہی ذات ہمارے لئے غیب کا ایک ''خوان نعمت'' (مائدہ) بھی نازل کر دے تا کہ ہم روزی کمانے کی فکر سے آزاد ہو کر شب وروز دین حق کی تائید ونصرت اور آنجناب کی دعوت وتبلیغ میں مشغول رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ فرمائش سن کر پہلے تو یہ نصیحت فرمائی کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت بے حد وحساب ہے، لیکن کسی نیک آدمی کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کو آزمائے، پس ایسے بے جا مطالبات سے ڈرو اور ایسے خیالات سے بچو۔ حواریوں نے جب یہ سنا تو متنبہ ہوئے اور عرض کرنے لگے حاشا وکلا ہمارا تو یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کو آزمائیں ہم صرف یہ چاہتے تھے کہ رزق کی جدوجہد سے دل کو فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کی اس ''عطا'' کو زندگی کا سہارا بنالیں اور آپ کی تصدیق میں ہم کو اس خوان غیب سے اعتقاد راسخ حاصل ہو جائے اور ہم اس پر کائنات انسانی کے لئے شہادت دینے والے بن جائیں۔

جواب معقول تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے اخلاص اور اصرار کو دیکھا تو قوم کو حکم دیا کہ وہ تیس دن کے روزے رکھیں پھر آپ نے دعا کی۔ ''الٰہی ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر دے جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے خوشی کا موقع قرار پائے اور آپ کی طرف سے یہ ایک عظیم نشانی ہو جائے۔ ہم کو رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے''۔

اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی۔ "اے عیسیٰ علیہ السلام! تمہاری دعا قبول کرکے میں اس کو نازل کردوں گا لیکن یہ واضح رہے کہ اس کھلی نشانی کے نازل ہونے کے بعد اگر ان میں سے کسی نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی تو پھر ان کو عذاب بھی ایسا ہی دردناک دوں گا جو کائنات کی کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا ہو"۔ قرآن کریم نے حواریوں کی فرمائش اور اپنا جواب سورۂ مائدہ میں نقل کیا ہے۔

ضروری نوٹ: یہ آسمانی خوان (مائدہ) نازل ہوا یا نہیں؟ قرآن حکیم اس کے متعلق کوئی تفصیل بیان نہیں کرتا اور نہ کسی مرفوع حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ پایا جاتا ہے۔ البتہ بعض اقوال صحابہ وتابعین میں اس کے متعلق تفصیلات ملتی ہیں۔ امام مجاہد وحسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مائدہ کا نزول نہیں ہوا کیونکہ حواریوں نے بعد کی خوفناک دھمکی سن کر اپنی درخواست واپس لے لی کہیں ایسا نہ کہ کسی لغزش یا خلاف ورزی کی بدولت دردناک عذاب سے دوچار ہو جائیں علاوہ ازیں اگر مائدہ کا نزول ہوا ہوتا تو وہ ایسا نشان ثابت ہوتا کہ نصاریٰ اس پر جس قدر بھی فخر کرتے وہ کم تھا اور ان کے ہاں اس کی جس قدر بھی شہرت ہوتی وہ بے جا نہیں ہوتی تاہم نصاریٰ کے ہاں اس نزول کا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ پیش آیا اور مائدہ کا نزول ہوا۔ جمہور مفسرین کا رجحان بھی اسی طرف ہے البتہ اس کی تفصیلات میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ "خوان نعمت" صرف ایک دن نازل ہوا۔ بعض حضرات بیان کرتے ہیں چالیس دن تک نازل ہوتا رہا پھر بند ہو گیا۔ اور اس کا یہ سبب ہوا کہ اس کے نزول پر یہ حکم بھی ہوا تھا کہ اس کو فقیر ومسکین اور مریض ہی کھائیں امیر وتندرست نہ کھائیں مگر چند روز تعمیل کے بعد لوگوں نے آہستہ آہستہ اس کی خلاف ورزی شروع کی۔ اور بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ اس نزول کے ساتھ یہ حکم تھا کہ اس کو کھائیں مگر اگلے روز کیلئے ذخیرہ نہ کریں۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس کی خلاف ورزی ہونے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف مائدہ کا نزول بند ہو گیا بلکہ خلاف ورزی کرنے والے

خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے، واللہ اعلم۔

لیکن یہ واضح رہے کہ جن اقوال میں خلاف ورزی اور اس کے متعلق عذاب کا ذکر ہے ان کا تعلق حواریوں میں سے کسی کی جانب مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف پڑتی ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے عوام الناس تھے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانی ہجرت (رفع الی السماء) کب، کیسے اور کیوں ہوئی؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ شادی کی اور نہ رہائش کے لئے گھر بنایا۔ وہ شہر شہر اور قریہ قریہ اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام سناتے اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے اور جس جگہ بھی رات آ پہنچتی وہیں بغیر کسی سامان راحت کے شب بسر کر لیتے چونکہ ان کی ذات بابرکت سے اللہ کی مخلوق جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی شفا اور تسکین پاتی تھی۔ اس لئے جس جانب بھی انکا گزر ہوتا انسانوں کا انبوہ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتا اور عقیدت و محبت کے ساتھ ان پر نثار ہو جانے کے لئے ہجوم کر جاتے۔ یہودیوں کو ان کی یہ دعوت حق اور ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی اور وہ بغض و عناد میں اندھے ہوئے جا رہے تھے۔ انہیں یہ اندیشہ ہر وقت بے قرار کئے رہتا تھا کہ ''عیسائیت'' غالب ہو جائے گی اور ہماری سرداری و حکمرانی کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے تو ان کے سرداروں اور مذہبی عہدہ داروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازش شروع کر دی اور آخر یہ طے پایا کہ کامیابی حاصل کرنے کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ بادشاہ وقت کو مشتعل کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دار پر چڑھا دیا جائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے مخالفین (یہودیوں) کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا۔ شام اس وقت رومی سلطنت کا ایک جزء تھا اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی۔

روم کے بادشاہ کی طرف سے ایک نائب سارے ملکِ شام کا گورنر تھا اور اس کا ماتحت ایک

امیر صوبہ فلسطین کا تھا۔ اہل روم کا مذہب اگرچہ شرک و بت پرستی تھا لیکن یہودیوں کو اتنا اختیار تھا کہ اپنے مقدمات اپنی مذہبی عدالتوں میں لائیں، لیکن سزاؤں کے نفاذ کے لئے پھر اپنے مجرموں کو رومی عدالت میں لانا پڑتا تھا اور سزائے موت وغیرہ صرف رومی حکومت ہی دیتی تھی۔

یہودی اگرچہ روم کے اس بت پرست بادشاہ سے متنفر ضرور تھے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ان کے قلوب میں بغض وحسد کی آگ نے انہیں ایسا اندھا کر دیا کہ انجام اور نتیجہ سے بے فکر ہو کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: عالی جاہ! یہ شخص نہ صرف ہمارے لئے بلکہ حکومت کیلئے بھی خطرہ بنتا جا رہا ہے اگر اس کا فوراً انسداد نہ کیا جائے تو نہ صرف ہمارا دین صحیح وسالم باقی رہ سکے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ آپ کے ہاتھ سے حکومت کا اقتدار بھی چلا جائے۔ اس لئے کہ اس شخص (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے عجیب وغریب شعبدے (معجزات) دکھا کر مخلوق کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور ہر وقت اس طاق میں ہے کہ عوام کی اس طاقت کے بل پر آپ کو شکست دیدے اور خود بنی اسرائیل کا بادشاہ بن جائے۔ اس شخص نے لوگوں کو نہ صرف دینی حیثیت سے گمراہ کر دیا ہے بلکہ اس نے ہمارے دین (یہودیت) تک کو بدل ڈالا ہے اور لوگوں کو بد دین بنانے میں شب و روز مشغول ہے، لہٰذا اس کا انسداد ضروری ہے تا کہ بڑھتا ہوا یہ فتنہ ابتدائی منزلوں میں کچل ہی ڈالا جائے۔

غرض کافی گفت وشنید کے بعد بادشاہ (پیلاطیس) نے ان کو اجازت دیدی کہ حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرلیں اور شاہی دربار میں مجرم کی حیثیت سے پیش کریں۔ بنی اسرائیل کے سردار اور کاہن یہ حکم نامہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے اور فخر کے ساتھ ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے اور کہنے لگے کہ اب موقع کا انتظار کیا جائے اور مناسب وقت تنہائی میں حضرت مسیحؑ کو گرفتار کر لیا جائے تا کہ عوام میں ہیجان نہ ہونے پائے۔ انجیل یوحنا میں اس واقعہ کے متعلق اس طرح مذکور ہے:

''پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے اگر ہم اسے یونہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے

آئیں گے اور اہل روم آکر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کرلیں گے۔ ان میں سے کائفا نامی ایک شخص نے جو اس سال سردار کاہن تھا کہا تم نہیں جانتے اور نہ یہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو"۔ (باب 11 آیات: 47 تا 51) مرقس کی انجیل میں اس طرح ہے:

"دو دن کے بعد عید ہونے والی تھی اور سردار کاہن اور فقیہ موقع ڈھونڈ رہے تھے کہ اسے کیونکر قریب سے پکڑ کر قتل کریں کیونکہ کہتے تھے کہ عید کے دن کہیں ایسا نہ ہو کہ بلوہ ہو جائے"
(باب:13 آیت:2)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے مکالمے کو سورۂ آل عمران اور سورۂ صف کے حوالہ سے نقل کیا جاچکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہودیوں کے کفر و عناد اور ریشہ دوانیوں کو محسوس کیا تو ایک جگہ اپنے حواریوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں اور کاہنوں کی سرگرمیاں تم سے پوشیدہ نہیں ہیں مجھ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آزمائش اور امتحان کا وقت قریب آگیا ہے۔ اب میں تم سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت کون اللہ کے دین کا ناصر و مددگار ثابت ہوگا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال سن کر حواریوں نے بڑے جوش و خروش اور صداقت ایمانی کے ساتھ جواب دیا۔

"ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائیں ہیں۔ آپ گواہ رہئے کہ ہم اطاعت کرنے والے ہیں"۔ (القف۔ آیت:14) پھر حواریوں نے بارگاہ الٰہی میں اس طرح دعا کی:۔ "اے پروردگار ہم تیری نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لے آئے اور سچے دل کے ساتھ تیرے رسول کی پیروی کی ہے۔ لہٰذا اے اللہ تو ہمیں فداکاروں کی فہرست میں شامل کرلے"۔ حواریوں کا یہ جواب ایسا ہی تھا جیسا کہ ہر نبی کے اصحاب نے ایسے موقعوں پر اپنے نبی کو دیا ہے۔

الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں دعا دی اور پھر اللہ تعالیٰ کی وہ وحی پڑھ کر سنائی جو ان پر نازل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے

پانچ وعدے فرمائے تھے۔

پہلا وعدہ یہ تھا کہ ان کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعہ نہ ہوگی۔

دوسرا وعدہ فی الحال عالم بالا کی طرف اٹھالیا جائے۔

تیسرا وعدہ ان کو دشمنوں کی تہمت سے پاک کردیا جائے گا۔

چوتھا وعدہ آپ کی پیروی کرنے والے مخلصوں کو قیامت کے دن ان کے دشمنوں پر غالب رکھا جائے گا۔

پانچواں وعدہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے باہمی مذہبی اختلافات کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (آل عمران۔ آیت:55) حقیقت یہ ہے کہ کفار و مشرکین کی مخالفت اور عداوت تو ہر نبی کے ساتھ رہی ہے اور سنت اللہ یہی رہی ہے کہ جب کسی نبی کی قوم اپنے انکار اور ضد پر قائم رہی اور پیغمبر کی بات نہ مانی اور ان کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائی تو دو صورتوں میں سے ایک صورت نافذ ہو کر رہی ہے۔

○ یا تو اس قوم پر آسمانی عذاب بھیج کر سب کو فنا کر دیا گیا جیسے عاد و ثمود اور قوم لوطؑ و قوم صالحؑ کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔

○ یا پھر یہ صورت ہوتی ہے کہ اللہ اپنے نبی کو اس دار الکفر سے ہجرت کر جانے کا حکم دیتا ہے اور وہاں اس نبی کو ایسی قوت و تائید نصیب ہوتی ہے کہ وہ پھر اپنی قوم پر فتح پاتا ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ نے عراق سے ہجرت کی اور ملکِ شام میں پناہ لی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کر کے مدین میں قیام کیا۔ اور آخر میں خاتم الانبیاء علیہ السلام مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینۂ طیبہ میں مقیم ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہی دوسری صورت اختیار فرمائی اور انہیں یہودیوں کے نرغہ سے بچانے کے لئے آسمان پر اٹھالیا اور ان کی ہجرت گاہ آسمان قرار پایا اور یہ خصوصی موقف اس لئے قرار پایا کہ انہیں قیامت کے قریب دوبارہ زمین پر آنا تھا۔

الغرض یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا سولی دینے کی سازشوں میں مشغول تھے اور اپنی دانست میں ایسی تدبیریں اور مکروفریب اختیار کر رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی طرح زندہ باقی نہ رہیں لیکن خالق کائنات نے ان مخالفین اور معاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں الٹ دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کی موت سے بچالیا۔

اہلِ کتاب یہود اور نصاریٰ دونوں کا مشترک بیان ہے کہ یہودیوں کے سردار اور کاہنوں کو یہ اطلاع ملی کہ اس وقت حضرت مسیحؑ لوگوں کی بھیڑ سے الگ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک بند مکان میں موجود ہیں۔ یہ موقع انہیں بہتر نظر آیا فوراً ہی ایک ہجوم مکان پر پہنچ گیا اور چاروں طرف سے مکان کا محاصرہ کرکے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرلیا اور توہین وتذلیل کرتے ہوئے بادشاہ پیلاطیس کے دربار میں لائے گئے تاکہ وہ ان کو سولی دے دے۔ ادھر ملک کی عدالت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قومی دشمنی اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے واجب القتل ہونے کا فیصلہ صادر کردیا تھا۔ یہودیوں کے اصرار پر بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سپاہی بھیجے کہ انہیں سولی کا لباس پہنا کرلایا جائے۔

یہودی سپاہی جب قید خانے میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت وشکل میں تبدیل کردیا اور وہ بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت وشکل جیسا ہوگیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قاہرانہ قدرت کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ قرآن حکیم کے یہ واضح الفاظ ہیں:۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰـكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (الآیہ) وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ الآیہ (النساء آیت:157) حالانکہ نہ وہ آپ کو قتل کرسکے اور نہ آپ کو سولی ہی پر چڑھا سکے بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کردیا گیا۔ اور یقینی بات ہے کہ انہوں نے آپ کو قتل نہیں کیا، البتہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگرچہ رومی عدالت سے ملی اور وہی ملکی عدالت نفاذِ سزا پر قادر تھی لیکن آپ کو سزا دلوانے میں اور آپ کیلئے سزائے موت

سنوانے میں تمام تر یہودی ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اقدام قتل کی ذمہ داری یہودیوں ہی پر رکھی ہے۔

چاروں انجیل اتنے جزء پر تو متفق ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم پیلاطیس (جو عیسائی تھا) آپ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا۔ یہ یہودی ہی تھے کہ انہوں نے جھوٹا استغاثہ گھڑا، گواہیاں فراہم کیں اور بلوہ وفساد کی دھمکی دے دیکر عدالت کو سزائے موت سنانے پر مجبور کیا۔ انجیل متیٰ کا ایک مختصر بیان یہ ہے:۔ جب پیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا بلکہ الٹا بلوہ ہوا جاتا ہے تو پانی لے لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں راست باز کے خون سے بری ہوں، تم جانو! سب لوگوں نے کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر، اس پر اس نے برّابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کر دیا تا کہ صلیب دی جائے۔ (انجیل آیت:26,24,27)

انجیل لوقا میں مزید یہ صراحت ملتی ہے:۔ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین بار کوشش کی لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کر دیا۔ (آیت:22,23) اسی طرح قدیم تاریخوں میں خود یہودیوں کی لکھی ہوئی عبارتوں میں اس بات پر فخر کا اظہار کیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو ہلاک کرنے کی ساری جدوجہد ہمارے ہی سر ہے۔

قرآن حکیم نے صراحت ووضاحت کے ساتھ یہ بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام بن مریمؑ کے قتل یا صلیب کی پوری داستان سرتاسر غلط اور جھوٹ ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی زندگی کے ساتھ آسمان کی جانب اٹھالیا گیا اور اسکے بعد دشمن مکان کے اندر گھس پڑے تو ان پر صورتِ حال مشتبہ کر دی گئی اور وہ کسی طرح بھی نہ جان سکے کہ آخر اس مکان میں سے مسیحؑ کہاں چلایا گیا۔ قرآن کریم نے ''رفع الی السماء'' کے اس معجزانہ واقعہ کو سورۂ نساء آیت:158,157 میں بیان کیا ہے۔

امام تفسیر ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت مسیحؑ کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے

حواری ایک جگہ جمع ہوئے اور حضرت مسیحؑ بھی ان کے ہاں تشریف لائے۔ ابلیس شیطان نے یہودیوں کی اس جماعت کو جو حضرت مسیحؑ کے قتل کے لئے تیار کھڑی تھی حضرت مسیحؑ کا پتہ دیا۔ اس پر چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک شخص اس بات کے لئے آمادہ ہے کہ وہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے پھر وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کیا آپ نے اپنا عمامہ اور کرتا اس کو عطا کیا پھر اس شخص پر اللہ کی جانب سے حضرت مسیحؑ کی شباہت ڈال دی گئی۔ جب وہ شخص باہر نکل آیا تو یہود نے اسے پکڑ لیا اور سولی پر چڑھا دیا ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔

بعض روایات میں یہ بھی راحت ملتی ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا جب وہ شخص اس مکان میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا اور باہر نکلا تو اس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی تھی یہودیوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کے لاکھ انکار کے باوجود اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر قتل کر دیا۔ (مظہری)

قتل کے بعد بھی بعض یہودیوں کو احساس ہوا انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم نے اپنے ہی آدمی کو قتل کیا ہے اس لئے کہ یہ مقتول چہرے میں تو مسیحؑ بن مریم کے مشابہ ہیں لیکن باقی جسم ان جیسا نہیں ہے۔ اور یہ کہ اگر یہ مقتول مسیحؑ ہیں تو ہمارا آدمی کہاں ہے؟ اور اگر یہ آدمی ہمارا ہے تو مسیحؑ کہاں گیا؟ وَلٰـكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (الآیہ) کی ایک تفسیر یہ بھی ہے۔

الغرض حضرت مسیحؑ کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کئے گئے اور یہ سب شک اور اٹکل کی باتیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انکو اپنی طرف بلا لیا۔

سوال: کیا قیامت کے دن نصاریٰ کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سفارش وشفاعت قبول ہوگی؟

جواب: قیامت کے دن عام انسانوں سے پہلے تمام انبیاء ورسل کو جمع کیا جائے گا اور ان سے جواب طلب کیا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت وتبلیغ پر تم کو کیا جواب دیا؟

یہ وقت امتوں کے لئے بڑا نازک اور ہوش ربا ہوگا۔ کیونکہ وہاں ہر امت اپنی نبی کی سفارش وشفاعت کے انتظار میں ہوگی اور یہ توقع لگائے ہوئے ہوں گی کہ نجات کا کوئی ذریعہ ہے تو بس یہی ایک صورت ہے لیکن جب رب العالمین سے خود یہ سوال سنا جائے گا کہ بتاؤ تمہاری امتوں نے تم کو کیا جواب دیا۔ تو رہی سہی توقع بھی ختم ہوجائیگی۔ رب العالمین کا یہ ابتدائی سوال تمام رسولوں سے بحیثیت مجموعی ہوگا۔ پھر ایک ایک رسول سے الگ الگ شہادت لی جائے گی۔ اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو سوال کیا جائے گا اس کو قرآن حکیم نے بطور خاص سورۂ مائدہ آیات:116 تا120 میں نقل کیا ہے۔

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائیں گے اے عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) اور میری ماں (سیدہ مریمؑ) کو بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود قرار دے لو۔ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ) میں تو (خود اپنے عقیدے میں) آپ کو (شریک سے) منزہ سمجھتا ہوں (تو ایسی حالت میں) مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جسکے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے (واقع میں) کہا ہوگا تو آپ کو اس کا (یقیناً) علم ہوگا۔

آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں۔ اور میں تو (دیگر مخلوقات کی طرح اتنا عاجز ہوں کہ) آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ پس تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا صرف وہی بات جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان کی (حالت) پر مطلع رہا جب تک ان میں موجود رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا تو آپ ان کے احوال پر مطلع رہے (اس وقت کی مجھ کو کچھ خبر نہیں) اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ اگر

آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمائیں تو آپ زبردست (قدرت والے) ہیں اور حکمت والے ہیں۔ (اسکے بعد) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

آیات بالا کی تفسیر میں مشہور محدث حافظ ابن عساکرؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک صحیح حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام انبیاء علیہم السلام کو اور ان کی امتوں کو بلایا جائے گا اور عیسیٰؑ بھی بلائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پہلے ان کے سامنے اپنی ان نعمتوں کو شمار کرائیں گے جو دنیا میں ان پر نازل ہوتی رہی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سب کا اعتراف کریں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (الآیہ) اے عیسیٰ! کیا تم نے اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں مریم کو اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا انکار فرمائیں گے۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا اور ان سے یہی سوال کیا جائے گا۔ یہ لوگ دروغ بیانی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں عیسیٰ علیہ السلام نے ہم کو یہی تعلیم دی تھی۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سخت خوف طاری ہوجائیگا، بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے اور خشیت الٰہی سے سجدہ ریز ہوجائیں گے اور یہ مدت ان کو ایک ہزار سال معلوم ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصاریٰ کے خلاف حجت قائم کردی جائے گی اور ان کی خود ساختہ صلیب پرستی کی حقیقت کھول دی جائے گی اور اس کے بعد ان سب کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا

(تفسیر ابن کثیر ج:1 سورۂ مائدہ)

سوال: حضرت مسیحؑ پر جو کتاب انجیل نازل ہوئی تھی کیا موجودہ چاروں انجیل وہی ہیں حضرت مسیحؑ کے بعد کی تصانیف ہیں؟

جواب: یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی سوال بدستور باقی ہے اور عیسائیت پر اسلام کا یہ ایسا بھاری قرضہ ہے جس کی ادائیگی کے لئے وہ عاجز ودرماندہ ہے۔ تمام اہل علم کا جس میں علماء نصاریٰ بھی شامل ہیں اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت مسیحؑ کی انجیل نہیں ہے اور نہ اس کا خالص ترجمہ ہے۔

موجودہ چاروں انجیلوں کے متعلق نصاریٰ کے ہاں ایسی کوئی سند یا دستاویز نہیں جس کی بنا پر وہ یہ کہہ سکیں کہ ان کی روایات کا سلسلہ یا ان کی ترتیب وتالیف کا زمانہ حضرت مسیحؑ یا ان کے شاگردوں (حواریوں) تک پہنچتا ہے۔ خود عیسائیت کی مذہبی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک عیسائیوں میں اکیس سے زیادہ انجیلیں الہامی یقین کی جاتی تھیں۔ لیکن 325ء میں ''نایسیا'' کی کونسل نے ان میں سے صرف چار کو منتخب کر کے باقی کو متروک اور غیر معتبر قرار دے دیا اور یہ انتخاب بھی کسی تاریخی یا علمی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک طرح کی فال نکالی گئی اور اس کو الہامی اشارہ تسلیم کر لیا گیا۔ ساری انجیلوں کو ایک تخت پر رکھ دیا گیا اور انجیل کی آیات اور اللہ کا نام اور اس سے استعانت طلب کرتے ہوئے ایک ایک پر ہاتھ رکھا گیا جو زمین پر گرتی چلی گئی وہ نامقبول قرار پائی اور جو باقی رہی وہ حقیقی کتاب مقدس سمجھی گئی۔ اس طرح چار کتابیں گرنے سے رہ گئیں اور وہ یہ ہیں:۔

○ ان بقیہ چاروں انجیل میں سب سے قدیم متیٰؑ کی انجیل تسلیم کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود نصاریٰ کے قدیم علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ انجیل متیٰؑ اصلی نہیں بلکہ اس کا ترجمہ ہے اس لئے کہ اصل کتاب عبرانی زبان میں تھی جو اب ناپید اور ضائع ہو گئی ہے اور موجودہ ترجمہ کے بارے میں قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اصل زبان کا ترجمہ ہے جبکہ مترجم کا نام تک معلوم نہیں اور نہ یہ پتہ کہ کس زمانے میں یہ ترجمہ ہوا ہے؟

○ دوسری انجیل مرقس کی ہے، اس کے متعلق مشہور عیسائی عالم پطرس گوماگ اپنی کتاب ''مروج الاخبار فی تراجم الابرار'' میں مرقس کی سوانح حیات پر لکھتا ہے کہ یہ نسلاً

یہودی لاوی اور پطرس حواری عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ رومیوں نے جب عیسائیت اختیار کرلی تو ان کے مطالبہ پر یہ انجیل تصنیف کی 68ء میں اسکندریہ کے قید خانے میں بت پرستوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

○ تیسری انجیل سینٹ لوقا کی انجیل ہے۔ جس قدر اختلاف علماء نصاریٰ میں متیٰ کی انجیل کے بارے میں ہے اس سے بھی زیادہ لوقا کی انجیل کے بارے میں اختلاف موجود ہے خود لوقا نے اپنی انجیل کی ابتداء میں یہ لکھا ہے کہ یہ انجیل اس نے ثاؤفیلس کے ساتھ خط وکتابت کی بنا پر لکھی ہے وہ اس کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ مسیح کی باتیں جن لوگوں نے کانوں سے سنی تھیں انہوں نے ہم تک جس طرح پہنچائی ہیں ان کو بہت سے لوگ ہم سے نقل کر رہے ہیں اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کو خود ہی صحیح طریقہ پر جمع کر دوں تا کہ تم کو صحیح حقیقت معلوم ہو جائے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوقا نے حضرت مسیح کا زمانہ نہیں پایا۔ نیز علماء نصاریٰ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ لوقا کی انجیل مرقس کی انجیل کے بعد وجود میں آئی اور پطرس اور پولوس کے مرنے کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔ (قصص الانبیاء للنجار ص:477)

اصل بات یہ ہے کہ لوقا شہر انطاکیہ میں طب کا پیشہ کرتا تھا۔ اس نے حضرت مسیحؑ کو نہیں دیکھا اور مسیحیت کو سینٹ پال (پولوس) سے سیکھا اور سینٹ پال کے متعلق یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ اصلاً متعصب یہودی تھا اور عیسائیت کا بدترین دشمن تصور کیا جاتا تھا وہ نصاریٰ کے خلاف علی الاعلان اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے تھا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی ہمہ قسم مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود مسیحیت ترقی کرتی جارہی ہے اور رو کے نہیں رکتی تب اس نے مکروفریب سے کام لیا اور اچانک اعلان کیا کہ مجھ سے ایک عجیب معجزہ سرزد ہوا میں بحالت صحت تھا کہ ایک دم اس طرح زمین پر گرا جیسا کہ کوئی کشتی میں پچھاڑ دیتا ہے اور اسی حالت میں حضرت مسیحؑ نے مجھ کو چھوا اور پھر سخت زجر و تنبیہ کی کہ آئندہ تو ہرگز میرے پیروی کرنے والوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنا۔ پس میں اسی وقت حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آیا اور حضرت مسیحؑ کے حکم سے مسیحی

دنیا کی خدمت کے لئے مامور ہو گیا ہوں۔ حضرت مسیحؑ نے مجھ سے فرمایا کہ میں لوگوں کو مسیح کی انجیل کی بشارت سنا دوں اور اس کے اتباع کی ترغیب دوں۔ چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ ''کلیسا'' پر ایسا قبضہ کیا کہ دین عیسوی کی اصل صداقتوں کو مٹا کر بدعتوں اور رسومات کا مجموعہ بنا ڈالا۔ الوہیت مسیح، تثلیث، ابنیت، کفارہ کی بدعتوں کو ایجاد کر کے پوری مسیحیت کو بت پرستی میں تبدیل کر دیا آج جو مسیحیت قائم ہے وہ اسی پولوس کی ایجاد کردہ مسیحیت ہے۔ اس کے بعد کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ پولوس کے شاگرد لوقا کی انجیل الہامی انجیل ہے؟ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لوقا کی انجیل میں بیس سے زیادہ مواقع پر متیؔ کی انجیل سے اضافہ ہے اور مرقس کی انجیل سے تو اس سے بھی کہیں زیادہ ان تمام دلائل سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ لوقا کی انجیل ہرگز الہامی نہیں ہے اور نہ کسی حواری عیسیٰ کی تصنیف ہے۔

○ چوتھی انجیل یوحنا کی ہے اس کے متعلق نصاریٰ کا عام عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے محبوب شاگرد یوحنا زبدی کی تالیف ہے۔ زبدی حیاد۔ یوحنا کے والد کا نام تھا خلیل کے بیت صیدا میں ولادت ہوئی اور حواری عیسیٰ علیہ السلام کا شرف پایا۔ نصاریٰ میں مشہور بارہ حواریوں میں سے سب سے زیادہ انہی کو تقدیس وشرف حاصل ہے عیسائی علماء لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں شیرنیطوس اور ان کی جماعت اپنے عقیدہ کی تشہیر کر رہی تھی کہ الوہیت مسیح (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں) کا عقیدہ باطل ہے، وہ بشر تھے اور سیدہ مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور سیدہ مریم سے قبل وہ عالم وجود میں نہیں تھے۔ یہ زمانہ 96ء کا ہے۔ اس وقت پادریوں اور لاٹ پادریوں کی مجلس مشاورت ہوئی اور انہوں نے یوحنا کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کی کہ وہ حضرت مسیحؑ کی باتیں تحریر کر دیں اور جو باتیں دوسری انجیلوں میں پائی جاتی ہیں ان کے سوا جو کچھ معلوم ہو وہ لکھیں، خصوصیت سے الوہیت مسیح کا مسئلہ ضرور لکھیں تا کہ شیرنیطوس وغیرہ کی جماعت کے خلاف ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں۔ تب یوحنا ان کی بات ٹال نہ سکے اور یہ انجیل لکھنے پر مجبور ہوئے۔ مگر اس کے مقابلہ میں بہت سے مسیحی علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل یوحنا

کی تصنیف ہرگز نہیں ہے۔ مؤلف قصص الانبیاء نے چند ایسے مشہور و نامور علماء مسیحی کے نام اپنی کتاب میں حوالوں کے ساتھ لکھے ہیں۔

ان اناجیل اربعہ کا یہ مختصر تعارف ہے جس سے ان کی حقیقت سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے علاوہ ازیں ان کتابوں کے الہامی نہ ہونے کے دو اور واضح دلائل یہ بھی ہیں کہ ان چاروں انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کی زندگی کے حالات میں ان کی گرفتاری، ان کا صلیب پر چڑھایا جانا، ان کا قتل، مر کر دوبارہ زندہ ہونا اور حواریوں سے کلام کرنا وغیرہ کے حالات بھی موجود ہیں۔ اگر یہ اناجیل اربعہ حضرت مسیحؑ کی الہامی انجیل ہوتیں یا اس کا کوئی حصہ ہوتا تو ان باتوں کا تذکرہ ناقابل فہم بات ہے یہ واقعات تو حضرت مسیحؑ کے بعد شاگرد جمع کرتے نہ کہ خود حضرت مسیحؑ؟

لہٰذا ان اناجیل کی حیثیت ایک تاریخی کتاب کی ہوئی نہ کہ "کتاب اللہ" کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ دوسری دلیل ان اناجیل کے غیر الہامی ہونے کی یہ ہے یہ اناجیل اربعہ جن جن زبانوں میں منقول ہوئیں ہیں ان کی عبارات و کلمات کی بقاء و تحفظ کی کبھی پرواہ نہیں کی گئی بلکہ ایک ہی زبان کے مختلف ایڈیشنوں اور اشاعتوں میں بہ کثرت الفاظ اور جملوں کی تبدیلی کمی بیشی موجود ہے۔ ان تحریفات لفظی اور معنوی اور تضاد بیان کی تفصیلات و تصریحات کو بنظر وسیع مطالعہ کرنا ہو تو مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب "میزان الحق" اور حافظ ابن قیمؒ کی کتاب "ہدایۃ الحیاریٰ" اور علامہ باجی زادہ کی کتاب "الفارق بین الخالق والمخلوق" اور مولانا آل نبی امروہی کی کتاب "اظہار حق" لائق دید کتابیں ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے مطالعہ سے مسیحیت بے نقاب بھی ہو جاتی ہے۔

الغرض موجودہ چاروں انجیلیں نہ الہامی ہیں نہ ان کے الہامی ہونے کی کوئی سند ہے اور نہ ان کے مرتبین کے بارے میں قطعی یا یقینی علم حاصل ہے اور نہ زمانہ تالیف ہی متعین ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک ایسی زبان کے ترجمے ہیں جن کا وجود دنیا سے مٹ چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق قرآن کریم نے کس حقیقت

کا اظہار کیا ہے؟

جواب: حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے متعلق تمام آیات قرآنی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت مسیحؑ کے متعلق یہود کی تفریط اور نصاریٰ کی افراط دونوں کے خلاف اپنا وہ فرض منصبی ادا کیا ہے جس کے لئے قرآن حکیم کی دعوت کا ظہور ہوا ہے۔ یہود اور نصاریٰ اس بارے میں قطعاً دو مخالف اور متضاد عقیدوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ مفتری کاذب اور شعبدہ باز تھے۔ نصاریٰ کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ خدا، خدا کے بیٹے یا ثالث ثلثہ (تین خداؤں میں ایک) ہیں۔

قرآن حکیم نے چند لفظوں میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کی ایسی صاف تردید کی ہے کہ اس سے زیادہ صفائی ممکن نہیں۔

مَاالْمَسِیْحُ بْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ۔ الآیۃ۔ (مائدہ آیت:75)

حضرت مسیحؑ کے بارے میں اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ فی الحقیقت وہ کیا تھے تو ان علامات سے بالکل غیر مشتبہ طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک انسان تھے ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جن کا شجرۂ نسب تک موجود ہے اور جو انسانی جسم رکھتے تھے وہ ان صفات سے متصف تھے جو انسان کے لئے مخصوص ہیں وہ سوتے تھے کھاتے تھے۔ گرمی سردی محسوس کرتے تھے، انہیں بھوک پیاس بھی لگتی تھی، دکھ درد سے بھی سابقہ پڑتا تھا، خوف و امید بھی طاری ہوتی تھی، ان کو آزمائش میں بھی ڈالا گیا۔ ان سب کے باوجود وہ اللہ کے نبی اور رسول بھی تھے۔

اس قرآنی تفصیل کے بعد کون معقول انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ خود خدا یا خدائی میں شریک یا خدا کے بیٹے تھے؟ لیکن یہ انسانی ذہن کی انتہائی گمراہی ہے کہ عیسائی خود اپنی مذہبی کتابوں میں حضرت مسیحؑ کی زندگی کو صریحاً ایک انسانی زندگی پاتے ہیں اور پھر بھی انہیں خدائی سے متصف قرار دینے پر اصرار کئے چلے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس تاریخی اور حقیقی مسیح کے قائل ہی نہیں جو عالم وجود میں ظاہر ہوئے تھے بلکہ انہوں نے خود اپنے وہم وگمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر لیا اور اس کو خدا بنا لیا۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ اب رہا حضرت مسیحؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا یہ کسی طرح بھی خدائیت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ان کی مثال حضرت آدمؑ جیسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر اپنے کلمہ کن سے وجود بخشا۔ اگر بن باپ کے ہونا حضرت مسیحؑ کے خدا ہونے کی دلیل ہو تو حضرت آدمؑ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ وہ بغیر باپ وماں کے پیدا ہوئے ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

(آل عمران آیت:59)

بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام جیسی ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا۔ ○ ○ ○

صوفیوں کا مسلک

○ ایک صوفی سے کسی نے پوچھا کہ کیسی گذرتی ہے......؟ بولے کہ آسمان میری ہی مرضی پر حرکت کرتا ہے۔ ستارے میرے ہی کہنے کے موافق چلتے ہیں، زمین میرے ہی حکم سے دانہ اگاتی ہے۔ بادل میرے ہی اشاروں پر برستے ہیں...... سائل نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیونکر ممکن ہے......؟ فرمایا کہ میری کوئی خواہش نہیں، بلکہ جو کچھ وقوع میں آتا ہے وہی میری خواہش ہے، اس لئے جو کچھ ہوتا ہے میری ہی خواہش کے موافق ہوتا ہے۔ اس بناء پر فناء کی یہ حقیقت ہے کہ سالک اپنی ہستی کو بالکل مٹا دے اور ذات الٰہی میں فنا ہو جائے، جس میں منصور نے انا الحق اور حضرت بایزید بسطامی نے "سبحانی ما اعظم شانی" کہا تھا اور اس حالت میں کہنا الزام نہیں......

ماخذ و مراجع

وہ کتابیں جن سے براہ راست یا بالواسطہ

" سیرة الانبیاء علیهم السلام "

کی ترتیب وتالیف میں مدد لی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

الف

- ابوداؤد شریف
- ابن ماجہ شریف
- اخبار الکرام باخبار المسجد الحرام
- البدایہ والنہایہ (اسمٰعیل بن کثیر الدمشقیؒ)
- ارض القرآن
- اصح السیر
- الدر المنثور
- النبی الخاتم
- الصارم المسلول (علامہ ابن تیمیہؒ)
- الروض الانف
- الرحیق المختوم (مولانا صفی الرحمٰن)
- الاعلام (خیر الدین الزرکلیؒ)
- اصابہ فی تمیز الصحابہ (ابن حجر عسقلانیؒ)
- اصابہ فی احوال الصحابہ
- اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیرؒ)
-

ب

- بخاری شریف
- بیہقی
- بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام
- بغیۃ الظمآن فی اول ما کان
- بلاغ مبین
- بین الاقوامی واسلامی جغرافیہ
- بدائع الصنائع (علامہ ابوبکر کاسانیؒ)
- بذل المجہود فی حل ابی داؤد

ت

- تفسیر جلالین (علامہ سیوطیؒ)
- تفسیر قرطبی
- تفسیر ابن جریر طبری (جامع البیان)
- تفسیر ابن کثیر (اسماعیل بن کثیر الدمشقیؒ)
- تفسیر خازن
- تفسیر روح المعانی
- تفسیر جمل
- تفسیر مظہری
- تفسیر درمنثور
- تفسیر بیان القرآن
- تفسیر معارف القرآن
- تفسیر بغوی
- ترمذی شریف
- تاریخ ارض القرآن
- تاریخ اسلام

ج

- جلالین شریف
- جامع الترمذی
- جزیرۃ العرب

- الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح

ح

- حیات آدم
- حیاۃ الحیوان
- حجۃ اللہ البالغۃ (شاہ ولی اللہ دہلویؒ)
- حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء
- حوادث الفتاویٰ (حضرت تھانویؒ)
- حجۃ الاسلام (حضرت نانوتویؒ)

خ

- خلاصۃ السیر
- خصوصی سیرت نمبر (حسن مثنیٰ)
- خصائل نبوی
- خصائص کبریٰ
- خطبات مدراس

د

- درسی تفسیر
- درمختار (علامہ علاء الدین حصکفیؒ)

ذ

- ذخیرۂ معلومات

ر

- روح البیان
- روح المعانی
- روض الانف
- رحمۃ اللعالمین
- رسول رحمت (مولانا ابوالکلام آزادؒ)
- رحمت عالم (علامہ سید سلیمان ندویؒ)
- رحمۃ الآیۃ فی اختلاف الائمۃ

ز

- زاد المعاد
- زاد المسیر
- زرقانی
- زاد المعاد فی ہدی خیر العباد
- الزواجر عن اقتراف الکبائر

س

- سنن ابی داؤد
- سنن ابن ماجہ
- سنن نسائی
- سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- سیرت ابن ہشام
- سیرۃ المصطفیٰ ﷺ
- سید الکائنات ﷺ
- سیرت حلبیہ
- سیرت مغلطائی
- السیرۃ النبویہ

ش

- شرح صحیح مسلم
- شرف المکالمہ
- شامی
- شرح شرعۃ الاسلام

ص

- صحیح البخاری (محمد بن اسماعیل البخاریؒ)
- صحیح مسلم (مسلم بن حجاج القشیری)
- صور من حیاۃ الصحابہ
- صاوی
- صفوۃ الصفوۃ

ط

- الطبقات الکبریٰ (علامہ محمد بن سعدؒ)
- طبقات ابن اسعد

- طبری
- طبقات الشافعیۃ الکبریٰ

ع

- عمدۃ القاری شرح بخاری
- عہد نبوت کے ماہ وسال
- عالمی تاریخ
- عقائد اسلام

غ

- غیاث اللغات

ف

- فی ظلال القرآن (علامہ سید قطبؒ)
- فتح الباری
- فجر الاسلام (احمد امینؒ)
- فتوح البلدان (علامہ احمد البلاذریؒ)

ق

- قصص القرآن
- قصص الانبیاء (علامہ ابن کثیرؒ)
- قصص الانبیاء (علامہ عبد الوہاب نجارؒ)
- قرۃ العیون
- قلب جزیرۃ العرب (فواد حمزہ)

ک

- کنز العمال
- کنز الدقائق
- کتاب الزہد (امام احمد بن حنبلؒ)
- کتاب الکبائر (علامہ ذہبیؒ)
- کاروان مدینہ
- کتاب الاذکار

ل

- لامع الدراری
- لطائف قاسمی (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)

م

- معارف القرآن
- مشکوٰۃ شریف
- مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
- موطا امام مالکؒ
- مشکوٰۃ المصابیح
- مستدرک حاکم
- مروج الذہب
- منہاج السنۃ النبویۃ (علامہ ابن تیمیہؒ)
- منزلۃ الصحابہ فی القرآن
- مدارج النبوۃ

ن

- نسائی شریف
- نسیم الریاض (علامہ خفاجیؒ)
- نساء الانبیاء
- نساء من عصر التابعین
- نشر الطیب
- نقوش رفتگاں (مفتی محمد تقی عثمانی)

و

- وفاء الوفا (علامہ علی بن احمد السمہودیؒ)

ہ

- ہدایہ (علامہ برہان الدینؒ)
- ہدایت کے چراغ (مولانا محمد عبد الرحمٰن)

ی

- الیواقیت والجواہر

خون شہید سے بھی ہے قیمت میں کچھ سوا
فنکار کے قلم کی سیاہی کا ایک بوند